حرفِ محرمانہ

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ

حرفِ محرمانہ

(احمدیت پہ ایک نظر)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ایم۔اے، پی ایچ ڈی

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

ISBN - 969 - 31 - 0068 - 9

(C) Copy Right by Sh.Ghulam Ali and Sons (Pvt)Ltd.

All Rights Resered.

(C) جملہ حقوق بحق شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ محفوظ

طابع : شیخ نیاز احمد

مطبع : غلام علی پرنٹرز
اشرفیہ پارک۔ فیروز پور روڈ لاہور

GHULAM ALI & SONS LTD.
LAHORE
Price

مقام اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز

۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور /۵۴۰۰۰

انتساب

اُن احمدی بھائیوں کے نام

جنھیں

حق و صداقت سے محبت ہے

اور جو

تلاشِ حقیقت کے لیے بے تاب ہیں

(برق)

فہرست مضامین

عنوان	نمبر صفحہ
حرفِ اوّل	۹
پہلا باب	
مسئلہ ختم نبوت قرآن کی روشنی میں	۱۶
خاتم النبیین کی تفسیر حدیث میں	۲۶
لفظ خاتم کا استعمال جناب مرزا صاحب کے ہاں	۳۳
خاتم النبیین کی تفسیر جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں	۳۹
ختم نبوت کی نئی تشریح	۴۸
دوسرا باب	
مسیح موعود ہونے کا دعویٰ	۶۳
تیسرا باب	
مسیح و مثیل مسیح	۷۶
چوتھا باب	
تاریخ بعثت	۸۵

عنوان	نمبر صفحہ
پانچواں باب	
دلائل بر نبوت	۹۲
اُولٰئک مع الذین	؍؍
دلیلِ افترا	۹۵
دلیل مماثلت	۱۰۵
چھٹا باب	
مسیح و دجال	۱۲۳
ساتواں باب	
مسئلہ جہاد	۱۷۴
آٹھواں باب	
صداقت کے چار معیار	۱۸۵
قبولیتِ دعاء	۱۸۶
فہم قرآن	۲۰۱
نشانات	۲۱۶
۱۔ محمدی بیگم	۲۲۲
۲۔ ڈپٹی آتھم	۲۳۳
۳۔ پسر موعود	۲۴۵
۴۔ طاعون و قادیان	۲۵۳

نمبر صفحہ	عنوان
۲۶۱	احمدیوں کی تعداد
۲۶۴	الہامِ عمر
۲۶۶	امراضِ خبیثہ سے حفاظت کا وعدہ
۲۶۸	الہامِ تلج
۲۷۰	میاں منظور محمد کے گھر لڑکا
۲۷۲	کنواری اور بیوہ
۲۷۳	بعض بابرکت عورتیں
	نواں باب
۲۷۵	الہامات
۲۸۳	الہامات غلط زبان میں
۲۸۵	عجیب الہامات
۲۸۷	مہمل الہامات
	دسواں باب
۲۸۹	وسعت علم
	گیارھواں باب
۲۹۸	نبی فصیح البیان ہوتا ہے
۳۰۴	محلّ الفاظ
۳۰۷	ثقیل الفاظ

بسم اللہ سبحانہ

حرفِ اوّل

میرے احباب میں ایک خاصی تعداد احمدی حضرات کی ہے جن سے میرے مراسم ہمیشہ برادرانہ رہے ہیں اور میں نے کبھی محسوس نہ کیا کہ ہم میں کوئی ذہنی اختلاف موجود ہے۔ جب گزشتہ مارچ ۱۹۵۳ء میں احمدی حضرات کے خلاف ملک میں ایک طوفان اٹھا تو میری توجہ اس طرف منعطف ہوئی اور میں نے جناب مرزا غلام احمد صاحب کی تصانیف کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یہ تحریر میرے تاثراتِ مطالعہ کی آئینہ دار ہے۔

میں اسلام کی بین الاقوامیت اور نسلِ آدم کی جمعیت کا مبلغ ہوں اور ہر قسم کی تفریق کا خواہ وہ قومی ہو یا ملّی، مخالف ہوں اور اسلامی فرقہ بندی پر کچھ لکھنا تضیعِ اوقات سمجھتا ہوں۔ لیکن جو سوال اس تحریر کا محرک بنا۔ وہ یہ تھا کہ احمدی بھائیوں اور دیگر مسلمانوں میں مجھے بظاہر کوئی اختلاف نظر نہیں آتا تھا۔ ان کا قبلہ ایک طریق عبادت ایک، تمدّن

ایک. معاشرت ایک. قانون ایک. فقہ ایک تو پھر یہ تصادم کیوں ہوا کیوں ایک دوسرے سے الجھ کر دنیا کو تماشہ دکھائیں اور پاکستان میں انتشار کی آگ بھڑکائیں۔

اس سلسلے میں میں نے علمبرداران تحریک کے ہر بیان، ہر تحریر اور دیگر لٹریچر کا غور سے مطالعہ کیا اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب، جناب میاں بشیر الدین صاحب محمود نیزان کے جریدہ موقرہ "الفضل" کی تحریرات و مقالات کو پڑھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ احمدی حضرات اور دیگر مسلمان ایک دوسرے سے دور جا رہے ہیں ان کے درمیان ذہنی دیواریں حائل ہو چکی ہیں اور اس لیے ہر خیر خواہ ملک وملت کا فرضِ اولین ہے کہ وہ بھائی کو بھائی سے ملائے اور ان اخلاقی خلیجوں کو پاٹ دے جو انہیں جدا کر رہی ہیں۔

طرفین میں ما بہ النزاع ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ علمائے اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام پہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور علمائے قادیان اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ اس مسئلے کا فیصلہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اگر علمائے احمدیت کی رائے صحیح ہو تو ہمیں سپر ڈال دینا چاہیئے اور اگر غلط ہو تو وہ دیگر مسلمانوں کے ہم آہنگ ہو جائیں۔

مذہب ایک عمیق ترین تعصب اور محبوب ترین تعلق کا نام ہے اس کی بنیاد ماں کی آغوش میں ڈالی جاتی ہے اور گھر کے عزیز ترین ماحول میں یہ پروان چڑھتا ہے گوشت سے ناخن کو جدا کرنا سہل ہے لیکن مذہبی تصورات سے جدا ہونا مشکل۔ دنیا کی کوئی منطق اور جہان علم و حکمت کا کوئی فلسفہ ہمارے مذہبی عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ مجھے ان مشکلات کا پوری طرح احساس ہے لیکن جب میں دیکھتا ہوں

کہ سعد بن ابی وقاصؓ کے حملے کے اقل قلیل مدت میں سارا ایران حلقہ بگوش اسلام بن گیا تھا۔ زرتشتیوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے آتش کدوں کی بنیادیں کھود ڈالی تھیں اور نصارائے شام نے بلا اکراہ اپنے کلیساؤں کو مسجدوں میں بدل دیا تھا۔ تو میری ڈھارس بندھ جاتی ہے ایران و شام میں عقائد کی مکمل تعمیر کو ڈھانا تھا اور یہاں صرف ایک تصور کو جھٹکانا ہے اس لیے میرا کام نسبتاً سہل ہے۔

دنیا میں کوئی شخص گمراہی کو پسند نہیں کرتا ہم صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ قرآن و صاحب قرآن کو وسیلہ نجات سمجھتے ہیں اسی طرح احمدی بھائی بھی نجات و سعادت ہی کی خاطر جناب مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہیں اگر آج ہمیں یقین دلایا جائے کہ حضور علیہ السلام (نعوذ باللہ) دعوئے نبوت میں صادق نہیں تھے تو ہم سب لازماً کوئی اور ذریعۂ نجات تلاش کریں گے اسی طرح اگر احمدی بھائیوں کو بھی پورا یقین ہو جائے کہ جناب مرزا صاحب کا دعویٰ درست نہیں تھا تو وہ یقیناً اس راہ کو چھوڑ جائیں گے آخر گمراہ ہونا کوئی خوبی نہیں اس سے نہ دنیا سنورتی ہے اور نہ آخرت۔ کون چاہتا ہے کہ گمراہ رہ کر یہاں کروڑوں بھائیوں کے عتاب کا شکار بنے اور وہاں خدائی عذاب کا۔ میرا اپنا وتیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جہاں کوئی معقول بات سنی فوراً قبول کر لی ایک زمانہ تھا کہ میں ہر جدید تصور کا دشمن اور ہر دقیانوسی رسم و عقیدہ کا پرستار تھا۔ قبروں پہ ماتھے رگڑتا تھا۔ رہبانیت کا قائل تھا حرز و افسوں پہ گزارہ تھا انبیاء کو عالم الغیب۔ مردوں کو سمیع و بصیر اور احبار و رہبان کو اپنا رب سمجھتا تھا بعد میں جب منکرین اسلام کے فلسفیانہ دلائل کا مطالعہ کیا تو میرے عقائد کی مضبوط چٹانیں پاش پاش ہو گئیں یہاں تک کہ آج میرے دل کی دنیا میں تباہ شدہ عقائد کے کھنڈرات دور افق تک پھیلے ہوئے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ احمدی حضرات بات نہیں سنتے مجھے اس رویے سے شدید اختلاف

ہے آخر اس جماعت میں بڑے بڑے وکلاء، پروفیسر جج اور دیگر معقول لوگ موجود ہیں ایک معقول انسان سے اس غیر معقولیت کی امید ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ دوسرے کی بات نہ سنے بشرطیکہ بات میں کوئی معقولیت ہو آج تک احمدیت پر جس قدر لٹریچر علمائے اسلام نے پیش کیا ہے اس میں دلائل کم تھے اور گالیاں زیادہ۔ ایسے دشنام آلود لٹریچر کو کون پڑھے اور مغلظات کو کون سنے میٹھے انداز اور ہمدردانہ رنگ میں کہی ہوئی بات پر ہر شخص غور کرتا ہے لیکن گالیاں کوئی نہیں سنتا۔

مسئلہ ختم نبوت پر میں نے جناب مرزا صاحب کی تقریباً چالیس ضخیم تصانیف پڑھیں ساتھ ہی ان کے صاحبزادے کی تحریرات کو دیکھا اجرائے نبوت پر جس قدر دلائل ان کتابوں میں موجود تھیں ان کو قرآن و عقل کی میزان میں تولا اور بالآخر ان نتائج پر پہنچا جو صفحاتِ آئندہ میں درج ہیں۔

یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کے تمام حوالوں میں انتہائی دیانت سے کام لیا گیا ہے اقتباسات کو نہ تو مسخ کیا گیا ہے اور نہ قطع و برید سے حسب منشا بنایا گیا ہے بلکہ ہر حوالے میں صاحبِ کتاب کی منشا کو مدنظر رکھا گیا ہے یہ اس لیے تاکہ مسئلہ کے تمام پہلو بہ پہلو سامنے آجائیں اور احمدی و غیر احمدی حضرات کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اس کتاب میں دلائل کی بنیاد صرف دو چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

اوّل: قرآن حمید پر کہ اسے احمدی و غیر احمدی سب تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

دوم: جناب مرزا صاحب کی تحریرات پر کہ وہ احمدی بھائیوں کے ہاں واجب الایمان ہیں

احادیث من حیث المجموع نہ میرے ہاں سند ہیں نہ احمدی حضرات کے ہاں جناب مرزا صاحب صرف ایسی احادیث کو قابل اعتنا سمجھتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہوں اور جن کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہو اور یہی مسلک میرا ہے۔ میرے ہاں کوئی حدیث قرآن پر حکم نہیں بن سکتی۔ البتہ تفسیر کر سکتی ہے اور یہ تفسیر بعض مسائل کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے

حدیث میں یا تو حضور علیہ السلام کے اقوال ہیں اور یا صحابہ کرام کے قرآن حکیم ان حضرات پر انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا اس لیے وہ آیات کو ہم سے بہتر سمجھ سکتے تھے ان لوگوں نے جو کچھ کسی آیت کے متعلق حضورؐ سے سنا، یا خود سمجھا پیش کر دیا۔ امام بخاری (وفات ۲۵۶ھ ۸۷۰ء) کے عہد میں صرف تفسیری احادیث کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی۔ ہمارے مفسرین نے گزشتہ تیرہ سو برس میں ہزار ہا تفاسیر لکھیں جن کی بنیاد ان احادیث پہ رکھی۔ میں نے بھی اس کتاب میں چند احادیث سے تفسیر کا کام لیا ہے (سند کا نہیں صرف تفسیر کا) تاکہ قارئین کرام فیصلہ کر سکیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام نے کسی خاص آیت کا مطلب کیا سمجھا تھا۔

جماعت احمدیہ کے موجودہ امام جناب میاں محمود احمد صاحب غیر معمولی فہم و فراست اور علم و تدبر کے مالک ہیں۔ نزاکت وقت کو محسوس کرتے ہوئے آج سے ایک ہفتہ پہلے (جون ۱۹۵۳ء کے آخر میں) آپ نے ایک طویل بیان اخبارات کے حوالے کیا جس میں اعلان فرمایا:

اول کہ ہم مسلمان ہیں دیگر مسلمانوں سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہمارا رسول ایک، کتاب ایک، قبلہ ایک، تمدن ایک، روایات ایک اور سب کچھ ایک؛

یہ ایک نہایت مبارک اقدام ہے اللہ کرے کہ احمدی و غیر احمدی کے مصنوعی اختلافات ختم ہو جائیں اور ہم سب مل کر پاکستان کے استحکام اور قرآنی اقدار کے احیاء کے لیے کام کریں۔

گزشتہ ستر برس میں احمدی کو غیر احمدی سے جدا کرنے کے لیے کئی ہزار صفحات سپرد قلم ہوئے اور انہیں ملانے کے لیے شاید ایک لفظ بھی کسی زبان سے نہ نکلا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جنازے اور نمازیں ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں رشتے کٹ گئے

اور کفر و اسلام کے پہاڑ درمیان میں حائل ہو گئے۔

جناب مرزا میاں محمود احمد صاحب کا یہ بیان اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ مصالحت کی طرف یہ پہلا جرأت مندانہ قدم ہے میں اس سلسلے میں امام جماعت سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ وہ اپنی جماعت کو یہ بھی ہدایت کریں کہ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ ان کی مساجد میں نماز پڑھیں اُن کے جنازوں میں شامل ہوں۔ اسلامی تقریبات مل کر ادا کریں اور کفر و اسلام کے مصنوعی و غیر فطری تصورات کو جھٹک دیں:

والسلام
برقؔ ۔ کیمبلپور
۶ جولائی ۱۹۵۳ء

پہلا باب

مسئلۂ ختم نبوت قرآن کی روشنی میں

قبل اس کے کہ ہم آیۂ خاتم النبیّٖن پر بحث کریں یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا بلکہ تمام انبیاء ایک ہی پیغام کو مختلف زبانوں اور زمانوں میں دہراتے رہے ہے اس موضوع پر مفصل بحث تو میری کتاب "ایک اسلام" میں ملے گی یہاں مختصر اتنا بتانا کافی ہوگا کہ حقیقت ہر زمانے میں ایک رہی ہے دو اور دو ہر دور میں چار تھے۔ لوہا ہمیشہ پانی سے بھاری رہا اور پانی سدا ڈھلان کی طرف بہتا رہا اگر مذہب بھی کسی سچائی کا نام ہے تو اسے لازماً ہر زمانے میں ایک ہونا چاہیے ایک خدا کا پیغام ایک نسلِ انسانی کی طرف اس کی ایک فطرت کی اصلاح کے لیے ایک ہی ہو سکتا تھا دس یا بیس نہیں ہو سکتے تھے اسی لیے اللہ تعالٰے نے بار بار قرآن میں فرمایا:

إِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْأُولٰى ط

(یہ قرآن پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے)

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۔

(ہم تمہیں وہی پیغام دے رہے ہیں جو تم سے پہلے انبیاء کو دیا گیا تھا۔)

"لِلرُّسُلِ" کا الف لام استغراقی ہے یعنی تمام انبیاء کو یہی پیغام دیا گیا تھا اس سے

یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ہر نبی کوئی نہ کوئی پیغام لے کر آیا تھا۔ اسی پیغام کا نام شریعت تھا۔ یہ فرض کر لینا کہ بعض انبیاء شریعت کے بغیر آئے تھے ایک مضحکہ خیز تصور ہے اگر ان انبیاء کے پاس کوئی پیغام یا شریعت یا ضابطۂ اخلاق موجود نہیں تھا تو ان کی تشریف آوری کا مقصد کیا تھا۔ کیا وہ بھیڑیں چرانے آئے تھے یا ایران و عرب میں تجارتی تعلقات قائم کرنے آئے تھے جب وہ نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے لازماً وحی سے ان کی مدد کی ہو گی۔ خیر و شر کے تمام ضوابط سمجھائے ہوں گے اور ان انبیاء نے نسلِ انسانی سے کہا ہو گا کہ چوری، زنا، جھوٹ، بد دیانتی وغیرہ سے بچو اور سچائی کو اختیار کرو۔ نیز ان کے معاشرتی روابط میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے نکاح۔ وراثت۔ وغیرہ پر مفصل ہدایات دی ہوں گی کیا شریعت ان اخلاقی و معاشری ضوابط سے الگ کوئی چیز ہے؟ پس ہم کسی نبی کو غیر شرعی فرض ہی نہیں کر سکتے ہر نبی کے ساتھ وحی تھی۔ وہ نبی وحی سے درسِ خیر و شر لے کر امت تک پہنچاتا تھا اسی وحی کا نام خواہ وہ دس صفحات میں پھیلی ہوئی تھی یا ہزاروں میں شریعت ہے۔ جو زمانے میں ایک تھی۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ

(اے محمد ہم تمہیں وہی دین اور وہی شریعت دے رہے ہیں جو نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھی۔)

ان تمہیدی گزارشات کے بعد آیئے اس آیت پر بحث کریں جس کی مختلف تفسیروں نے جلسے کئی ہزار بھائیوں کو ہم سے الگ کر دیا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ؕ

(محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں (بلکہ اس کی محبت ورحمت کا دامن وسیع تر ہے) یعنی وہ اللہ کا رسول اور خاتم الانبیاء ہے)

اس آیت کا صرف ایک لفظ خاتم وجہ نزاع بنا ہوا ہے احمدی بھائی اس کا ترجمہ مہر کرتے ہیں "محمد علیہ السلام انبیاء کی مہر ہیں" یعنی اُمتِ محمدیہ کے انبیاء حضور علیہ السلام کے مہر شدہ فرمان سے آئیں گے اور حضور کی تصدیق کے بغیر آئندہ کوئی نبی نہیں آسکے گا اور باقی مسلمان خاتم کے معنی آخری کرتے ہیں دونوں تفسیروں میں انتہائی تضاد ہے ایک تفسیر سے سلسلہ انبیاء جاری رہتا ہے اور دوسرے سے بند ہو جاتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا فیصلے کے لیے کہاں لے جائیں مجھے صرف تین ایسی عدالتیں نظر آتی ہیں جو اس نزاع پر فیصلہ دینے کی مجاز ہیں۔ اول علمائے لغت یعنی عربی زبان کے ماہرین۔ دوم قرآن اور سوم حدیث۔

لغت کی روشنی میں

المنجد: الخاتم والخاتم عاقبۃ کل شیٔ لہ
(ہر چیز کے آخر کو خاتم وخاتم کہتے ہیں)

منتہی الارب خاتم = مہر، انگوٹھی، پایانِ کار

خاتم = آخر ہر چیز۔ پایانِ آں وآخر قوم

مفردات القرآن۔ صراح۔ قاموس۔ تہذیب (ازہری) لسان العرب تاج العروس۔ مجمع البحار۔ صحاح العربیہ اور کلیات ابی البقا میں خاتِم وخاتَم کے معانی تقریباً ایک جیسے دیے ہوئے ہیں۔ یعنی

- ۱۔ وہ نگینہ جس پر نام کندہ ہو۔
- ۲۔ انگوٹھی۔

- ۳ ۔ آخر۔ انجام
- ۴ ۔ کسی چیز کو ختم کرنے والا۔
- ۵ ۔ کاغذ پر مہر کا نقش ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیۂ زیر بحث میں کون سے معنی چسپاں ہوتے ہیں "آخری نبی" کا مفہوم تو بالکل صاف ہے لیکن نبیوں کی مہر یا انگوٹھی کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا پہلے ان فقروں کو پڑھیئے ،

- ۱ ۔ یہ مہر زید کی ہے ۔
- ۲ ۔ یہ مہر عدالت کی ہے ۔
- ۳ ۔ یہ مہر مجسٹریٹوں کی ہے ۔

کیا آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اس مہر سے مجسٹریٹ بنتے ہیں؟ کیا دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اس مہر سے عدالتیں تیار ہوتی ہیں اگر یہ مفہوم صریحاً غلط ہے تو پھر "خاتم الانبیاء (نبیوں کی مہر) کی یہ تفسیر کیسے درست ہو سکتی ہے ۔ کہ ایسی مہر جس سے نبی بنتے ہیں نحو کی رو سے خاتم مضاف ہے اور انبیا مضاف الیہ ہے ۔

دنیا کی کسی بھی زبان میں ایک بھی ایسا مضاف موجود نہیں جو مضاف الیہ کا خالق و موجد ہو ۔ اس لیے خاتم الانبیاء سے ایسی مہر مراد لینا جو انبیاء تیار کرتی ہو ۔ نہ صرف عربی لغت کی رو سے غلط بلکہ ہر زبان کے قواعد کے خلاف ہے ۔ مضاف اور مضاف الیہ میں صرف نو قسم کے تعلقات ہو سکتے ہیں ۔

- اوّل ۔ مضاف مملوک ہو اور مضاف الیہ مالک مثلاً کتاب زید
- دوم ۔ عام ″ ″ ″ ″ خاص ″ ۔ گلِ انار

- سوم ۔ مضاف الیہ مضاف کی توضیح کرے ۔ کتابِ شاہنامہ
- چہارم ۔ مضاف، مضاف الیہ سے بنا ہو ۔ خاتم زر
- پنجم ۔ مضاف مظروف اور مضاف الیہ ظرف ہو ۔ آبِ دریا
- ششم ۔ مضاف بیٹا یا بیٹی ہو ۔ ابنِ مریم
- ہفتم ۔ مضاف مشبہ بہ اور مضاف الیہ مشبہ ہو ۔ مارِ زلف
- ہشتم ۔ مضاف مستعار اور مضاف الیہ مستعار لہ ہو ۔ پائے عقل
- نہم ۔ مضاف کو مضاف الیہ سے کچھ تعلق ہو ۔ شہرِ ما مکتبِ ما۔ کوئے ما وغیرہ

لیکن خاتم الانبیاء کی احمدی تفسیر سے ایک ایسا مرکبِ اضافی وجود میں آتا ہے جس کی کوئی نظیر دنیا کی کسی زبان میں نہیں مل سکتی۔

علاوہ ازیں جب خاتم کا لفظ کسی جماعت یا گروہ کی طرف مضاف ہو تو وہ لاز "آخری" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً خاتم المہاجرین (آخری مہاجر) خاتم المنجم (آخری منجم) خاتم الخلفاء (آخری خلیفہ) اور خاتم الانبیاء (آخری نبی) عربوں کے وسیع لٹریچر میں اس کی لاکھوں مثالیں موجود ہیں لیکن اس قاعدہ کے خلاف ایک بھی مثال موجود نہیں۔

بہر حال لُغت، نحو اور کلامِ عرب کی روشنی میں خاتم الانبیاء کے معنی صرف آخری نبی ہو سکتے ہیں واپس آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود قرآن نے "خاتم" کی تفسیر کیا پیش کی ہے۔ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

قرآن شریف کی قرآن شریف ہی سے تفسیر کرو اور دیکھو کہ وہ ایک ہی معنی رکھتا ہے یا متفرق معنی لیتا ہے اور اقوال سلف وخلف درحقیقت کوئی مستقل حجت

نہیں۔ اور ان کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔"

(ازالۂ اوہام ج۔۲۔ صفحہ ۵۳۸)

"غرض اس متبادر اور مسلسل معنوں کے سوا جو قرآن شریف سے .... اوّل سے آخر تک سمجھے جاتے ہیں ایک نئے معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا یہی تو الحاد اور تحریف ہے۔"

(ازالہ ج۔۲ صفحہ ۷۴۵)

یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے لیے ہمارے نزدیک وہی معنی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہیں کیونکہ قرآن کی بعض آیت بعض کی تفسیر ہیں۔

(آریہ دھرم صفحہ ۸۲)

مرزا صاحب کے ان ارشادات سے ہمیں سو فیصدی اتفاق ہے آیئے اب یہ دیکھیں کہ قرآن کے دیگر مقامات سے "خاتم" کی کونسی تفسیر مستنبط ہوتی ہے۔

اگر ہم صحائفِ اولیٰ پہ نظر ڈالیں تو ہمیں جابجا آنے والے انبیاء کے متعلق بشارات ملتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں ایک رسول کے ظہور کی دعا مانگ رہے ہیں

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا ؕ

(اے اللہ تو اہل مکہ کی طرف رسول بھیج)

حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل کسی نبی کی بشارت سنا رہے ہیں۔
خداوند تیرا خداوند تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں

میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔"

(استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵)

حضرت یسعیاہ ایک اُمّی نبی کی خبر دے رہے ہیں۔

"وہ کتاب ایک اَن پڑھ کو دیں اور کہیں کہ پڑھ۔ اور وہ کہے میں تو ناخواندہ ہوں۔"

(یسعیاہ باب ۲۹ آیت ۱۲)

توراتِ مقدس خداوند کا جلال پھر وادیٔ فاران میں دیکھ رہی ہے

"خداوند سینا سے آیا۔ شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی۔"

(استثنا باب ۳۳۔ آیت ۳۱)

حضرت ذکریا ایک نجات دہندہ کا ذکر فرما رہے ہیں۔

"اے یروشلم کی بیٹی تو خوب للکار کہ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے وہ صادق ہے اور نجات دینا اس کے ذمے ہے۔"

(ذکریا باب ۹ آیت ۹)

حضرت مسیح علیہ السّلام بیسیوں پیرایوں میں ایک پُر جلال رسُول کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں۔

"اُس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔"

(یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۳۰)

لیکن قرآن حکیم میں کسی آنے والے نبی کا اشارہ تک موجود نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کو خاتم الانبیاء قرار دینے کے بعد تقریباً ایک سو آیات میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے کہ اب قیامت تک کوئی اور وحی نازل نہیں ہوگی۔ تمام آیات کو یہاں درج کرنا دشوار ہے اس لیے چند ایک ملاحظہ فرمایئے:

(۱) سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں مومنوں کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے کے بعد صلوٰۃ و زکوٰۃ پر کاربند ہوتے ہیں:

اور

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ

(وہ اس وحی پہ ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی اور جو تم سے پہلے انبیاء کو دی گئی۔ اور پھر قیامت پہ ایمان لاتے ہیں)

غور کرو کہ حضور علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کسی وحی کا ذکر موجود نہیں مسلمان کی تعریف صرف اتنی ہی بتائی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام اور سابق انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پر یقین رکھتا ہو اگر حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کی آمد مقدر ہوتی تو جس اللہ نے صلوٰۃ و زکوٰۃ پر انداز اً ڈیڑھ سو اور مطالعہ کائنات پر ساڑھے سات سو آیات نازل کیں جس نے زمین پہ چلنے، گفتگو کرنے، نکاح، طلاق، وضو، قربانی، تجارت اور قرض جیسے چھوٹے چھوٹے مسائل کو کھول کھول کر بیان کیا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ وہ امت مسلمہ کو ایک نبی کی آمد سے غافل رکھتا؟ اور حضور علیہ السلام کے بعد صرف قیامت پہ ایمان لانے کا

حکم دیتا؟ جس اللہ نے پہلے انبیاء کو بار بار تاکید کی تھی کہ بعد میں آنے والے انبیاء پر بھی ایمان لانا اور جن کے صحائف اس قسم کی پیشگوئیوں سے لبریز ہیں. وہ اللہ مسلمانوں پر یہ ظلم نہیں کر سکتا تھا کہ پہلے تو حضور کو خاتم النبیین قرار دیتا پھر ایک سو آیات میں انہیں حضور اور پہلے انبیا کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پہ یقین رکھنے کی ہدایت کرتا ایسے لوگوں کو

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے)

ہدایت یافتہ و ناجی قرار دیتا ہے اور پھر چپکے سے ایک رسول بھی بھیج دیتا۔

(۲) حضور علیہ السلام کو اپنی امت سے عشق تھا۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ط

(محمد کو تمہاری تکلیف سخت شاق گزرتی ہے وہ تمہیں سر بلند دیکھنے کے لیے مضطرب ہے اور وہ تم پہ بے حد مہربان اور شفیق ہے)

تو جس رسول کو اپنی امت سے یہ عشق تھا کیا وہ برداشت کر سکتا تھا کہ ساری امت آنے والے نبی سے غافل رہ کر جہنم کا ایندھن بن جائے۔ یقیناً کسی نبی کی بعثت مقدر ہی نہیں تھی۔ ورنہ حضور علیہ السلام کی وحی میں لازماً اس کا ذکر ہوتا:

(أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ)

اے مسلمانو! خدا۔ رسولِ عربی اور اپنے فرماں رواکی جو تم میں سے ہو۔ اطاعت کرو اگر رسولِ عربی صلعم کے بعد کسی نبی کو بھی آنا ہوتا تو اللہ اس کی اطاعت

کی بھی ہدایت نافذ کرنا اولی الامر کی اطاعت کا حکم دینا اور کسی نبی کا ذکر تک نہ کرنا صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ حضور علیہ السلام آخری نبی تھے:

(۴) اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ؕ

(اے لوگو! خدا و رسولِ عربی پہ ایمان لانے کے بعد اس کتاب کو جو رسولِ عربی پہ اتری ہے اور ان کتابوں کو جو پہلے اتر چکی ہیں۔ مانو)

یہاں پہلی کتابوں پہ ایمان لانے کا حکم تو موجود ہے لیکن بعد میں آنے والی کسی وحی کا ذکر موجود نہیں۔

(۵) وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ

(مومن وہ ہے جو اے رسول تیری وحی اور تجھ سے پہلے انبیاء کی وحی پر ایمان لائے)

غور کا مقام ہے کہ جس اللہ نے حضورؐ اور گذشتہ انبیاء کی وحی پہ ایمان لانے کا سو مرتبہ حکم دیا کیا وہ صرف ایک مرتبہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

وَمَا یُنْزَلُ مِنْۢ بَعْدِکَ

کہ مومن آنے والے انبیاء پہ ایمان لائے گا۔ کیوں نہیں کہا؟ کیا اللہ تعالےٰ کو ہماری گمراہی مقصود تھی؟ کیا کسی نبی پہ ایمان لانا اس قدر مشکل فرض تھا کہ اللہ تعالےٰ نے اسے صیغہ رازہی میں رکھنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ اسلام سے منحرف نہ ہو جائیں؟ جو مسلمان پہلے ہی ڈیڑھ

لاکھ انبیاء پہ ایمان رکھتا ہے، اسے صرف ایک اور نبی کو تسلیم کرنے میں کیا تکلیف ہو سکتی تھی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نبی کی آمد مقدر ہی نہیں تھی۔ ورنہ ساڑھے چھ ہزار آیات نازل کرنے والا خدا کم از کم ایک آیت تو اس موضوع پہ بھی نازل کرتا:

خاتم النبیّین کی تفسیر حدیث میں

مسئلہ "حدیث" پر میں ایک پوری کتاب "دو اسلام" کے نام سے لکھ چکا ہوں میرے ہاں صرف وہی حدیث قابلِ استناد ہے جو قرآن کی مفسر اور قرآن کے مطابق ہو کسی حدیث کو وحی کا درجہ حاصل نہیں ہمارے پاس جو کتاب بذریعہ وحی پہنچی، وہ قرآن حکیم ہے جس طرح ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ قرآن کی تفسیر پیش کریں اسی طرح صحابہ کرام کو بھی تفسیر الوحی کا حق حاصل تھا۔ حدیث کیا ہے؟ حضور علیہ السلام اور صحابہ کے اقوال و اعمال کا مجموعہ۔ قرآن انہی پہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ یہ بزرگ قرآن کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا اگر ہم "خاتم النبیین" کی تفسیر سمجھنے کے لیے حدیث سے بھی مدد لیں:

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

دوسری کتابیں جو ہماری مسلّم کتابیں ہیں ان میں سے اوّل درجہ پہ صحیح بخاری ہے اور اس کی تمام وہ احادیث ہمارے ہاں حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں اور ان میں سے دوسری کتاب "صحیح مسلم" ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو اور تیسرے درجہ پہ صحیح ترمذی

ابن ماجہ۔ مُوطا۔ نسائی۔ ابن داؤد۔ دار قطنی کتب حدیث ہیں۔ جن کی حدیثوں کو اس شرط سے صحیح مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔"

(آریہ دھرم)

یوں تو احادیث کے وسیع دفتر میں ختم نبوت پر بہت زیادہ احادیث ہوں گی لیکن اس وقت میرے سامنے دو سو دس احادیث ہیں۔ جن میں سے صرف چند ایک درج ہیں:

اوّل

مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانہ ترک منہ موضع لبنۃ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الا موضع تلک اللبنۃ۔ فکنت انا موضع اللبنۃ ختم بی النبیین وختم بی الرسل۔

(بخاری۔ مسلم۔ ابن عساکر۔ احمد۔ نسائی)

میرا تعلق گذشتہ انبیاء سے اس عمارت کی طرح ہے جو مکمل ہو گئی لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اس عمارت کا چکر کاٹتے اس کی استواری وحسنِ تعمیر کی تعریف کرتے اور اس خالی جگہ پہ حیرت کا اظہار کرتے۔ اس خالی جگہ کی اینٹ میں ہوں۔ میری وجہ سے نبوت کی عمارت مکمل ہو گئی اور مجھ پہ انبیاء کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

خاتم النبیین کی کس قدر صاف تفسیر ہے:

دوم

ان بنی اسرائیل کانت تسوسہ انبیاءھم کلما ھلک نبی خلف نبی - فانہ لیس کائناً فیکم نبی بعدی قالوا فما یکون یا رسول اللہ - قال یکون خلفاء (بخاری. مسلم. احمد. ابن ماجہ)

بنی اسرائیل کے سردار انبیاء ہوا کرتے تھے ایک نبی کے بعد دوسرا آجاتا تھا لیکن اے مسلمانو! تم میں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
صحابہ نے پوچھا تو پھر ہمارے حاکم کون ہوں گے؟ فرمایا خلفا)

سوم

اُرسلتُ اِلَی الخلق کافۃً وختم بِی النبیّون

(مسلم ترمذی)

مَیں تمام نسلِ انسانی کی طرف مبعوث ہوا ہوں اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

اس حدیث کا پہلا ٹکڑا؛ اِنّی رسُولُ اللہِ اِلَیکُم جمیعاً (میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ قرآن) اور دوسرا خاتم النبین کی تفسیر ہے۔)

چہارم

سیکون فی اُمتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ

نبیٌّ وانا خاتمُ النبیین لا نبی بعدی ؐ

(مسلم . دارمی . ترمذی . ابن ماجہ)

(میری امت میں تیس ایسے جھوٹے آئیں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے یاد رکھو کہ میں خاتم الانبیاء ہوں . اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا .)

پنجم

اِنّی آخِرُ الانبیاءِ وَاَنتمُ آخرُ الاُمم (ابوداؤد . ابن ماجہ)

(میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضور علیہ السّلام نے خاتم النبیین کی کتنی واضح تفسیر فرمائی ہے یعنی آخری نبی :

ششم

قَالَ آدمُ مَنْ مُحَمَّدٌ - قَالَ آخر ولد ك مِن الانبیاءؐ

(ابن عساکر)

(آدم نے اللہ سے پوچھا کہ محمدؐ کون ہے ؟ فرمایا سلسلۂ انبیاء میں تیرا آخری

ہفتم

یا ابلاذر اول الانبیاءِ آدم وآخرھم محمد ؐ (ترمذی . ابن عساکر)

(اے ابوذر! پہلا نبی آدم تھا اور آخری محمد ہے)

ہشتم

ذهبت النبوة فلا نبوة بعدی الا المبشرات قیل وما المبشرات - قال الرؤیا الصالحة ۵

(بخاری . مسلم . طبرانی . احمد)

(نبوت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نبوت نہیں ہو گی. صرف بشارات ہوں گی کسی نے پوچھا کہ یہ بشارات کیا ہیں؟ فرمایا. صحیح خواب)

اگر حضور علیہ السلام کے بعد ظلی ، بروزی ، کشفی ، جزوی یا تبعی نبوت کا وجود بھی ہوتا. تو آپ ضرور ذکر فرماتے. لیکن آپ نے صحیح خواب کے بغیر باقی ہر قسم کی نبوت کا انکار کر دیا. اس سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ حضور علیہ السلام پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے :

نہم

جب فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ نے حضور علیہ السلام سے ہجرت کی اجازت طلب کی. تو آپ نے جواب میں لکھا :

یا عم اقم مکانک الذی انت بہ فان اللہ قد ختم بک الهجرة کما ختم بی النبوة ۵ (طبرانی . ابن عساکر)

(اے میرے چچا! وہیں رہو. اللہ نے تم پر ہجرت کو یوں ختم کر دیا ہے جس طرح مجھ پر نبوت کو)

دہم

لَنَا العَاقِب۔ وَالعَاقِب الَّذِی لَیْسَ بَعْدَہ نَبِیٌّ ؕ

(بخاری مسلم۔ مُوطّا۔ ترمذی)

(مَیں عاقب (آخری) ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو)۔

یہ تھیں چند احادیث۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ جن میں لفظ خاتم کی تشریح مختلف اسلوبوں، پیرایوں اور عبارتوں میں پیش کی گئی ہے کہیں حضورؐ نے فرمایا "میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔ کہیں اپنے آپ کو عاقب کہیں آخرالانبیاء اور کہیں تعمیرِ نبوت کی آخری اینٹ قرار دیا۔ تاکہ لفظ خاتم کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہ رہے۔ نیز خاتم النبیین میں لفظ "النبیین" پہ استغراقی ال لگاکر ہر قسم کی نبوت کا امکان ختم کردیا۔ معنعم کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک استغراقی ہوتا ہے جس کا مفہوم ہوتا ہے "تمام کل"۔ یہ جب جمع پہ داخل ہو تو عموماً استغراقی ہوتا ہے۔

علامہ ابوالبقا اپنی کلیات میں لکھتے ہیں:

وہ التعریف سواء دخلت علی المفرد او علی الجمع تفید الاستغراق الا اذا کان معہودا ؕ

(الف۔ لام۔ مفرد پر داخل ہو یا جمع پر۔ استغراقی ہوگا۔ ہاں اگر تعیین کرلی جائے تو عہدیت ہے)

مثلاً ھُدًی لِلمُتَّقِین (قرآن تمام متقین کے لیے ہدایت ہے) واللہ

محیطٌ بالکافرین (اللہ تمام کفار کا محاصرہ کر رہا ہے) ربِ العالمین (اللہ تمام کائنات کا رب ہے) وغیرہ وغیرہ۔

تو خاتم النبیین کے معنی ہوں گے "تمام نبیوں کا خواہ وہ ظلی ہوں یا اُمّتی ختم کرنے والا"۔ اگر خاتم کے معنی یہ کیے جائیں کہ صرف تشریعی انبیاء ختم ہوئے ہیں تو پھر خاتم النبیین کا مفہوم ہوگا خاتم بعض النبیین۔ یعنی حضور شرعی انبیاء کے خاتم ہیں اور غیر شرعی آتے رہیں گے ختم یا خاتمہ انتہا کا دوسرا نام ہے وہ انتہا کیسی جس کے بعد بھی کوئی چیز موجود رہے۔ "وہ آخری گاڑی" کیسی جس کے بعد بھی گاڑیاں آتی رہیں اور وہ جیب میں "آخری پیسہ" کیسا جس کے بعد بھی جیب میں دو سو روپے باقی ہوں:

چودہ لاکھ احادیث کے دفتر بے پایاں میں جہاں وضّاعین نے سیکڑوں مقامات پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا ہے۔ صرف ایک حدیث ایسی ملتی ہے جس سے اجرائے نبوت کا امکان نکلتا ہے اور وہ یہ ہے جب حضور علیہ السّلام کا فرزند ابراہیم فوت ہو گیا۔ تو بروایت ابنِ ماجہ آپ نے فرمایا:۔

لَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا

(اگر ابراہیم زندہ رہتا۔ تو نبی ہوتا)

یہ روایت محض غلط ہے اس لیے کہ قرآن حکیم کی ایک سو آیات اور دو سو احادیث کے خلاف ہے اور اس کی وہی تفسیر قابلِ قبول ہے جو امام بخاری۔ ابو داؤد اور احمد نے پیش کی۔

فرماتے ہیں:۔

ولو قضی بعد محمد صلعم نبی عاش ابنہ ولکن لا نبی بعدہٗ ؎

(اگر حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کا آنا مقدر ہوتا تو ابراہیم زندہ رہتا اور آپ کے بعد نبی بنتا۔ لیکن حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)

اور تقریباً یہی مضمون ہے حدیث ذیل کا، جو احادیث کے تمام مجموعوں میں موجود ہے

(لو کان بعدی نبیاً لکان عمر)

(اگر میرے بعد نبی ہو سکتا۔ تو عمر ہوتا)

لفظ خاتم کا استعمال جناب مرزا صاحب کے ہاں

جناب مرزا صاحب نے سیکڑوں مرتبہ لفظ خاتم استعمال فرمایا اور ان مقامات کے بغیر جہاں "خاتم النبیین" کی تفسیر "نبی ساز" فرماتے ہیں، باقی ہر مقام پر اس لفظ کو "آخری" کے معنوں میں استعمال کیا۔ مثلاً:

خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسوی خلیفوں کا ذکر فرمایا جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرھواں حضرت عیسیٰ کا ذکر فرمایا جو موسےٰ کی قوم کا خاتم الانبیاء تھا۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۶)

یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ (مسیح موعود یعنی خود مرزا صاحب) اس امت کا

خاتم الاولیا ہے۔ جیسا کہ سلسلۂ موسویہ کے خلیفوں میں حضرت عیسٰے خاتم الانبیاء ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۹)

"مسیح (موعود) خاتم خلفائے محمدیہ ہے"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲)

ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی نیا نہ پرانا۔

(انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۱)

اللہ نے حضرت مسیح کو امتِ موسویہ کا خاتم الانبیاء بنایا۔

(ترجمہ خطبۂ الہامیہ صفحہ ۴۶)

"اَنَا خَاتَمُ الاولیاء لا وَلِیَّ بعدی"

(میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں آئے گا)

(خطبۂ الہامیہ صفحہ ۳۵)

" اہل کشف نے مسیح موعود کو جو آخری خلیفہ اور خاتم الخلفا .... ہے"

(حقیقۃ الوحی ص ۱-۲)

اور میں جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اُس (حضور علیہ السلام) پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے:

(چشمۂ معرفت ص ۳۲۴)

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جناب مرزا صاحب نے لفظ خاتم کو باقی ہر مقام پر آخری کے معنوں میں استعمال کیا ہے لیکن جب خاتم النبیین کی تفسیر کرنے لگے تو فرمایا:

اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا. یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶)

اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ جب اپنے آپ کو خاتم الخلفا والانبیاء قرار دیتے ہیں تو لفظ خاتم کو بھی "آخری" کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں خطبۂ الہامیہ میں اپنی نبوت پہ بحث کرتے ہوئے حدیث کی اینٹ اور عمارت والی تمثیل کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

فاراد الله ان یتم البناء ویکمل البناء باللبنة الاخیرة فانا تلک اللبنة ۔

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۲)

(پھر اللہ نے چاہا کہ نبوت کی عمارت کو آخری اینٹ سے مکمل کرے وہ آخری اینٹ میں ہوں)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب آخری نبی ہیں. اور آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا:

"اس امت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں .... اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا .... تاجیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے"۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

ولکن رسول الله وخاتم النبیین ۔

اس آیت میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور یہ ہے کہ اب نبوت پر قیامت

تک مہر لگ گئی ہے۔ بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت صلعم کا وجود ہے ..... ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدی کے ساتھ آخری زمانہ کے لئے مقدر تھا۔ سو وہ ظاہر ہو گیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ مصنفہ جناب مرزا صاحب)

اس اقتباس میں "ایک بروز محمدی" کا جملہ زیر نظر رکھیے اور ان تمام اقتباسات کا ملخص عبارات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

امت محمدیہ میں ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں بھی نہیں آسکتے چنانچہ نبی کریم صلعم نے اپنی امت سے صرف ایک نبی اللہ کے آنے کی خبر دی ہے جو مسیح موعود ہے اور اس کے سوا قطعاً کسی کا نام نبی اللہ یا رسول اللہ نہیں رکھا جائے گا اور کسی اور نبی کے آنے کی خبر آپ نے دی ہے بلکہ لا نبی بعدی فرما کر اوروں کی نفی کر دی اور کھول کر بیان فرما دیا کہ مسیح موعود کے سوا میرے بعد قطعاً کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔
(رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان ماہ مارچ ۱۹۱۴ء)

ان اقتباسات کا ماحصل یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب اپنے آپ کو آخری نبی

لہ لا نبی بعدی کی عجیب تفسیر ہے لا (نہیں) نبی (کوئی نبی) بعدی (میرے بعد) یعنی حضور فرما رہے ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور ایڈیٹر صاحب "سوائے مسیح موعود کے" کا اضافہ فرما رہے ہیں۔ آخر یہ "سوائے مسیح موعود" کس عبارت کا ترجمہ ہے۔ (برق)

سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ اکابرِ احمدیت کا ہے ۔ ساتھ ہی خاتم انبیاء کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی " روحانی توجہ نبی تراش ہے" اس تشریح پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں :

- اوّل :۔ جب حضور علیہ السلام کی توجہ سے نبی پیدا ہو سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے صحابۂ کرام میں سے کوئی شخص مثلاً ابوبکر ۔ عمرؓ ۔ علی ۔ ابن عوف ۔ ابن عباس ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہم منصب نبوت پر فائز نہ ہو سکا ۔ یہ حضرات اطاعت و متابعت کے اس مقامِ اعلیٰ پر فائز تھے کہ بقولِ حضورؐ

ان اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

(میرے صحابہ روشن ستارے ہیں ۔ تم جس کی بھی پیروی کروگے منزل کو پاؤ گے)

یہ حضرات اس درجہ کے عابد تھے کہ نماز میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں سُوج جاتے تھے ۔ اس بلا کے فداکار تھے کہ جب ابروئے رسالت کا اشارہ پاتے تھے تو گھر میں صرف خدا و رسول کا نام چھوڑ آتے تھے اس غضب کے مجاہد تھے کہ ان کی شمشیرِ خارا شگاف سے ہفت اقلیم کی طاغوتی طاقتیں لرزہ براندام تھیں اس کمال کے عادل تھے کہ جب خیبر کے یہودیوں نے ایک صحابی کو سیم و زر کی رشوت دے کر کوئی بے انصافی کرانا چاہی اور اس نے انکار کر دیا ۔ تو اکابرِ خیبر بول اٹھے :

" خدا کی قسم ارض و سما اسی انصاف کے بل پہ قائم ہیں "

ان حضرات کی استقامت ۔ تقویٰ ۔ طاعتِ رسول ۔ انفاق ۔ ایثار ۔ جانبازی

اور عبادت گزاری پہ بیسیوں آیات شاہد ہیں، صرف ایک ملاحظہ ہو:

محمد رسول اللہ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالک مثلھم فی التوراۃ والانجیل کزرع .... واجرا عظیما

(محمدؐ اللہ کے رسول ہیں ان کے ساتھی کفار کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں نرم ہیں، تم انہیں عموماً رکوع وسجود کی حالت میں خدائی فضل وکرم کا طالب پاؤ گے عبادت کی وجہ سے ان کے چہرے روشن ہیں۔ ان کے حالات تورات وانجیل میں بھی مرقوم ہیں۔ ان کی حالت اس شاخ کی سی ہے جو محکم واستوار بنتے بنتے ایک مضبوط ترین جائے کفار انہیں دیکھ کر آتش بغض ورقابت میں جلتے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے نیگ کا وعدہ کر رکھا ہے)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا مداح خود ربُ العرش تھا اور جن کی اطاعت وفداکاری کی داستانوں سے ابھی تک ارض وسما گونج رہے ہیں۔ ان میں سے کیوں کوئی صحابی منصب نبوت پہ فائز نہیں ہوا:

دوم: "خاتم النبیین" دو الفاظ سے مرکب ہے، خاتم اور النبیین، النبیین جمع ہے نبی کی، عربی میں جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے کتب، کم از کم تین کتابیں مساجد، کم از کم تین مسجدیں۔ اگر خاتم سے مراد نبی تراش مہر لی جائے تو

"خاتم النبیین" کی تفسیر ہوگی۔ کم ازکم تین نبی بنانے والی مہر۔ لیکن مرزا صاحب اپنی آخری کتابوں میں اعلان کر چکے ہیں کہ میں اس امت کا پہلا اور آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی۔ ولی یا خلیفہ نہیں آئے گا۔ اگر مرزا صاحب کا یہ دعویٰ درست سمجھا جائے تو قرآن کی آیت غلط ٹھہرتی ہے۔ ہے کوئی حل اس مشکل کا؟

خاتم النبیّن کی تفسیر جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں

صفحات گزشتہ میں ہم نے جناب مرزا صاحب کی تحریرات سے لفظ خاتم کی تفسیر پیش کی تھی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ پورے مرکب۔ یعنی

خَاتَمَ النَّبِیّٖن

کی تفسیر کیا فرماتے ہیں۔ ازالۂ اوہام میں ارشاد ہوتا ہے:

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

"یعنی محمد صلعم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔"

(ازالۂ اوہام ج ۲، صفحہ ۶۱۴)

ازالۂ اوہام ستمبر ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت کم ازکم بیس برس پہلے کا تھا (تفصیل آگے آئے گی) اور۔

امورِ دینیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان (انبیاء) کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے:

(ازالۂ اوہام ج۔۲ صفحہ ۶۹)

نیز بار بار فرماتے ہیں کہ وحی الٰہی مجھ پر بارش کی طرح برستی ہے اور خدا تعالیٰ کے پاک مکالمہ سے قریباً ہر روز میں مشرف ہوتا ہوں۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۳)

"میں اپنے خدائے پاک کے یقینی اور قطعی مکالمہ سے مشرف ہوں اور قریباً ہر روز مشرف ہوتا ہوں۔"

(چشمۂ مسیحی صفحہ ۱۶)

عجیب بات ہے کہ جناب مرزا صاحب بیس نہیں بلکہ تیس سال تک مسلسل لکھتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ حضور علیہ السلام پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی نیا یا پرانا رسول نہیں آئے گا۔ لیکن وحی نے انہیں کبھی بھی نہ ٹوکا۔ حالانکہ پہلے انبیاء کا یہ عالم تھا کہ غلطی ہوئی اور فوراً آسمان سے وعید و تنبیہ آگئی۔ جب حضور علیہ السلام نے نابینا یہودی سے ذرا بے اعتنائی برتی۔ تو جھٹ "سورۂ عبس" نازل ہوئی۔ لیکن مرزا صاحب پورے تیس برس تک ختم نبوت کے قائل رہے۔ مدعی نبوت کو کافر کہتے رہے اور روح جبریل دن میں کئی بار آپ کے ہاں آتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی آپ سے نہ کہا کہ حضرت! کہ آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اللہ نے آپ کو نبی بنایا ہے۔ نبوت کا دروازہ کھلا ہے اسے بند کر کے اپنے لیے دشواریاں پیدا نہ کیجئے۔

بہر حال آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب مرزا صاحب نے خاتم النبیین کا ترجمہ نبیوں کو ختم کرنے والا کیا ہے۔ "نبیوں کو پیدا کرنے والا" نہیں کیا۔ اس تفسیر کی مزید تشریح ملاحظہ ہو:

"اے بھائیو .... ہم مسلمانوں کے لیے بجز قرآن شریف کے اور کوئی دوسری کتاب نہیں اور نہ بجز خاتم المرسلین کے اور کوئی ہمارے لیے ہادی اور مقتدا نہیں۔"

(ازالہ۔ ج۔ ۱، صفحہ ۹۳)

نزول مسیح کے مشہور عقیدے پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسیح کیونکر آسکتا۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوارِ روئیں اس کو آنے سے روکتی ہے۔"

(ازالہ۔ ج۔ ۲۔ صفحہ ۵۲۲)

ظاہر ہے کہ جو دیوار مسیح کی راہ میں حائل تھی۔ وہ "مسیح موعود" کو بھی آنے سے روک سکتی تھی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک دیوار ایک پرانے رسول کو تو روک دے اور نئے رسول کے آنے پر اس میں شگاف پڑ جائیں:

سو یہ بات اس (اللہ) کے سچے وعدے کے برخلاف ہے کہ مُردوں (مسیح) کو پھر دنیا میں بھیجنا شروع کر دے .... کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبریل ہے اس (مسیح) کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے؛ کیونکہ حسب تصریح قرآن رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائد دین جبریل کے ذریعے سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مُہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مُہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔

(ازالہ۔ ج۔ ۲۔ صفحہ ۵۳۴)

"اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالےٰ مسیح بن مریم کو لوازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں"۔

(ازالہ ج ۔ ۲ ۔ صفحہ ۵۸۴)

"ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ (مسیح پر) وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لادیں اور پھر چپ ہو جائیں، یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔ کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہو گئی۔ تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے"۔

(ازالہ ج ۔ ۲ ۔ صفحہ ۵۷۷)

"یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبریل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے"۔

(ازالہ ج ۔ ۲ ۔ صفحہ ۵۸۳)

"وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا"۔

(ازالہ ۔ ج ۔ ۲ ۔ صفحہ ۵۸۶)

"خاتم الانبیا کی عظمت دکھانے کے لیے اگر کوئی نبی آتا۔ تو پھر خاتم الانبیاء کی کی شان عظیم میں رخنہ پڑ جاتا۔"

(ازالہ۔ ج۔ ۲۔ صفحہ ۶۸۷)

یہ تو تھیں وہ تحریرات جو ستمبر ۱۸۹۱ء تک مرزا صاحب کے قلم سے نکلی تھیں دسمبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے "آسمانی فیصلہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں فرماتے ہیں:

"میں نبوت کا مدعی نہیں۔ بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)

اے لوگو! اے مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو۔ جس کے سامنے حاضر کیئے جاؤ گے:

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۲۵)

۱۸۹۲ء میں ارشاد ہوتا ہے:

اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔

(نشان آسمانی صفحہ ۲۹)

۱۸۹۳ء میں لکھتے ہیں:

" ہمارے سیّد رسول خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کے کوئی نبی نہیں آسکتا۔" (شہادت القرآن صفحہ ۲۸)

" نبی تو اس اُمّت میں آنے سے رہے اب اگر خلفا بھی نہ آویں اور وقتاً فوقتاً روحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی زندگی کا خاتمہ ہے۔" (شہادۃ القرآن صفحہ ۶۰)

۱۸۹۵ء میں کہتے ہیں:

" (ہم) اس کو خاتم الانبیا جانتے ہیں کیونکہ اس پر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام کمالات ختم ہو گئے۔"

(آریہ دھرم صفحہ ۸۲)

۱۸۹۷ء میں ارشاد ہوتا ہے:

اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰکِن رَّسُولَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت کے بعد رسول اور نبی ہوں؟ .... اصل حقیقت جس کی میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ پرانا نہ کوئی نیا اس کے بعد عربی عبارت ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی

نبوت کافر ہے)

(انجام آتھم حاشیہ صٓ۲۷)

سنہ ۱۹۰۱ء میں فرماتے ہیں:

ایسا ہی پھر ان ا عیسےٰ علیہ السّلام کو نبوت اور وحی نبوت کے ساتھ زمین پر اتارنا یہ بھی صریح منطوق کلام الٰہی کے مخالف ہے کیونکہ موجب ابطال ختم نبوت ہے .... اگر حضرت مسیح سچ مچ زمین پر اتریں گے اور پینتالیس سال تک جبریل وحی نبوت لے کر ان پر نازل ہوتا رہے گا تو کیا ایسے عقیدے سے دین اسلام باقی رہ جائے گا اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت اور قرآن کی ختم وحی پر کوئی داغ نہیں لگے گا۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۸۴)

اپریل سنہ ۱۹۰۲ء میں لکھتے ہیں:

اس جگہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی کو ہمارے مقابلہ کے لیے خوب موقع ملا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقائد کی حمایت میں کہ تا کسی حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچا کر اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنادیں۔ بڑی جان کاہی سے کوشش کر رہے ہیں۔

(دافع البلا صفحہ ۱۵)

اقتباسِ بالا سے ظاہر ہے کہ جناب مرزا صاحب حضور کی شانِ ختم المرسلین کو ہر رنگ میں قائم رکھنا چاہتے ہیں اور کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے کہ

کوئی نیا یا پرانا نبی مُہر نبوت کو توڑے :

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں اعلان کرتے ہیں :

" نوع انسانی کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد صلعم "

(کشتی نوح صفحہ ۱۳)

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام کے بغیر کوئی اور رسول نسل انسانی کے لیے مقدر نہیں۔ اسی کتاب میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

" یہ عیسٰے مسیح اور مہدی صاحب کیسے ہوں گے جو آتے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے یہاں تک کہ کسی اہل کتاب سے بھی جزیہ قبول نہیں کریں گے .... اور اس قدر انقلاب سے بھی پھر بھی ختم نبوت میں حرج نہیں آئے گا۔"

(کشتی نوح صفحہ ۶۸)

اقتباسات بالا کا ملخص یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا۔ اور ہر مدعی نبوت (بعد از حضور) کاذب و کافر ہے۔

" یہ تو تھا تصویر کا ایک رخ اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے :

یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔"

حقیقۃ النبوۃ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب
(امام جماعت احمدیہ صفحہ ۲۲۸)

اس دعوے کی مزید تشریح ملاحظہ ہو :
"یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد صلعم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔"
(ارشاد میاں محمود احمد صاحب۔ اخبار الفضل
۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

خلیفہ صاحب کے یہ ارشادات بے اصل نہیں۔ بلکہ ان کی بنیاد مرزا صاحب کی مختلف تحریرات پہ ڈالی گئی تھی۔ مثلاً
"یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلعم کے وحی الہٰی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں .... کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے؟"
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۳)

"آسمانی فیصلہ" کا اقتباس پھر پڑھیئے :
"اے مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو! دشمنِ قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحیِ نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو۔"

اور دیکھئے ۔

" کیا ضروری نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آوے ۔ جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور ان کا ظل ہو ۔"

(کشتی نوح صفحہ ۴۴)

ختم نبوت کی نئی تشریح

اور بالآخر یاد رہے کہ اگر ایک امتی کو جو محض پیروی آنحضرت صلعم سے درجہ وحی اور الہام اور نبوت کا پاتا ہے ۔ نبی کے نام کا اعزاز دیا جائے تو اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی ۔ کیونکہ وہ امتی ہے .... مگر کسی ایسے نبی کا دوبارہ آنا جو امتی نہیں ہے ۔ ختم نبوت کے منافی ہے ۔

(چشمۂ مسیحی صفحہ ۴۱)

مجھے اس قول سے اختلاف ہے ۔ میں جب انبیاء کی طویل فہرست پر نگاہ ڈالتا ہوں ۔ تو اس میں سے مجھے ہر ایک (آدم کے سوا) امتی نظر آتا ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسرائیلی و اسماعیلی انبیاء کے جد امجد تھے ۔ بنی اسرائیل کے سیکڑوں انبیاء بائبل میں حضرت ابراہیم کی اطاعت و اتباع کا دم بھرتے ہیں ۔ پھر بھی انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع پہ ناز کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ انجیل میں

حضرت مسیح بار بار فرماتے ہیں کہ میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ اسے پورا کرنے آیا ہوں۔ حضور علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ:

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ (قرآن)

(اے رسول۔ دین ابراہیمی کی پیروی کر)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ (قرآن)

(اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ صداقت کو کھول کر بیان کر دے اور تمہیں اسلاف کی مقدس راہوں پہ ڈال دے)

شروع میں ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ اسلام کسی نئے مذہب کا نام نہیں بلکہ یہ اسی ازلی و ابدی حقیقت کا اعادہ تھا جو سب سے پہلے آدمؑ اور آپ کے بعد دیگر انبیا کو نوبت بہ نوبت ملتی رہی۔ اس لیے صداقت کا منادشی اسلاف کی راہوں پہ چلنے کے لیے مجبور رہے۔ ہر نبی اپنی امت کے لیے مطاع تھا:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ ؕ

(ہر نبی اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ دنیائے انسانی اس کی اطاعت کرے)

اور اسلاف کا مطیع یعنی امتی۔ اس لیے ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے اور امتی بھی چونکہ آنحضرت آدم کے بغیر کوئی اور رسول غیر امتی ہے ہی نہیں اور چونکہ آنحضرت کے بعد وحی رسالت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اس لیے یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کے بعد امتی انبیا آ سکتے ہیں تو پھر نبوت کا سلسلہ ختم کیسے ہوا غیر امتی نبی تو ہوتا ہی کوئی نہیں۔ اس کی مثال یوں

ہے کہ حکومت اعلان کی رو سے فوج میں سپاہیوں کی بھرتی بند کر دے اس کے باوجود ایک ریکروٹنگ آفیسر دھڑا دھڑ بھرتی کرتا جائے اور جواب طلبی پہ کہے کہ حکومت نے صرف ایسے سپاہیوں کی بھرتی سے منع کیا تھا جن کی تین ٹانگیں اور چار کان ہوں اور اپنے جواب کی تائید میں نہ تو حکومت کی کوئی چٹھی پیش کر سکے اور نہ تین ٹنگے سپاہیوں کا وجود ثابت کر سکے :

اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے کذاب ہے آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں :

(انوار خلافت مصنفہ میاں محمود احمد صاحب صفحہ ۲۵)

" نشان آسمانی" کا اقتباس دوبارہ پڑھیے جس میں مرزا صاحب فرماتے ہیں :

میں اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں .... کہ آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا "

الفضل ۱۲ جون ۱۹۲۸ء میں ایک احمدی بزرگ لکھتے ہیں :

" خاتم النبیین آنے والے نبیوں کے لیے روک نہیں انبیائے عظام حضرت مسیح موعود کے خادموں میں پیدا ہوں گے ۔"

یہ اقتباس کوئی بڑ نہیں ۔ بلکہ مرزا صاحب کے الہام ذیل کا ترجمہ ہے :

ینصرک رجالٌ نوحی الیہم من السماء ۃ

(تمہاری مدد ایسے لوگ کریں گے جن پر آسمان سے وحی نازل ہو گی)

جناب مرزا صاحب کے مزید ارشادات سنئے:

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا۔ اسی نے میرا نام نبی رکھا اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

"اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کیے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے۔"

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۱۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں میں نے اپنی کتاب انوار اللہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود بموجب حدیث صحیحہ حقیقی نبی ہیں اور ایسے ہی نبی ہیں جیسے حضرت موسیٰ، حضرت عیسےٰ و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم .... یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پڑھ کر فرمایا "آپ نے ہماری طرف سے حیدر آباد دکن میں حق تبلیغ ادا کر دیا ہے۔" (الفضل ۱۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

"اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا کوئی نبی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔ پس اس بنا پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۴)

نیز مسیح موعود کو احمد نبی اللہ تسلیم نہ کرنا اور آپ کو امتی قرار دینا یا امتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں، امتی قرار دینا اور امتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفرِ عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔"

(الفضل ۲۹ جون ۱۹۱۵ء)

یہ اقتباس جناب مرزا صاحب کے ارشاد ذیل کی تفسیر ہے:

"پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں، مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے، بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پاکر اور اسی میں ہو کر اور اسی کا مظہر بن کر آیا ہوں۔"

(نزول المسیح صفحہ ۲)

ظاہر ہے کہ اصل اور مظہر میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا۔ اگر جناب مرزا صاحب اسی مظہر ہونے کی بنا پر خاتم الانبیاء بن سکتے ہیں تو انہیں لازماً شرعی، حقیقی اور غیر امتی نبی بھی ہونا چاہیئے۔ اس لیئے "الفضل" کی ترجمانی صحیح ہے:

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ .... جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اسی طرح اس کلام کو بھی جو مجھ پر نازل ہوا ہے، خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱)

"مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن کریم پر۔"

(اربعین ۴ صفحہ ۲۵)

"سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"

(دافع البلاء صفحہ ۱۱)

ماکان لی ان ادعی النبوۃ واخرج عن الاسلام والحق بقوم الکافرین۔ (حمامتہ البشریٰ صفحہ ۹۶)

(میرے لیے یہ کہاں مناسب ہے کہ میں نبوت کا دعوےٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافر بن جاؤں:)

"میں پبلک اور حکام کی اطلاع کے لیے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کا مقدس نبی ......

...... اور بنی نوع انسان کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔"

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب الفضل ۲ جولائی ۱۹۲۵ء)

"میں مسلمانوں کے سامنے صاف صاف .... اقرار کرتا ہوں کہ جناب خاتم الانبیاء صلعم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو۔ اسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"

(مرزا صاحب کا بیان مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۲۔ صفحہ ۴۴)

جب پنجاب میں طاعون شروع ہوا۔ تو مرزا صاحب نے قادیان کے متعلق فرمایا:

"قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی۔ کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔"
(دافع البلا صفحہ ۱۵)

ان تحریرات کو پڑھ کر آپ حیران ہوں گے کہ آخر جناب مرزا صاحب کی کس بات کو تسلیم کیا جائے :

"ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نکل نہیں سکتیں۔ کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق۔"
(ست بچن صفحہ ۳۱ مرزا صاحب کی تصنیف)

"اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس انسان کی ہے کہ ایک کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۴)

"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔"
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۲)

اس تضاد کو رفع کرنے کے لیے مختلف توجیہات سے کام لیا گیا :

اوّل : کہ جناب مرزا صاحب حضور علیہ السلام کا بروز مظہر تھے۔ آپ کی ہستی حضور سے جدا نہیں تھی۔ آپ کی صورت میں خود حضور علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے تھے اور آپ کا دعویٰ ختم نبوت کے منافی نہیں تھا : مسیح موعود کا آنا بعینہ محمدؐ رسول اللہ کا دوبارہ آنا ہے۔ یہ بات قرآن

سے صراحتہً ثابت ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم دوبارہ مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے آئیں گے۔"

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

"اور آپ (جناب مرزا صاحب) کو چونکہ آنحضرت صلعم کا بروزی وجود عطا کیا گیا تھا۔ اس لیے آپ عین محمدؐ تھے۔"

(الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء)

"آنحضرت صلعم کے لیے دو بعث مقدر تھے ایک بعث تکمیل ہدایت کے لیے دوسرا بعث تکمیل اشاعت ہدایت کے لیے۔"

(الفضل ۱۴ جنوری ۱۹۲۱ء)

"پھر مثیل اور بروز میں بھی فرق ہے۔ بروز میں وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتا ہے یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے ...... پس فنافی الرسول اور مثیل ہونا بروز سے علیحدہ چیزیں ہیں بروز اور اوتار ہم معنی ہیں۔"

(الفضل ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

"میں ابھی احمدیت میں بطور بچہ ہی کے تھا جو میرے کانوں میں یہ آواز پڑی، مسیح موعود محمدؐ است و عین محمدؐ است۔"

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب اور حضور علیہ السلام ہر لحاظ سے ایک ہیں، لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ دونوں جسم و روح ہر دو لحاظ سے ایک تھے، یا حضور کی صرف روح جناب مرزا صاحب میں داخل ہوئی تھی پہلی صورت بداہتہً غلط ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا جسدِ مطہر گنبدِ خضرا میں مدفون ہے اور دوسری صورت میں تناسخ کا قائل ہونا پڑے گا جو عقائدِ اسلام کے خلاف ہے، علاوہ ازیں قرآن حکیم شہدا کی حیات کا قائل ہے، انبیاء کا درجہ شہدا سے بہت بلند ہوتا ہے، لازماً انبیاء بھی حیات کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ شب معراج کو حضور کی ملاقات کئی انبیاء سے ہوئی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات عالم برزخ میں بقیدِ حیات ہیں، زندگی روح کا کرشمہ ہے، اگر انبیائے کرام کی روح خود ان کے برزخی اجسام میں موجود ہے تو پھر جناب مرزا صاحب میں حضورؐ کی روح کہاں سے آگئی تھی، کیا ایک انسان میں کئی ارواح ہوتی ہیں؟ کہ ایک اپنے پاس رکھ لی اور باقی بانٹ دیں آریائی فلسفے کی رُو سے تو بروز و اوتار کا مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں لیکن اسلام کی سیدھی سادی تعلیم ان پیچیدگیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی:

اور اگر عینیت سے مراد وحدت اوصاف و کمالات ہو، تب بھی بات نہیں بنتی، اس لیے کہ:

- ۱، حضور علیہ السلام اُمّی تھے اور مرزا صاحب چھ درجن کتابوں کے مصنف،
- ۲، وہ عربی تھے، اور یہ عجمی۔
- ۳، وہ قریشی تھے اور یہ فارسی نسل۔

۔ ۴۔ وہ دنیوی لحاظ سے بے برگ و بے نوا تھے اور یہ زمین و باغات کے مالک؛

۔ ۵۔ انہوں نے مدنی زندگی کے دس برس میں سارا جزیرۂ عرب زیرِ نگین کر لیا تھا۔ اور جناب مرزا صاحب جہاد و فتوحات کے قائل ہی نہ تھے۔

۔ ۶۔ وہاں قیصر و کسریٰ کے استبداد کو ختم کرنے کا پروگرام تھا اور یہاں انگریز کے جابرانہ تسلط کو قائم رکھنے کے منصوبے؛

۔ ۷۔ وہاں اسلام کو آزادی کا مترادف قرار دیا گیا تھا اور یہاں غلامی کا مترادف (تفصیل کا انتظار فرمائیے)

الغرض نہ وحدت جسم و روح کا دعوےٰ درست ہے نہ وحدت اوصاف و کمالات کا، تو پھر ہم یہ کیسے باور کر لیں کہ محمد صلعم عین غلام احمد تھے۔

۔ دوم:۔ دوسری توجیہہ یہ کی جاتی ہے کہ نبوت دو قسم کی ہے تشریعی و غیر تشریعی، جہاں مرزا صاحب نے نبوت کا انکار فرمایا ہے، وہاں تشریعی نبوت مراد ہے اور جہاں دعوےٰ کیا ہے، وہاں غیر تشریعی۔

وہ (حضور علیہ السلام) ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں۔ (چشمہ معرفت ص ۹)

-ہم صفحات گذشتہ میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ہر نبی وحی کے ہمراہ آتا ہے

اور یہی وحی اس کی شریعت اور کتاب ہوتی ہے:

"بلاشبہ جس کلام (الہام) کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات ان (مسیح) کو معلوم ہوں گی وہ بوجہ وحی رسالت ہونے کے کتاب اللہ کہلائے گی۔"

(ازالہ ج ۲ صفحہ ۵۷۹)

"خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو سے کم نہیں ہوگا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

"اب کے سالانہ جلسہ پر جناب میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان نے کتاب کی اہمیت کو جتاتے ہوئے خود قادیان میں حضرت مسیح موعود کے الہامات کو جمع کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی مریدوں کو اس کی تلاوت کے لیے بھی ارشاد فرمایا۔" (مضمون ڈاکٹر بشارت احمد لاہوری احمدی

پیغام صلح ۱۱ رجون ۱۹۳۴ء)

"آپ (جناب مرزا صاحب) کی وحی بھی جدا جدا آیت ہے اور مجموعہ الہامات الکتاب المبین ہے۔"

(رسالہ احمدیہ از قاضی محمد یوسف ص ۴۳)

"الحمد للہ کہ آپ کا (مرزا صاحب کا) ایک لحاظ سے صاحب کتاب ہونا ثابت ہوگیا۔" (الفضل ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء)

اور میں عیسیٰ مسیح کو ہرگز ان امور میں اپنے پر کوئی زیادت نہیں دیکھتا یعنی

جیسے اس پر خدا کا کلام نازل ہوا۔ ایسا ہی مجھ پر ہوا۔"

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۶)

اگر بالفرض نبوت کی دو قسمیں یعنی تشریعی و غیر تشریعی مان بھی لی جائیں تب بھی یہ حقیقت سب کے ہاں مسلمہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب و شریعت نبی تھے۔ اگر جناب مرزا صاحب کے الہامات انجیل کے ہم پایہ تھے تو پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک چھوٹی سی کتاب یعنی انجیل کی بنا پر حضرت عیسیٰ کو تو صاحب کتاب و شریعت رسول تسلیم کیا جائے اور جناب مرزا صاحب کی وحی کو جو بیس اجزاء پہ مشتمل ہے نظر انداز کر دیا جائے بات یہ ہے کہ نبی وحی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اور یہی وحی اس کی شریعت ہوتی ہے۔ انبیاء کو شرعی و غیر شرعی میں تقسیم کرنا درست نہیں۔ اس مسئلہ پر مرزا صاحب کا ارشادِ ذیل کتنا فیصلہ کن ہے :

ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعت ہو گیا پس اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی مثلاً یہ الہام .... یہ براہین احمدیہ میں درج ہے۔ اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

(ان ھذا لفی الصحف الاولی ۔ صحف ابراھیم وموسیٰ)

یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفا

(مکمل طور پر) امر اور نہی کا ذکر ہو، تو یہ بھی باطل ہے، کیونکہ اگر تورات یا قرآن شریف میں باستیفا احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی، غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتہ اندیشیاں ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے، تاہم خدا تعالےٰ نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے، کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو، زنا نہ کرو، خون نہ کرو، اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔"

(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۸)

• سوم:۔ اس اُلجھن کا ایک حل جماعت احمدیہ کے امام جناب میاں محمود احمد صاحب نے پیش فرمایا ہے، اور وہ یہ:

"۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ (مرزا صاحب) نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حُجت پکڑنی غلط ہے"

(حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۱ از میاں محمود احمد صاحب)

میاں صاحب کا یہ فیصلہ کئی لحاظ سے محلِ نظر ہے۔

• اوّل:۔ جناب مرزا صاحب آپ کے عقیدہ کے مطابق مُلہم من اللہ اور رسول تھے، وہ کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے، ان کے الہامات خدائی تھے، ملہم سے زیادہ الہامات کی حقیقت کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا، ان کی تحریرات کو منسوخ کرنا ایک امتی کا کام نہیں ہو سکتا، ایک تحصیلدار کو یہ اختیار کہاں حاصل کہ وہ گورنر کے احکام کو منسوخ کرتا پھرے:

• دوم :- جناب مرزا صاحب پر پہلی وحی ۱۸۶۵ء میں نازل ہوئی تھی (تفصیل کا انتظار فرمائیے) ۱۹۰۱ء تک پورے چھتیس برس بنتے ہیں ایک رسول کے ثلث صدی کے الہامات کو بہ یک گردش قلم منسوخ کر دینا ایک ایسا اقدام ہے جس کے لیے سند کی ضرورت ہے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف میں ایک لفظ تک ایسا نہیں ملتا جس سے اشارۃً بھی یہ مترشح ہوتا ہو کہ جناب میاں صاحب کو ایک رسول کا کلام منسوخ کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

• سوم :- جناب مرزا صاحب کا انتقال مئی ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ ان پر پورے بیالیس سال تک وحی آتی رہی۔ اگر کوئی صاحب چونتیس برس کی وحی کو یہ کہہ کر مسترد کر دے کہ وہ آخری آٹھ برس کی وحی سے متصادم ہوتی ہے تو ایک غیر احمدی لازماً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یا تو پہلی وحی غیر خدائی تھی یا آخری۔ اس لیے کہ خدا کی وحی میں تضاد و تصادم نہیں ہوا کرتا۔

• چہارم :- ہم صفحاتِ گذشتہ میں "دافع البلا اور کشتی نوح" کے چند اقتباسات درج کر چکے ہیں جن میں مرزا صاحب خاتمۂ نبوت کے صریحاً قائل ہیں یہ دونوں کتابیں ۱۹۰۲ء میں لکھی گئی تھیں اور اگر صرف ۱۹۰۱ء کی تحریرات منسوخ ہیں تو پھر ان اقتباسات کا تطابق آخری تحریرات سے کیسے ہو گا؟

• پنجم :- جناب مرزا صاحب کی اہم تصانیف ۷۲ ہیں جن میں سے اڑتالیس ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ہیں اور چوبیس بعد کی۔ اگر ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریرات منسوخ کر دی جائیں، تو مرزا صاحب کی دو تہائی تحریرات سے ہاتھ دھونا

پڑے گا۔ اگر ایک رسول کی دو تہائی تحریرات کو ناقابل اعتماد قرار دیا جائے تو
باقیماندہ ایک تہائی پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا :

دوسرا باب

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

جماعت احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب مسیح موعود تھے اور آپ کا منکر کافر ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

جو شخص مجھے نہیں مانتا، وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا کے نشانوں کو رد کرتا ہے .... وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے۔

(حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۶۴)

"کفر دو قسم پر ہے اول یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلعم کو نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا .... یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔"

(حقیقتہ الوحی صفحہ ۱۷۹)

جناب میاں محمود احمد صاحب ایک قدم آگے بڑھ کر فرماتے ہیں:

"کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

(آئینہ صداقت)

اس فتویٰ پر جناب مرزا صاحب کا اپنا ارشاد ملاحظہ ہو:

ڈاکٹر عبدالحکیم میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا، گو یہ میرے نام سے بھی بے خبر ہو گا........ تب بھی وہ کافر ہو جائے گا........... یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افترا ہے........ یہ تو ایسا امر ہے کہ بداہت اس کو کوئی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ (حقیقۃ الوحی)

سوال یہ ہے کہ کیا قرآن نے کسی آنے والے مسیح کی خبر دی تھی، اس کا جواب ہم دیں گے تو آپ اعتبار نہیں کریں گے۔ خود جناب مرزا صاحب کی زبانی سنیئے:

"قرآن شریف میں مسیح ابنِ مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں۔"

(ایامِ صلح)

جس حالت میں قرآن شریف کھلے کھلے طور پر حضرت مسیح کے وفات پا جانے کا قائل ہے، تو پھر........ کیونکر ان کا وہ جسم جو بموجب نصِ قرآنی کے زمین میں دفن ہو چکا ہے، آسمان سے اُترے گا۔

(ازالہ ج ۱)

"قرآن میں ایک دفعہ بھی ان کی خارق زندگی اور دوبارہ آنے کا ذکر نہیں۔"

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۵)

"ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے مجدّد کا بہ لفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۶۴)

جب کسی مجدّد مسیح ابن مریم یا مسیح موعود کے آنے کا ذکر قرآن میں موجود نہیں بعض احادیث میں صرف مسیح ابن مریم (مسیح موعود نہیں) کے نزول کا ذکر ملتا ہے تو کیا ایسے مسیح پر اگر وہ آ بھی جائے ایمان لانا ضروری ہے؟ اس کا جواب خود مرزا صاحب یوں دیتے ہیں:

"مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو، بلکہ صدہا پیش گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔"

(ازالہ، ج ۱، صفحہ ۱۴۰)

"میرے دعوے کی انکار کیوجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

"اگر مسٹر ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور کے روبرو میں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی (مرزا صاحب کا سب سے بڑا دشمن اور منکر) کو کافر نہیں کہوں گا، تو واقعی میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی

شخص کافر یا دجّال نہیں ہو سکتا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

"اب اگر میاں عبدالحق اپنے قصورِ فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں۔ لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ مخطی (خطاکار) جانتا ہوں۔"

(ازالہ ج ۲۔ صفحہ ۶۲۷)

احادیث از بس ناقابل اعتماد ہیں۔ امام بخاری کے عہد میں ان کی تعداد چودہ لاکھ تھی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں مکرّرات کو چھوڑ کر صرف چار ہزار احادیث درج کیں اور سب کو مسترد کر دیا۔ اس ذخیرے میں بے شمار تضاد اوہام کی بہتات اور غلط سلط باتوں کی بھرمار ہے۔ حضورؐ پر جو کتاب نازل ہوئی۔ وہ قرآن تھا حدیث نہیں تھی۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ اس لیے اگر کوئی شخص کسی حدیث کی بنا پر کوئی دعوٰی کرے تو وہ قابل توجہ نہیں:

"احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔"

(ازالہ ج۔ ۲۔ صفحہ ۵۲۱)

ہم مسلمانوں کے پاس وہ نص جو اوّل درجہ پر قطعی اور یقینی ہے قرآن کریم ہی ہے۔ اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں اور ظن حق کے لیے کچھ بھی مفید نہیں۔

(ازالہ ج۔ ۲۔ صفحہ ۶۵۴)

" خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو یہ پیش کرتے ہیں تحریف معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں "

(اربعین ۳ صفحہ ۱۸)

" تمہارے ہاتھ میں کیا ہے، بجز ان چند حدیثوں کے جو تہتر فرقوں نے بوٹی بوٹی کرکے باہم تقسیم کر رکھی ہیں " (اربعین ۴ صفحہ ۲۷)

قرآن میں کسی مسیح کے آنے کا ذکر نہیں، حدیثوں کی حالت آپ کے سامنے ہے، احمدی بھائیو! انصافاً کہو کہ اب اگر کوئی شخص کسی ظنی حدیث کی بنیاد پر رسول بن کر آجائے تو کیا اس کا دعوئے قابل قبول ہو سکتا ہے؟ قرآن کی پوری ایک سو آیات ختم رسالت کا اعلان کر چکی ہیں پوری دو سو دس احادیث تائید کے لیے موجود ہیں خود مرزا صاحب کے کئی سو اقوال مدعی نبوت کو کافر و کذاب قرار دیتے ہیں ذرا سوچئے کہ ان حالات میں ہم کسی صاحب کو نبی تسلیم کریں تو کس بنیاد پر؟

پھر جس حدیث کی بنا پر جناب مرزا صاحب نے دعوئے نبوت کیا ہے اس میں مسیح موعود کے آنے کا ذکر نہیں، بلکہ مسیح بن مریم کے نزول کا ذکر ہے اگر آپ کو یقین ہے کہ قرآن کی رو سے حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں تو لازماً اس حدیث کو غلط قرار دینا ہوگا۔ ایسی غلط حدیث کو لے کر پہلے بصد تکلف مثیل مسیح بننا پھر مسیح بن مریم ہونے کا اعلان کرنا اس کے بعد اپنے آپکو مسیح موعود سمجھنا اور آخر میں ایک مستقل رسول بن کر مسلمانوں کے سامنے آجانا کہاں تک جائز ہے، مرزا صاحب درست

فرماتے ہیں کہ "تمام حدیثیں تحریف معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں" اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے۔

"جب قرآن مسیح ابن مریم کو مارتا ہے اور حدیثیں مثیل (حدیث میں مثیل کا لفظ کہیں موجود نہیں۔ برق) ابن مریم کے آنے کا وعدہ کرتی ہیں تو اس صورت میں کیا اشکال باقی رہا۔" (ازالہ، ج۔ ۲، صفحہ ۵۳۶)

مطلب یہ کہ میں حدیثوں کی رو سے مثیل مسیح بن کر آیا ہوں۔ اور جس حدیث میں مسیح بن مریم کے آنے کا ذکر ہے اس سے مراد مثیل مسیح ہے اور ہر ایسی حدیث جو مسیح بن مریم کے آنے کی خبر دیتی ہے، وہ اوّل درجہ کی قابلِ اعتبار ہے:

یہ کمال درجہ کی بدنصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں .... یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح بن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اوّل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے۔ (ازالہ، ج۔ ۲، صفحہ ۵۵۷)

اور یہ بھی ملاحظہ ہو:

اس زمانے کے بعض نادان کئی دفعہ شکست کھا کر پھر مجھ سے حدیثوں کی رُو سے بحث کرنا چاہتے ہیں .... وہ اپنی چند ایسی حدیثوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے، جو محض ظنیات کا ذخیرہ اور مجروح و مخدوش ہیں ....
.... خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں، تحریف لفظی یا معنوی میں آلودہ ہیں۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴)

علمائے اسلام جو احادیث جناب مرزا صاحب کے سامنے پیش کرتے تھے اُن تمام کا تعلق مسیح ابنِ مریم اور دجّال وغیرہ سے تھا۔ ملاحظہ ہو۔ پیر صاحب گولڑہ کی "سیفِ چشتیائی" جن کی تردید میں "تحفہ گولڑویہ" لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں تمام وہی احادیث پیش کی گئی ہیں جن کا تعلق نزولِ مسیح سے ہے اگر یہ تمام احادیث محرف اور موضوع ہیں۔ تو پھر انہی کی بنا پر آپ کا دعوئے مسیحیت و نبوت کیوں کر جائز ٹھہرا؟

احمدی بھائیو! بات بالکل سیدھی سی ہے۔

قرآن میں کسی مسیح کی آمد کا ذکر موجود نہیں

احادیث موضوع و محرف ہیں۔

مرزا صاحب انہی احادیث کا سہارا لے کر مسیح موعود

و رسُول بنے ہیں:

انصافاً کہو کہ کیا حدیث کی سند قابل اعتماد ہے؟ اگر نہیں تو پھر مرزا صاحب کا دعوائے رسالت کیونکر صحیح ہوا۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے سمجھایئے اور اگر میری دلیل میں کوئی وزن موجود ہے تو خود مان جایئے۔ ہمارا قبلہ ایک کتاب ایک تمدن ایک فلسفہ ایک تہذیب ایک لباس ایک صورت شکل ایک سوچنے کا ڈھنگ ایک روایات ایک اسلاف ایک سب کچھ تو پھر ہم ایک دوسرے سے الگ کیوں کر رہیں ؎

اب اور نہ ترساؤ

یا ہم کو بلا بھیجو یا آپ چلے آؤ۔

ایک اور الجھن

مسیح موعود اور مثیل مسیح میں بڑا فرق ہے۔ مسیح موعود سے مراد بعینہ وہ مسیح ہے جس کے آنے کی بشارت احادیث میں موجود ہے اور مثیل سے مراد ایسا شخص ہے جو مسیح موعود سے بعض صفات میں ملتا جلتا ہو۔

رستم ایک ہی تھا لیکن رستم جیسے (مثیل رستم) پہلوان بہتیرے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مسیح موعود ایک معین شخصیت ہے جس کے مثیل بے شمار ہو سکتے ہیں۔ سارا ہندوستان حکیم اجمل خان کو مسیح الملک کہتا تھا اس لیے کہ بیماروں کو شفا دینے میں انہیں حضرت مسیح کی طرح ید طولیٰ حاصل تھا جناب مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے:

"مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پہ افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔"

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ مندرجہ تبلیغ رسالت، ج، ۱۰)

"میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹۵)

چونکہ احادیث میں مسیح موعود کا لفظ موجود نہیں بلکہ مسیح ابن مریم کا ہے

اس لیے مسیح ابن مریم بننے کے لیے اس راہ پہ چلتے ہیں :

" اس (اللہ) نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا ... . میں نے دو برس تک یہ صفتِ مریمیت میں پرورش پائی، پھر ... . مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی، اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں۔ مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۶)

اور پھر فرماتے ہیں :

" سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابنِ مریم یہی ہے۔"

(ازالہ صفحہ ۶۵۹)

اور اس طرح جناب مرزا صاحب مکمل مسیح موعود بن گئے :

اس وقت جو ظہورِ مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعوےٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں ۔

(ازالہ صفحہ ۶۸۳)

یہ تو تھا آپ کا دعوےٰ ۔ اب ذرا یہ اقتباسات بھی پڑھیے ۔

" میں نے صرف مثیلِ مسیح ہونے کا دعوےٰ کیا ہے اور میرا یہ دعوےٰ نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیلِ مسیح آجائیں ۔"

(ازالہ صفحہ ۱۹۹)

مجھے مسیح ابنِ مریم ہونے کا دعوےٰ نہیں .... بلکہ مجھے تو فقط

مثیل مسیح ہونے کا دعوٰے ہے"

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۲ صفحہ ۲۱)

"یہ بات سچ ہے کہ اللہ جل شانہ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعوٰے کیا ہے .... میں اسی الہام کی بنا پر اپنے تئیں وہ موعود مثیل (مسیح موعود نہیں بلکہ مثیل موعود) سمجھتا ہوں جس کو دوسرے لوگ غلط فہمی سے مسیح موعود کہتے ہیں"

"ایک غلطی کا ازالہ" والا اقتباس پھر پڑھیے۔

"مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے .... کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے"

اقتباس ذیل کے ہر ہر لفظ پر غور فرمایئے:

اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعوٰے کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعوٰے نہیں .... میں نے یہ دعوی ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام مجھ پہ لگا دے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے بلکہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسٰی کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالٰی نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔ (ازالہ ج اوّل صفحہ ۱۹۰)

اور لطف یہ کہ اسی کتاب (ازالہ) میں چند صفحات پہلے فرماتے ہیں۔

ایک جو امر کہ خدا تعالٰی نے میرے پر منکشف کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسیح

موعود میں ہی ہوں ۔

(ازالہ جلد اوّل طبع دوم صفحہ ۷۱)

اور جلد دوم میں اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے ایک سو اکانوے صفحات وقف فرماتے ہیں اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے کہ میرے دعوے کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں ۔ فرمائیے ہم ان بیانات سے کیا نتیجہ اخذ کریں ؟

دلچسپ جواب

جناب مرزا صاحب براہین احمدیہ میں لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیح بن مریم زندہ ہیں اور وہ آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہوں گے پھر ازالہ اوہام میں عیسیٰ کی وفات پر تیس دلائل پیش کیے ۔ جب کسی نے اس تضاد پہ اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں لکھا :

مگر خدا نے میری نظر کو پھیر دیا ، میں براہین کی وحی کو نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناتی ہے ۔ یہ میری سادگی تھی ، جو میری سچائی پر ایک عظیم الشان دلیل تھی ۔ ورنہ میرے مخالف مجھے بتلا دیں کہ میں نے باوجودیکہ براہین احمدیہ میں مسیح موعود بنایا گیا تھا ، بارہ برس تک یہ دعویٰ کیوں نہ کیا اور کیوں براہین میں خدا کی وحی کے مخالف لکھ دیا ۔

(اعجاز احمدی صفحہ ۷)

یعنی تضاد تو پیدا ہوا جناب مرزا صاحب کے کلام میں، اور اس کا جواب دیں آپ کے مخالفین، کیا دلچسپ منطق ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص بارہ برس تک دو اور دو کو چار کہتا رہے اور تیرھویں سال دو اور دو کو اٹھارہ بنا دے اور جب کوئی اعتراض کرے تو وہ کہے کہ اس بوالعجبی کا جواب تمہارے ذمہ ہے۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو وحی ہر روز آپ پر بارش کی طرح برستی تھی، اس نے پورے بارہ برس تک آپ کو یہ کیوں نہ سمجھایا کہ آپ کی فلاں بات خلافِ حقیقت ہے کیا اللہ تعالےٰ کی دانش و حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا ایک جلیل القدر رسول بارہ برس تک خلافِ حقیقت لکھتا اور کہتا رہے اور خدا عرش پر خاموش بیٹھا رہے:

بہرحال اس عقدہ کو حل کرنے کی ذمہ داری مخالفین پر نہیں، بلکہ خود صاحب الہام پر عائد ہوتی ہے۔ "اعجاز احمدی" ۱۹۰۲ء کی تصنیف ہے اور پورے دو برس پہلے وہ اس مشکل کو حل فرما چکے تھے۔ فرماتے ہیں۔

"میرے دعوے مسیح موعود کی بنیاد انہی الہامات (براہین احمدیہ والے) سے پڑی۔ انہیں میں میرا نام خدا نے عیسیٰ رکھا اور جو آیتیں مسیح موعود کے حق میں تھیں، وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے، تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدائی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے۔"

(اربعین نمبر ۲ صفحہ ۲۱)

یہ جواب صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے کہ ایک رسول پر ایک وحی نازل ہو، جبریل ہر روز مسلسل آتا رہے اور رسول کو بارہ برس تک اس وحی کا مطلب ہی معلوم نہ ہو سکے۔ ہر رسول کا یہ فرض منصبی ہوتا ہے کہ وہ اپنی وحی کی تبلیغ کرے:

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ ۝

(ہمارے پیغام کی تبلیغ کرو)

لیکن اگر کسی رسول کو بارہ برس تک اس پیغام کا مفہوم ہی معلوم نہ ہو سکے تو وہ تبلیغ کیا کرے گا۔ رسالت کی طویل تاریخ میں یہ آج تک نہیں ہوا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ ایک رسول بارہ برس تک اپنے الہام کو نہ سمجھے۔ حامل الوحی (جبریل) مسلسل آتا رہے اور سمجھائے بغیر واپس جاتا رہے وہ رسول خدا کے الہام و منشا کے خلاف پیہم بکتا رہے اور اللہ تعالیٰ چپ چاپ تماشہ دیکھتا رہے اس صورتِ حال کو عقل قبول نہیں کر سکتی:

تیسرا باب

مسیح و مثیل مسیح

جناب مرزا صاحب بارہا فرما چکے ہیں کہ "میں مثیل مسیح ہوں" یعنی حضرت عیسیٰ کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔" (ازالہ ج ۱ صفحہ ۱۹۰)

حضرت عیسیٰ کے اخلاق، عادات اور خواص کیا تھے۔ ان کی تفصیل سے مرزا صاحب کی تصانیف لبریز ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہوں:

اس مسیح (جناب مرزا صاحب) کو اسرائیلی مسیح پر ایک خوبی .... حاصل ہے .... اس کو .... وہ حکمت اور معرفت سکھائی گئی، جو مسیح ابن مریم کو نہیں سکھلائی گئی۔

(ازالہ صفحہ ۶۷۱)

"اگر تجربہ کے رو سے خدا کی تائید مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو، تو میں جھوٹا ہوں۔" (دافع البلا صفحہ ۲۱)

خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد

رکھا۔

(دافع البلا صفحہ ۱۳)

یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السّلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔

(کشتی نوح حاشیہ ص ۶۵)

پھر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر اس پر بد دعا کی اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا اور دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو مگر خود اس قدر بد زبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام کہہ دیا۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۹)

اس جگہ حضرت مسیح کی تہذیب اور اخلاق پر ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مسیح نے نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کیے۔

(ازالہ طبع دوم حاشیہ صفحہ ۴-۵)

یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح بن مریم باذن

وحکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب (مسمریزم، شعبدہ بازی) میں کمال رکھتے تھے .... اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا .... تو حضرت مسیح سے کم نہ رہتا۔

(ازالہ طبع دوم صفحہ ۱۲۷ حاشیہ)

واضح ہو کہ اس عملِ جسمانی (مسمریزم) کا ایک نہایت برا خاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی[1] میں ڈالے .... وہ .... روحانی تاثیروں .... میں بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے .... یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح .... ہدایت اور توحید .... کے بارے میں ان کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب ناکام کے[2] رہے۔

(ازالہ طبع[3] دوم صفحہ ۱۲۸)

اس در ماندہ انسان (مسیح علیہ السلام) کی پیشگوئیاں کیا تھیں، صرف یہی کہ زلزلے آئیں گے قحط پڑیں گے، لڑائیاں ہوں گی پس ان دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیشگوئیاں اس کی خدائی پہ دلیل ٹھہرائیں اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنا لیا کیا ہمیشہ زلزلے نہیں آتے، کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے، کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ

---

[1] کتاب میں یہی لفظ ہے۔ [2] نقل مطابق اصل ہے۔

[3] اقتباس میں نقطوں کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھیں)

شروع نہیں رہتا۔ پس ان نادان اسرائیلیوں نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی کیوں نام رکھا۔
(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴)

قارئین اس حقیقت سے یقیناً آگاہ ہوں گے کہ جناب مرزا صاحب نے پنجاب میں طاعون اور کئی زلزلوں کی پیشگوئیاں کی تھیں خیر اس قصے کو جانے دیجئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اخلاق و خواص کی تفصیل سنیئے۔

بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اس کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی، بلکہ ابطال نبوت پہ کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کی فہرست میں لکھ دیا۔
(اعجاز احمدی صفحہ ۱۳)

"آپ کو گالیاں دینے اور بد زبانی کی اکثر عادت تھی
آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔"
(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزارہا کیڑے مکوڑے خود بخود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعض حصے حذف کر کے عبارت کو حسب منشا ڈھال لیا ہے، حاشا وکلا، بد دیانتی کا کوئی ارادہ نہیں، بلکہ یہ ہے کہ بعض زائد الفاظ کو بغرض اختصار حذف کر دیا گیا ہے۔ (برق)

پیدا ہو جاتے ہیں .... عیسیٰ کی اس (معجزانہ) پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۸)

"مردی اور رجولیت انسان کے صفحات محمودہ میں سے ہے ہیجڑہ ہونا کوئی صفت نہیں .... حضرت مسیح مردانہ صفت (رجولیت) کی اعلیٰ ترین صفت سے محروم ہونے کے باعث ازدواج سے سچی اور کامل حُسن معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے۔"

(مکتوب احمدیہ جلد سوم صفحہ ۲۸)

حق بات یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کر لیا۔

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۶)

"آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکارہ اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)

اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح بن مریم کی

عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح۔ میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔

(کشتی نوح۔ صفحہ ۱۶)

"خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راست بازوں پہ زبان درازی کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی شخص حسین جیسے یا حضرت عیسیٰ جیسے راست باز پہ بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔"

(ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ۳۸)

حضرت مسیح کے متعلق اس تلخ زبانی کی ایک وجہ جناب مرزا صاحب نے یہ بیان فرمائی ہے کہ میرا روئے سخن قرآن والے عیسیٰ کی طرف نہیں بلکہ انجیل والے یسوع کی طرف ہے بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر قرآن میں بھی تو انجیل والے مسیح یا عیسیٰ کا ذکر ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (قرآن)

(ہم نے حضرت مسیح کو انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے)

یہ دونوں الگ الگ کیسے ہوئے کیا انجیل میں کہیں لکھا ہے کہ مسیح شراب پیتے جھوٹ بولتے۔ مداریوں کے کھیل دکھاتے اور فاحشہ عورتوں کی نسل سے تھے کہیں نہیں، تو پھر آپ نے حضرت مسیحؑ کی یہ انوکھی سیرت کہاں سے حاصل کی ہے جب قرآن و انجیل ہر دو میں حضرت مسیح کی نہایت بلند مطہر اور مقدس تصویر ملتی ہے تو پھر انجیل والے مسیح کو شرابی اور جھوٹا کہنا کیا معنی؟ قرآن کا عیسیٰ انجیل کے یسوع سے کوئی

الگ ہستی نہیں تھا:

ایک دو ماہ بعد مریم کو بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسٰی یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۸)

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر فرمایا:

"آپ (حضور علیہ السلام) کا نام احمد تھا یعنی خدا کا سچا پرستار اور اس کے فضل و رحم کا شکر گزار اور یہ نام اپنی حقیقت کے رُو سے یسُوع کا مترادف ہے۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۹)

جناب مرزا صاحب اپنے تمام دورِ نبوت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خلاف لکھتے رہے لیکن کبھی کبھی یہ بھی فرماتے رہے کہ میرا رُوئے سخن انجیل والے عیسٰی کی طرف ہے آخر ۱۹۰۵ء میں اس راز سے یوں پردہ اٹھایا:

"ہماری قلم سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان ان کے نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں۔"

(مقدمہ چشمہ مسیحی حاشیہ صفحہ ب)

لیکن جناب مرزا صاحب فراموش کر گئے کہ یہودیوں کے ہاں حضرت مسیح علیہ السلام گردن زدنی تھے اور ہمارے ہاں وہ ایک اولوالعزم رسول ہیں کیا ایک مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ وہ یہودیوں کا ہم آہنگ ہو کر ایک جلیل المرتبت پیغمبر کے خلاف زبان کھولے۔ یہودی تو ہمارے حضور پُر نور کو بھی گالیاں دیتے ہیں کیا ہم اس معاملے میں بھی ان کی تقلید کریں؟

جس طرح یہود محض تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی انجیل پر حملے کرتے ہیں اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن شریف اور آنحضرت صلعم پر کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق بد میں یہودیوں کی پیروی کرتے۔

(مقدمہ چشمہ مسیحی صفحہ ب)

اگر عیسائیوں کے لیے یہود کے "طریق بد" کی پیروی نامناسب تھی تو جناب مرزا صاحب کے لیے اسی پیروی کا جواز کہاں سے نکل آیا؟

ہاں، تو ہم مرزا صاحب کی تحریرات کی روشنی میں حضرت مسیح کے اخلاق و خواص کا جائزہ لے رہے تھے۔ اقتباسات بالا کا ملخص یہ نکلا۔

- ۱۔ کہ حضرت مسیح کا علم مرزا صاحب سے کم تھا۔
- ۲۔ کہ خدائی تائید مرزا صاحب کے ساتھ زیادہ تھی۔
- ۳۔ کہ مرزا صاحب "اپنی تمام شان میں حضرت مسیح سے بہت بڑھ کر" تھے۔
- ۴۔ کہ مسیح علیہ السلام شرابی تھے۔
- ۵۔ کہ وہ بدزبان تھے۔
- ۶۔ کہ وہ نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کرتے تھے۔
- ۷۔ کہ وہ مسمریزم جیسے مکروہ اور قابل نفرت عمل میں کمال رکھتے تھے۔
- ۸۔ کہ وہ "روحانی تاثیروں میں ضعیف نکمے اور قریب قریب ناکام" تھے۔
- ۹۔ کہ اس "درماندہ انسان" کی پیشگوئیاں بے معنی تھیں۔
- ۱۰۔ کہ اس کی نبوت کے ابطال پر کئی دلائل قائم تھے۔
- ۱۱۔ کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔

- ۱۱۔ کہ اُن کی معجزانہ پیدائش ایسی ہی تھی۔ جیسے برسات میں کیڑے پیدا ہو جائیں۔
- ۱۲۔ کہ وہ رجولیت سے محروم تھے اور ہیجڑہ ہونا کوئی صفت نہیں۔
- ۱۴۔ کہ گندی گالیوں کی وجہ سے "شریفوں نے آپ سے کنارہ کرلیا تھا"۔
- ۱۵۔ کہ آپ کی تین دادیاں اور نانیاں زناکارہ تھیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی اس "سیرت" کو پیش نظر رکھ کر حضرت مرزا صاحب کا یہ ارشاد لغور مطالعہ فرمایئے۔

"میں مثیل مسیح ہوں۔ یعنی حضرت مسیح کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں"۔

(ازالہ صفحہ ۱۹۰)

چوتھا باب

تاریخ بعثت

حضور علیہ السلام کی تاریخ بعثت سب کو معلوم ہے کہ ۶۱۰ء میں حضرت جبریل علیہ السلام بالکل پہلی مرتبہ غار حرا میں آئے تھے اور حضور سے کہا تھا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ؕ

(اے محمدؐ پڑھ۔ اور اس اللہ کا نام لے کر پڑھ جس نے انسان کو ارتقائی منازل میں جونک سے پیدا کیا۔ اس عظیم رب کا نام لے کر پڑھ جس نے قلم کو علم دیا۔)

لیکن جناب مرزا صاحب کی تاریخ وحی کونسی ہے یہ معلوم کرنا کار دارد مرزا صاحب کی علمی تصانیف بہتر ہیں جن میں سے ہر کتاب آپ کے نشانات دلائل نبوت، زمانہ رسالت اور الہامات سے لبریز ہے اور تقریباً ہر کتاب میں کئی کئی مرتبہ آپ نے اپنے دعوائے رسالت کی تاریخ بیان کی ہے ہم باقی کتابوں کو چھوڑتے ہیں اور صرف دس کتابیں کھول کر آپ کی تاریخ رسالت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اوراق گذشتہ میں واضح کر چکے ہیں کہ جناب مرزا صاحب کی وحی قرآن و تورات کی ہمپایہ تھی۔ اس سلسلے کا پیغام کب نازل ہوا۔ اقتباسات

ذیل کو دیکھیے :-

۱۔ براہین احمدیہ ۔ سالِ تصنیف ۸۴-۱۸۸۰ء

اس کتاب میں ایک مقام پر ۱۸۶۹ء کا ایک الہام درج کرتے ہیں جسے وہ آخر تک اپنی دیگر تصانیف میں دہراتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

(حاشیہ در حاشیہ ۳۔ براہین احمدیہ صفحہ ۵۲۱)

۲۔ ازالۂ اوہام ۔ تاریخ تصنیف ۲۔ ستمبر ۱۸۹۱ء

"وہ آدم اور ابن مریم یہی عاجز ہے اور اس عاجز کا یہ دعوےٰ دس برس سے شائع ہو رہا ہے۔"

(ازالہ صفحہ ۶۹۵)

ازالہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اس سے دس برس کم کیجیے۔ باقی ۱۸۸۱ء

۳۔ نشانِ آسمانی ۔ تاریخ تصنیف، جون ۱۸۹۲ء

یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوتِ حق کے لیے بالہام خاص مامور کیا گیا۔ اور بشارت دی گئی کہ اسّی برس تک یا اس کے قریب تیری عمر ہے

سو اس الہام سے چالیس برس تک دعوت ثابت ہوتی ہے جن میں سے دس برس کامل گزر بھی گئے ہیں۔

(نشان آسمانی صفحہ ۱۵)

۱۸۹۲ء میں سے دس کم کیجئے باقی ۱۸۸۲ء۔

۴۔ شہادت القرآن نومبر ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہے۔

"مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کیا۔"

(شہادۃ القرآن صفحہ ۲۸)

یہ نہیں کیا کہ "تیرھویں صدی کے آخر" میں بلکہ "چودہویں صدی کے سر" یعنی آغاز میں ظہور کیا۔ اگر آغاز سے مراد ۱۳۰۰ھ لی جائے تو یہ مساوی بنتی ہے ۱۸۸۳ء عیسوی کے۔

۵۔ تریاق القلوب (تاریخ تصنیف ۲۰ دسمبر ۱۸۹۹ء)

"تیرھویں صدی کے ختم ہونے پر یہ مجدد آیا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۳۰)

یہ بالکل اقتباس بالا کی تائید ہے۔

۶۔ اربعین۔ جون ۱۹۰۰ء کی تصنیف ہے۔

یہ دعوے منجانب اللہ ہونا اور مکالمات الہیہ کا تقریباً تیس برس ہے۔"

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۷)

۱۹۰۰ء سے تیس گھٹائیے۔ باقی ۱۸۷۰ء۔

میرے وحی اللہ پانے کے دن سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں سے برابر کیے۔

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۵۶)

حضور علیہ السلام کے ایام وحی تقریباً ۲۲ شمسی سال تھے ۱۹۰۰ء سے بائیس کم کر دو۔ باقی ۱۸۷۸ء

"تیری عمر اسّی برس کی ہوگی .... اور یہ الہام قریباً پینتیس برس سے ہو چکا ہے۔"

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۶)

اس اقتباس کے رُو سے پہلا الہام آپ سے ۱۸۶۵ء میں نازل ہوا تھا اس لیے کہ اربعین ۱۹۰۰ء کی تصنیف ہے۔

۷۔ تحفہ گولڑویہ ۱۹۰۱ء (اوائل) کی تصنیف ہے

"میرے دعوے کے وقت رمضان کے مہینے میں اسی صدی یعنی چودھویں صدی ۱۳۱۱ھ میں خسوف کسوف ہو گیا۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۴)

اس اقتباس میں "دعوے کا وقت" ۱۳۱۱ھ بنایا گیا ہے۔ جو ۱۸۹۴ء عیسوی کے مطابق ہے:

دانیال نبی بتاتا ہے کہ اسی نبی آخر الزمان کے ظہور سے جب بارہ سو نوے برس گزر جائیں گے، تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا اور ۱۳۳۵ھ ہجری تک اپنا کام

چلائے گا۔

(حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹۱)

حضور علیہ السلام کی ولادت ۵۷۰ئہ ظہور (بعثت) ۶۱۰ئہ اور رحلت ۶۳۲ئہ میں ہوئی تھی۔ سال ظہور یعنی ۶۱۰ئہ میں اگر ۱۲۹۰ برس اور جمع کر دیئے جائیں تو یہ ۱۹۰۰ئہ بنتا ہے۔ کیا مرزا صاحب ۱۹۰۰ئہ میں مبعوث ہوئے تھے ؟ اگر ظہور سے مراد ولادت لی جائے تو تاریخ بعثت ۵۷۰ جمع ۱۲۹۰ مطابق ۱۸۶۰ئہ بنتی ہے۔

اور آخری فقرہ بھی قابلِ غور ہے "اور ۱۳۳۵ھ تک اپنا کام چلائے گا۔" لیکن مرزا صاحب کا انتقال ۱۳۲۶ھ میں ہو گیا تھا۔

۸۰۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ اگست ۱۹۰۲ئہ کی تصنیف ہے۔

"یہ دعوے منجانب اللہ ہونے اور مکالمات الہیہ کا قریباً تیس برس سے ہے۔"

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶)

۱۹۰۲ئہ سے تیس برس کم کیجئے۔ باقی ۱۸۷۲ئہ

تیری عمر اسّی برس ہو گی .... اور یہ الہام قریباً پینتیس برس سے ہو چکا ہے۔

(یعنی ۱۸۶۷ئہ میں)

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶۹)

۹۰۔ حقیقتہ الوحی (۱۹۰۶ئہ میں شروع ہو کر ۱۵ مئی ۱۹۰۷ئہ کو ختم ہوئی۔)

ٹھیک بارہ سو نوے (۱۲۹۰ھ) میں خدا تعالٰی کی طرف سے یہ عاجز

شرفِ مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹)

۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء۔

پیغامِ صلح جناب مرزا صاحب کی آخری تصنیف ہے جو رحلت (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) سے صرف دو روز پہلے لکھی گئی تھی۔

"میں تقریباً تیس برس سے خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں۔"

۱۹۰۸ء سے تیس کم کیے جائیں تو باقی ۱۸۷۸ء رہتا ہے۔

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ تحفہ گولڑویہ کے مطابق تاریخ بعثت ۱۸۶۰ء یا ۱۹۰۰ء بنتی ہے۔
۲۔ اربعین کے مطابق تاریخ بعثت ۱۸۶۵ء بنتی ہے۔
۳۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ " " " ۱۸۶۷ء " "
۴۔ براہین " " " " " ۱۸۶۹ء " "
۵۔ تریاق القلوب " " " " ۱۸۷۰ء " "
۶۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ " " " " ۱۸۷۲ء " "
۷۔ حقیقۃ الوحی " " " " " ۱۸۷۳ء " "
۸۔ پیغامِ صلح " " " " " ۱۸۷۸ء " "
۹۔ نشانِ آسمانی " " " " " ۱۸۸۲ء " "
۱۰۔ شہادۃ القرآن " " " " " ۱۸۸۳ء " "
۱۱۔ تحفہ گولڑویہ " " " " " ۱۸۹۴ء " "

احمدی بھائیو! آپ ہی فرمائیں، کہ ہم جناب مرزا صاحب کے کس قول کو مانیں، یہ گیارہ اقوال ہیں، ان میں سے جس ایک پر ایمان لائیں، باقی دس کی تکذیب ہوتی ہے۔

پانچواں باب

دلائل بر نبوت

جناب مرزا صاحب نے اپنی نبوت پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کی ہیں۔

- اوّل۔ آیۂ خاتم النبیین جس پر بحث ہو چکی ہے۔
- دوم۔ آیۂ اولئک مع الذین انعم
- سوم۔ آیۂ ولو تقول علینا
- چہارم۔ آیۂ کما ارسلنا الی فرعون رسولاً ۃ

أُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ

اس آیہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسول کے پیرو

فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین ۃ

ان لوگوں کی رفاقت میں ہوں گے، جن پر اللہ کے انعامات نازل ہوئے مثلاً انبیاء، اصدقاء، شہداء اور صُلحا۔

جس طرح دنیا میں بے شمار مقامات، مناصب اور اکرامات موجود ہیں اسی طرح اُخروی زندگی میں بھی زندگی کے مدارج ہوں گے۔ یہ ناقابلِ یقین ہے کہ وہاں امام غزالی اور پھتو کمہار کا درجہ حیات ایک ہو۔ اگر پھتو کمہار خدا اور رسول

کا کامل پیرو ہے۔ ہوا سے منعم علیہم کی رفاقت نصیب ہو سکتی ہے لیکن ان کی شان نہیں مل سکتی۔ ملکہ انگلستان (الزبتھ) بکنگھم پیلس میں رہتی ہے جہاں کئی سو ملازموں کو اس کی رفاقت کا فخر حاصل ہے کوئی کھانا پکا رہا ہے۔ کوئی بچوں کو بہلا رہا ہے کوئی موٹر چلا رہا ہے کوئی صفائی پہ متعین ہے۔ کوئی فرضِ حفاظت سرانجام دے رہا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی شان ملوکیت میں شریک نہیں۔

اس آیت سے جو استدلال جناب مرزا صاحب نے قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب خدا اور رسول کے پیرو اس زندگی میں صدیق، شہید اور صالح بن سکتے ہیں تو وہ نبی بھی ہو سکتے ہیں۔ اس استدلال کے متعلق عرض ہے کہ:

آیت میں مع (ساتھ، رفاقت، ہمراہ ہونا) کا لفظ ہے یعنی وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے۔ نہ کہ خود نبی بن جائیں گے۔ گورنر کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ساتھی بھی گورنر ہیں۔ انگلستان کے آئین کے مطابق بادشاہ کا صرف بڑا لڑکا یا لڑکی ولی عہد ہوا کرتی ہے لیکن اس کی رفاقت کا فخر ایک دن میں کئی سو ملازموں، افسروں اور ملاقاتیوں کو نصیب ہوتا ہے جن میں سے کسی ایک کے بھی بادشاہ بننے کا امکان نہیں اس لیے کہ آئین مانع ہے۔ اسی طرح انبیاء کی رفاقت کی عزت لاکھوں انسانوں کو حاصل ہو سکتی ہے لیکن حضور علیہ السلام کے بعد کوئی فرد نبی نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ آئینِ قرآن مانع ہے۔

جناب مرزا صاحب نے آیہ زیرِ بحث کو ہر جگہ نامکمل لکھا ہے یا کم از کم میری نظر سے جس قدر کتابیں گزری ہیں، ان میں یہ آیت نامکمل لکھی ہوئی تھی اور آخری حصّہ کہیں بھی مذکور نہیں تھا اور وہ یہ ہے۔

(وحسن اولئك رفیقاً)

(اور یہ لوگ انبیاء وغیرہ) کتنے عمدہ رفیق ہیں)

دیکھا آپ نے کہ اللہ نے لفظ مع کی کتنی عمدہ تفسیر پیش کی ہے اب اس آخری ٹکڑے کو ساری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیئے:

خدا اور رسول کے پیرو منعم علیہ گروہ یعنی انبیاء، اصدقا، شہدا اور صلحا کے ساتھ ہوں گے، اور یہ کتنی اچھی رفاقت ہے۔

ہے کوئی پیچیدگی اس تفسیر میں؟ اور ہے کوئی امکان اس آیت میں نبی بننے کا؟ اگر ہم سیدھی سی بات کو موڑنا اور کھینچنا شروع کر دیں، تو رسول کو خدا اور خدا کو عبد بنا سکتے ہیں، مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں خدا رسول سے کہہ رہا ہے۔

ایاک نعبد (اے رسول ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)

کیا سورۂ فاتحہ میں کوئی ایسی رکاوٹ موجود ہے جو ہمیں اس تفسیر سے روک سکے؟ تاویل وہ حربہ ہے جس سے ہم خود خدا بن سکتے ہیں۔ کیسے؟ منصور سے پوچھو ابن العربی کے نظریہ وحدت الوجود کا مطالعہ کرو، بدھ کے نروان اور آریوں کے ویدانت کو دیکھو۔ اگر ان قدیم نظریوں پر کوئی کتاب نہ مل سکے۔ تو کسی پادری کے پاس جاؤ، وہ باپ بیٹے اور روح القدس کی خدائی پہ وہ وہ دلائل دے گا کہ آپ سر پیٹ کر رہ جائیں گے، تاویل کے زور سے آپ ایک فاسق کو جنتی اور ولی کو جہنمی بنا سکتے ہیں، تاویل وہ آگ ہے جو دیر و حرم سب کو پھونک سکتی ہے، اس لیے تاویل کو تو رکھیے ایک طرف اور ایک سادہ لوح طالب العلم یا

ایک دیانت دار محقق کی طرح آیہ بالا پہ نظر ڈالیے اور انصافاً کہیے نہ کیا اس آیت میں کہیں کوئی نبی بننے کا نسخہ موجود ہے؟ نہیں اور قطعاً نہیں۔

دلیل افترا جناب مرزا صاحب پورے بیس برس تک اس آیت سے استدلال فرماتے رہے، اس استدلال کو ہر تصنیف میں بار بار دہراتے رہے اور لطف یہ کہ آپ کے مخالفین یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی مولانا ثناء اللہ امرت سری، مولوی عبدالحق غزنوی و دیگر سینکڑوں علما میں سے کوئی ایک بھی اس استدلال کا جواب نہ دے سکا۔

پہلے آیت ملاحظہ کیجئے۔

انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون تنزیل من رب العالمین ولو تقول علینا بعض الاقاویل۔ لاخذنا منہ بالیمین۔ ثم لقطعنا منہ الوتین ؕ

یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے، شاعر کا قول نہیں، تم کیوں نہیں مانتے نہ کسی کاہن کا قول ہے، پھر کیوں درس ہدایت نہیں لیتے۔ اس کے اتارنے کا سامان اللہ نے کیا، اگر یہ رسولِ کریم ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ گردن کاٹ ڈالیں۔

اس آیہ سے جناب مرزا صاحب نے مندرجہ ذیل استدلال قائم کیا:

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افترا کرے اس

سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں، اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں، اور اس کو مہلت نہیں دیتا لیکن اس عاجز کے دعوائے مجدد و مثیل مسیح ہونے اور دعوائے ہم کلام الٰہی ہونے پر اب بفضلہ تعالیٰ گیارھواں برس جاتا ہے کیا یہ نشان نہیں ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ کاروبار نہ ہوتا تو کیونکر عشرہ کاملہ تک جو ایک حصہ عمر کا ہے ٹھہر سکتا تھا۔

(نشان آسمانی صفحہ ۴۳)

" پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت بھی دے دی جیسے آج تک بارہ برس گزر چکے ہوں، اور مفتری ایسا اپنے افترا میں بے باک ہو۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۷)

" خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹا نبی ہلاک کیا جاتا ہے۔"

(ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴)

" خدا تعالیٰ مفتری علی اللہ کو ہرگز سلامت نہیں چھوڑتا اور اسی دنیا میں اس کو سزا دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے۔"

(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۴)

خدا تعالیٰ قرآن شریف میں بار بار فرماتا ہے کہ مفتری اسی دنیا میں ہلاک ہوگا۔ بلکہ خدا کے سچے نبیوں اور مامورین کے لیے سب سے بڑی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کر کے مرتے ہیں، اور ان کو اشاعت دین کی مہلت

دی جاتی ہے۔ اور انسان کی اس مختصر زندگی میں بڑی سے بڑی مہلت تیئس برس ہے۔ (اربعین نمبر۴ صفحہ ۵)

پھر توراۃ میں یہ عبارت ہے .... اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف فرما دیا کہ افترا کی سزا خدا کے نزدیک قتل ہے۔

(اربعین نمبر۴ صفحہ ۹)

ان اقتباسات کا ملخص یہ ہے کہ ہر جھوٹا نبی (مفتری) ہلاک کر دیا جاتا ہے چونکہ مَیں دعوائے نبوت کے بعد اتنے برس سے زندہ ہوں اس لیے میں سچا رسول ہوں۔ اس استدلال کے سلسلے میں جناب مرزا صاحب نے مخالف علما کو بار بار چیلنج دیا کہ اگر اسلام کی طویل تاریخ میں کوئی جھوٹا نبی ہلاک نہ ہوا ہو، تو اس کا نام بتاؤ۔ لیکن کوئی عالم گذشتہ ستر برس میں ایک مثال بھی پیش نہ کر سکا؛

ہم اس استدلال کے سلسلے میں صرف دو معروضات پیش کرتے ہیں۔

اوّل مسلمان ہر زمانے میں ختم نبوت کے قائل اور مدعی نبوت کو واجب القتل سمجھتے رہے ہیں۔ ایشیائے صغیر، عراق، ایران، شام، مصر، ٹیونس، افغانستان اور بخارا میں صدیوں سے اسلامی حکومت قائم ہے، جہاں کسی مدعی نبوت نے سر اٹھایا، فوراً یا تو مسیلمہ و مقنع کی طرح قتل ہو گیا، اور یا اَلْمُتَنَبِّی کی طرح تائب ہو گیا، فرمایئے، ان حالات میں کسی جھوٹے نبی کی دس بیس سالہ نبوت کی کارگزاری لائیں تو کہاں سے، اسلامی تاریخ میں سے کوئی ایسی مثال ڈھونڈنا کہ مدعی نبوت

ایک طویل مدت تک زندہ رہا ہو۔ بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ہاں اگر کسی اور قوم (ہندو، انگریز وغیرہ) کی حکومت ہو اور وہاں ایک نہیں بلکہ ایک ہزار جھوٹے نبی بھی پیدا ہو جائیں، تب بھی ان کا بال بیکا تک نہیں ہوگا:

انگریز دوسروں کے غیر سیاسی عقائد میں بہت کم دخل دیتا تھا کوئی نبی ہو یا غیر نبی اس کی بلا سے۔ جناب مرزا صاحب کے دعوئے نبوت کے بعد احمدیوں اور غیر احمدیوں (احمدیوں سے زیادہ) سے تقریباً بیس رسول اٹھے، مثلاً چراغ دین (جموں) الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہور، ڈاکٹر عبدالحکیم (پٹیالہ)، عبدالرحمٰن محی الدین لکھو کے، غلام دستگیر قصوری، سعد اللہ لدھیانوی، فقیر مرزا عبداللطیف گناچوری، یار محمد قادیانی، غلام محمد لاہوری، عبداللہ تیماپوری صدیق دیندار، وغیرہ وغیرہ، ایک دو کے بغیر جو طاعون سے ہلاک ہوئے باقی سب کے سب طبعی موت مرے۔ غلام محمد لاہوری (احمدیہ بلڈنگس) نے ۱۹۳۱ء میں دعوئے نبوت کیا تھا اور ۱۹۵۲ء تک وہ اپنے الہامات و معجزات نیز دعاوی و دلائل کے مجموعے (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) مجھے بھیجتے رہے، میں ان تمام کو ردی کی ٹوکری کے حوالے کرتا رہا، البتہ میں نے ان کا ایک طویل خط محررہ ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء محفوظ کر لیا ہے۔ اس خط میں مجھے لکھتے ہیں کہ تم نے اپنی تصانیف میں مطالعۂ کائنات پہ بحث کی، قوم کو ایثار جانی و مالی کا بھی درس دیا، نظامِ شریعت پہ بھی روشنی ڈالی؛

لیکن

الامام المہدی آخر الزمان کے وجود کو آپ نے اپنی تصانیف

میں فراموش کر کے کتمانِ حق کا بھاری جُرم کیا ہے۔ (صفحہ ۴)

الامام المہدی سے مراد ان کی اپنی ذات ہے۔

اسی طرح تحصیل گڑھشنکر کے ایک موضع گناچور میں مولوی عبداللطیف نے ۱۹۲۱ء میں لوائے نبوت بلند کیا تھا۔ دسمبر ۱۹۲۲ء کا ذکر ہے کہ میں راہوں ضلع جالندھر سے جالندھر کو جا رہا تھا کہ دوسرے سٹیشن (نام بھولتا ہوں شاید بنگہ) پر لوگ کہہ رہے تھے کہ اس گاؤں میں ایک پیغمبر آیا ہوا ہے اور ظہر کے بعد وہ تقریر کرے گا۔ میں وہیں اتر گیا "پیغمبر صاحب" کی تقریر سنی جس کا ملخص یہ تھا کہ مرزا صاحب کے فلاں فلاں اقوال کی وجہ سے میں پیغمبر ہوں۔ اس کی تقریر کا رُخ تمام تر جماعت قادیان کی طرف تھا۔ تقریر کے بعد میں نے اٹھ کر کچھ پوچھنا چاہا تو پیغمبر صاحب نے انکار کر دیا اور اپنی جماعت کے ہمراہ تشریف لے گئے انہوں نے بعد میں ایک کتاب "چشمہ نبوت" لکھی۔ نیز بڑے بڑے پوسٹر اپنی نبوت کے متعلق نکالے۔ اس وقت ۴ مارچ ۱۹۲۳ء کا ایک پوسٹر میرے سامنے ہے اس کے نیچے صوبیدار نیاز احمد خاں۔ رائے بھینو خاں ذیلدار۔ چوہدری نذیر احمد خاں بی۔ اے چوہدری سعادت علی خاں، چوہدری مہدی خاں، چوہدری کرامت علی خاں، چوہدری مشتاق احمد خاں، چوہدری احمد خاں اور گڑھشنکر کے چند دیگر راجپوتوں کے دستخط ہیں۔ اس میں درج ہے:

"مولوی عبداللطیف سکنہ گناچور ضلع جالندھر جو ہماری معزز قوم راجپوت کے ایک فرد ہیں، تقریباً بارہ سال سے نبی ہونے امام مہدی، اور مجدد وقت ہونے کا دعوے کیے ہوئے ہیں .... مولوی صاحب موصوف

اپنی سچائی پر ذیل کے الفاظ میں حلف اٹھاتے ہیں۔

"وحی ۱۶ ار دسمبر ۱۹۲۵ء خدا کی قسم اس زمانے کا زندہ اولوالعزم رسول ہوں اور اگر اس بات میں میں سچا نہ ہوں تو خدا کی لعنت مجھ پر اور میرے اہل پر ابدالآباد تک ہو۔ اور جو میری اس قسم کا یقین نہ کرے وہ بھی خدا کی طرف سے سزا کا مستحق ہے۔"

(عبداللطیف بقلم خود)

اس کے مقابل میاں محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی اور مولوی شیر علی صاحب ذیل کے الفاظ میں قسم کھائیں:

"میں محمود احمد .... اور مولوی شیر علی جو میری جماعت کے ملہم ہیں، خدا کی قسم کھا کر اس امر کا اعلان کرتے ہیں .... کہ مولوی عبداللطیف کا دعوے جھوٹا ہے، اگر ہم اس قسم میں جھوٹے ہیں تو خدا کی لعنت مجھ پر، مولوی شیر علی پر۔ اور ہماری اولاد پر ابدالآباد تک ہو ...."

مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ہمیں چالیس کروڑ امتِ محمدیہ کو کافر قرار دینا پڑتا ہے ان کے ساتھ نماز پڑھنی، ان کا نمازِ جنازہ پڑھنا یا ان کے ساتھ رشتہ داری کرنا حرام قرار دینا پڑتا ہے .... میں بہ حیثیت نبی مرزا صاحب کے اس فتوے کو منسوخ قرار دیتا ہوں ...."

(اشتہار ۴ مارچ ۱۹۲۲ء)

مولوی عبداللطیف کب تک زندہ رہے۔ یقینی طور پر معلوم نہیں گڑھ شنکر کے بعض مہاجرین کہتے ہیں، کہ وہ ۱۹۴۵ء تک زندہ رہے۔ بعض ان کا سالِ وفات ۱۹۴۳ء بتاتے ہیں، سنِ وفات چالیس ہو یا پینتالیس۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں

مفتریوں (غلام محمد، عبداللطیف) کو اللہ نے کیوں ہلاک نہ کیا، اور کیوں انہیں بیس بیس برس تک افترا و اضلال کے لیے باقی رکھا۔ کیا ان کی رگِ گردن اللہ کی رسائی سے باہر تھی۔ یا نعوذ باللہ اللہ کو وہ اپنی بات بھول گئی تھی۔

" کہ اگر یہ رسول ہم پہ افترا باندھتا، تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ ڈالتے۔"

اگر یہ لوگ جھوٹے تھے اور یقیناً جھوٹے تھے تو پھر ان کے ہلاک نہ ہونے کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیئے۔

آیئے، وجہ ہم بتاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ زیرِ بحث کا مفہوم ہمارے علماء سے آج تک مخفی رہا۔ قرآن مفسر قرآن ہے اس آیہ کی تفسیر ایک اور آیت میں موجود ہے۔ یہاں قابلِ حل صرف یہ سوال ہے کہ رسول کریم کون ہے۔ اگر اس سے مراد حضور صلعم ہوں تو جناب مرزا صاحب کا استدلال درست ہے اور اگر کوئی اور ہو تو درست نہیں "رسولِ کریم" کی تفسیر آیۂ ذیل میں ملاحظہ ہو: انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین۔ مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون۔ ولقد راٰہ بالافق المبین۔ وما ھو علی الغیب بضنین۔ وما ھو بقول شیطان رجیم ۃ

(التکویر)

سارے قرآن میں صرف دو ہی آیات ہیں جن میں قرآن کو "رسولِ کریم" کا قول کہا گیا ہے۔ پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ اگر یہ رسولِ کریم ہماری طرف غلط باتیں

منسوب کرے، تو ہم اس کی رگِ جان کاٹ ڈالیں۔ اور اس آیہ میں اسی رسول کریم کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مختلف مظاہر کونی کا انتظام مختلف فرشتوں کے سپرد ہے، روشنی کا فرشتہ سمندروں کا پانی بخارات میں بدل رہا ہے، برفستانوں کا فرشتہ ہواؤں کو بادلوں میں تبدیل کر رہا ہے۔ اسی طرح ایک فرشتہ وحی کے کام پر مامور ہے وہ منشائے ایزدی سے اطلاع پا کر اور اس منشا کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر کسی رسول کی طرف بھیج دیتا ہے۔ تنزیل (ترسیل، اتارنا) کا انتظام اللہ کرتا ہے اور مشیت کی ترجمانی وہ فرشتہ جسے قرآن میں دو مرتبہ رسول کریم کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کو از اوّل تا آخر پڑھ جائیے یہی نظر آئے گا، کہ تنزیل کا کام تو اللہ کر رہا ہے، لیکن یہ کتاب رسول کریم کا قول ہے۔ امورِ یزداں کو معاملاتِ انساں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ تاہم تفہیم کی خاطر ہم ایک مثال سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں۔

آجکل آپ دیکھتے ہیں کہ حکومت لمبے لمبے احکام جاری کرتی ہے یہ سب کے سب گورنر کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن ان احکام کے الفاظ گورنر کے نہیں ہوتے۔ بلکہ کوئی سیکرٹری ڈرافٹ (مضمونِ حکم) تیار کرتا ہے جو گورنر کی مشیت یا منشا کا پوری طرح ترجمان ہوتا ہے بس یہی حال صحائف الہامیہ کا ہے، کہ الفاظ رسول کریم کے اور ترجمانی خدائی مشیت کی ہوتی ہے حضرت اقبالؒ کے اس شعر میں بھی اس حقیقت پہ کچھ روشنی پڑتی ہے ؎

محمدؐ بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

اب آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :

یہ قرآن رسُول کریم کا قول ہے ، جو بڑا طاقت وَر اور ربُ العرش کے پاس مقیم ہے جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے ، جو بے حد دیانت دار ہے ، آپ کا نبی (صَاحِبُکُمْ) دیوانہ نہیں ، آپ کے نبی نے اس رسولِ کریم کو ایک روشن افق پہ دیکھا تھا ، یہ رسولِ کریم امورِ غیب کے ابلاغ میں بُخل سے کام نہیں لیتا اور یہ قرآن کسی مردود شیطان کا کلام نہیں ۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسولِ کریم اور محمد صلعم دو جدا جدا ہستیاں ہیں حضورؐ نے اس رسول کریم کو روشن افق پہ بھی دیکھا تھا ، یہ ربُ العرش کے ہاں مقیم ہے اور اس قدر دیانت دار ہے کہ خدائی مشیت کو کسی کمی بیشی کے بغیر انبیاء تک منتقل کر دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :۔

" اگر یہ رسول کریم کوئی غلط بات ہماری طرف منسوب کرے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ ڈالیں ۔"

دیکھ لیا آپ نے کہ " رگ جان کاٹنے " کی وعید اس فرشتے سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ حضور علیہ السلام سے ، جب بنیاد ہی نہ رہی تو پھر وہ قصرِ استدلال کیسے قائم رہ سکتا ہے ، جو مرزا صاحب نے صرف اسی بنیاد پہ اٹھایا تھا کہ رگ جان والی وعید کا تعلق حضور علیہ السلام سے ہے :

نیز یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے کہ اس آیت میں تو خدا افترا علی اللہ کی سزا قتل

تجویز کرے اور باقی دو درجن آیات میں جہاں اسی جُرم کا ذکر ہے سزا یا تو ناکامی ہو، یا اگلی دنیا میں جہنم اور یا صرف لعنت مثلاً:-

قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ۝

(مفتری ناکام ہوجاتا ہے) نہ کہ قتل

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بایات اللہ واولئک هم الکاذبون ۝

(اللہ کی طرف جھوٹ وہی منسوب کرتے ہیں، جو الٰہی آیات پہ ایمان نہیں رکھتے، یہ لوگ جھوٹے ہیں؛

یہ نہیں فرمایا کہ یہ قتل ہوجائیں گے، بلکہ آیۂ ذیل سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے، کہ جھوٹا نبی اپنی موت تک مہلت پاتا ہے اور اس کی سزا کا سلسلہ بعد از موت شروع ہوتا ہے:

ومن اظلم ممن افترى على الله الكذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیءٌ ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الهون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن ایاتہ تستکبرون ۝

(اس سے بڑا ظالم کون ہے، جس نے اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کیا اور کہا کہ میری

طرف وحی آتی ہے. حالانکہ نہیں آتی. اور جس نے کہا کہ میں بھی اللہ کی طرح وحی نازل کرسکتا ہوں. کاش! ان ظالموں کی حالت تم اس وقت دیکھ سکو. جب موت کی شدتوں میں فرشتے ان سے کہہ رہے ہوں کہ لاؤ اپنی ارواح. آج سے تمہیں رسواکن عذاب دیا جائے گا. اس لیے کہ تم اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے تھے اور اس کے احکام کے مقابلے میں اکڑتے تھے)

(سورۂ انعام رکوع ۱۰)

دلیلِ مماثلت جناب مرزا صاحب نے آیۂ ذیل کو نہایت شدومد سے تقریباً اپنی تمام تصانیف میں پیش فرمایا ہے.

آیت یہ ہے.

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ؕ۔

(اے اہل عرب! ہم نے تمہاری طرف سچائی کو واضح کرنے والا (شاہد) رسول بھیجا ہے. جس طرح کہ فرعون کی طرف بھی ایک رسول بھیجا تھا)

اور استدلال یوں قائم کیا ہے:.

"کما (جس طرح) کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی صلعم مثیل موسیٰ ہیں .... اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مراد مماثلت تامہ ہے نہ کہ مماثلتِ ناقصہ .... اور مماثلتِ تامہ کی عظیم الشان جزدوں میں سے ایک یہ بھی جز ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف

کر کے پھر بطورِ اکرام و انعام خلافت ظاہری و باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا جو قریباً چودہ سو برس ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ ان کا خاتمہ ہوا .... اور جس طرح حضرت مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ سو برس بعد آئے تھے۔ اس مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کیا اور محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ سے انطباق کُلی پا گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایتِ دین کے لیے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مُرسل ہونے میں نبی اور محدّث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مُرسل رکھا ہے۔ ایسا ہی محدّث کا نام بھی مُرسل رکھا .... چونکہ ہمارے سید و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدّث رکھے گئے .... اس امت کے محدّث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلے میں موسوی امت کے مرسلوں کے برابر ہیں۔

(شہادۃ القرآن ص ۲۶، ۲۸)

قرآنی آیات پر غور کے ساتھ نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمدی استخلاف کا سلسلہ موسوی استخلاف سے بالکل مطابق ہونا چاہیئے۔

(شہادۃ القرآن صفحہ ۶۹)

یعنی اسی (موسوی سلسلہ) طرز اور طریق کے موافق اور نیز اسی مدت اور زمانہ کے مشابہ اور اسی صورتِ جلالی اور جمالی کے مانند .... اِس امت میں بھی

خلیفے بنائے جائیں گے اور ان کا سلسلۂ خلافت اس سلسلے سے کم نہیں ہوگا جو بنی اسرائیل کے خلفا کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

(ازالہ صفحہ ۶۶۸)

" اس امت کے لیے وعدہ تھا کہ بنی اسرائیل کی طرز پر ان میں بھی خلیفے پیدا ہوں گے۔"

(ازالہ صفحہ ۶۷۱)

اور یہ زمانہ (مسیح موعود اور حضور علیہ السلام کا درمیانی زمانہ) بھی حضرت مثیلِ موسیٰ (حضور علیہ السلام) سے اسی زمانہ کے قریب قریب گزر چکا تھا۔ جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں زمانہ تھا۔

(ازالہ صفحہ ۶۹۳)

قرآن شریف اپنی نصوصِ قطعیہ سے اس بات کو واجب کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو موسوی خلیفوں کے خاتم الانبیاء ہیں اس امت سے بھی ایک آخری خلیفہ پیدا ہوگا۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۱)

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسوی خلیفوں کا ذکر فرمایا جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرھواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو .... موسیٰ کی قوم میں سے نہیں تھا۔ یہی بات سلسلہ خلافتِ محمدیہ میں بھی پائی جاتی ہے یعنی حدیث .... سے ثابت ہے کہ اس سلسلے میں بھی درمیانی خلیفے بارہ ہیں اور تیرھواں جو خاتم ولایتِ محمدیہ ہے۔ وہ

محمدیؐ قوم (قریش) میں سے نہیں اور یہی چاہیے تھے۔

(تحفہ گولڑویہ ص ۳۶ ، ۳۷)

"سید احمد صاحب (بریلوی) سلسلۂ خلافتِ محمدیہ کے بارھویں خلیفہ ہیں، جو حضرت یحییٰ کے مثیل اور سید ہیں۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۲)

وقد جاء علی اجلٍ بعد نبیہٖ المصطفیٰ کمثل اجلٍ بعث المسیح فیہ بعد موسیٰ

(خطبۂ الہامیہ صفحہ ۳۷)

مسیح موعود اور حضور علیہ السّلام کے درمیان اتنا ہی زمانہ حائل ہے جتنا حضرت موسیٰ اور مسیح علیہ السّلام میں تھا۔

ان اقتباسات سے استدلال کے تمام پہلو سامنے آگئے :

- اوّل : کہ آیت میں کما کا لفظ حضور علیہ السّلام کو حضرت موسےٰ کا مثیل ثابت کرتا ہے :
- دوم : کہ مماثلت سے مراد مماثلتِ تامہ ہے یعنی دونوں سلسلوں (موسوی و محمدی) کے خلفا تعداد میں برابر تھے اور مسیح و موسیٰ علیہما السّلام کے درمیان اتنا ہی زمانہ حائل تھا جتنا مسیح موعود اور حضور پرنور میں ، نیز موسوی سلسلے میں بارہ خلفا تھے اور تیرھواں مسیح تھا :
- سوم : کہ جناب مرزا صاحب خاتم الخلفا (یعنی آخری خلیفے) تھے۔

• چہارم: کہ جس طرح حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی قریشی نہیں تھے۔

• پنجم: کہ سلسلہ محمدیہ کا پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر اور بارھواں خلیفہ سیّد احمد بریلوی تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس استدلال کے تمام اجزا پر جداگانہ نظر ڈالی جائے۔

جزوِ اوّل

کما حرف تشبیہ ہے۔ تشبیہ کے لیے مکمل مشابہت (مماثلت تامہ) ضروری نہیں۔ ہم ہر روز سیکڑوں تشبیہات خود استعمال کرتے اور کتب و رسائل میں پڑھتے ہیں، کہیں بھی مکمل مشابہت مراد نہیں ہوتی۔

مثلاً:

• ۱۔ زید شیر جیسا ہے۔
• ۲۔ وہ چاند کی طرح ہے۔
• ۳۔ وہ پھول کی مانند ہے۔

ان جملوں میں مکمل مشابہت ہو ہی نہیں سکتی۔ زید کے شیر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی چار ٹانگیں اور ایک پونچھ ہے اور وہ جنگلی گدھے کھاتا ہے نہ کسی کے چاند ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہر مہینے کے پہلے چند روز نامکمل ہوتا ہے

اور چودھویں کے بعد پھر رُو بزوال ہو جاتا ہے۔ الخانی دور کے ایرانی مصنفین کی تحریرات، تشبیہات و استعارات سے لبریز ہیں، وہ کسی شاعر کا ذکر کرتے ہیں، تو اسے نہنگِ قلزمِ اندیشہ بنا دیتے ہیں۔ قاصد کو ہُدہُد۔ سلطان کو عقلِ کُل، جمشید اور سلیمان کہہ دیتے ہیں، اس کی فیاض ہتھیلی کو سحاب سے تشبیہہ دیتے ہیں خود قرآن میں کئی تشبیہات موجود ہیں، مثلاً امواجِ بحر کو پہاڑوں سے اور کفار کو مُردوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اگر آپ ہر جگہ مکمل مشابہت مراد لیں۔ تو جس شاعر کو آپ نہنگ کہیں گے وہ آپ پر توہین کا مقدمہ بنا دے گا، سمندر کی لہروں کو خاک و سنگ کے ٹیلے سمجھنا پڑے گا اور زندہ کافروں کی زندگی سے انکار کرنا پڑے گا۔

(دنیا میں چار ہزار زبانیں ہیں۔ ان میں کروڑوں کتابیں موجود ہیں۔)

ان تمام کتب کو اچھی طرح پڑھیے، آپ کو ایک بھی ایسی تشبیہہ نہیں ملے گی جس میں مشبہ اور مشبہ بہ میں مکمل مشابہت ہو۔ آپ خود بھی اپنی زبان میں تشبیہات استعمال کرتے ہوں گے۔ کتابوں کو جانے دیجئے۔ کوئی اپنا ہی ایسا تشبیہی جملہ پیش کر دیجئے جس میں مشابہت تامہ موجود ہو۔

اگر تشبیہہ ہر جگہ جزوی ہوتی ہے تو پھر قرآن کی آیۂ زیرِ بحث میں کہاں سے مکمل تشبیہہ مراد لے کر اس پر سلسلہ خلافت و مسیحیت کا محل تعمیر کرنا ایک ایسا اقدام ہے جس کی تائید کہیں سے نہیں مل سکتی۔ آیۂ زیرِ بحث میں اللہ نے ایک سیدھی سی بات کہی ہے کہ ہم نے اسے اہلِ عرب! تمہاری اصلاح کے لیے اسی طرح ایک رسول بھیجا ہے۔ جیسا کہ پہلے فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہاں کئی وجوہات تشبیہہ موجود ہیں۔

• اوّل: فرعون اور اہل عرب ہر دو کا بدکار و ظالم ہونا، موسیٰ و حضور علیہ السّلام ہر دو

کو ہتشین شریعت ملنا، دونوں کا صاحب السیف والکتاب ہونا، موسٰی علیہ السلام کا فرعون کے ہاں پل کر فرعون کے خلاف اٹھنا اور حضورؐ کا عربوں میں پل کر ان کے خداؤں کے خلاف لوائے بغاوت بلند کرنا وغیرہ وغیرہ۔

تشبیہ کے لیے صرف ایک پہلو میں مشابہت یعنی ایک وجہ شبہ کافی ہوتی ہے۔ زید کو شیر سے تشبیہ دینے کے لیے صرف شجاعت کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ زید پہلے بیس برس جنگل میں رہے۔ وہاں ہرنوں کا گیدڑوں کا کچا گوشت کھانا سیکھے دھاڑنے کی مشق کرے۔ کہیں سے چار ٹانگیں اور ایک پونچھ لائے اور پھر ہم اسے شیر کہیں۔

اگر بالفرض کما (حرف تشبیہ) سے مکمل مماثلت ہی مراد ہو سکتی ہے تو پھر لیجئے بارہ اور مکمل مماثلتیں۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیّن من بعدہ وما اوحینا الی ابراھیم واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسٰی وایوب ویونس وھارون وسلیمان ؏ تینا داؤد زبورا۔

(اے محمدؐ! ہم نے تم پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح (کما) نوح اور انبیاء مابعد مثلاً ابراہیم، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد عیسٰی، ایوب، یونس اور سلیمان پہ نازل کی تھی۔ اور ہم نے داؤد کو کتاب زبور دی تھی)

اس آیہ میں وہی کما کا لفظ استعمال ہوا ہے اور مضمون بھی وہی کہ ہم نے

تمہیں اسی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے. جس طرح ابراہیم و اسحاق وغیرہ کو بھیجا تھا آخر وحی اتارنے کا مطلب رسول بنانا ہی ہے تا تو اس آیہ کے رُو سے حضور علیہ السّلام اور بارہ دیگر انبیاء یعنی نوح. ابراہیم وغیرہ میں بھی مکمل مماثلت ثابت ہوگئی حضرت ابراہیم کا سلسلہ انبیاء حضرت موسیٰ کے عہد تک پھیلا ہوا ہے جن میں اسحاق و یعقوب بھی ہیں اور اسماعیل و یوسف (علیہما السلام) بھی. امتِ محمدیہ میں اسحاق و یعقوب کے مثیل کہاں سے لاؤ گے؟ اور اگر حضور کو مثیلِ نوح قرار دیا تو طوفان کہاں سے آئے گا.

بات بالکل سیدھی سی ہے کہ گذشتہ انبیاء کی طرح حضور علیہ السلام کو بھی فرضِ اصلاح و ابلاغ پہ مامور کیا گیا اور آپ کو وہی پیغام دیا گیا ہے جو نوح ابراہیم اور موسیٰ کو دیا جا چکا تھا.

ان دونوں آیات کی تفسیر ایک تیسری آیت میں ملاحظہ ہو.

شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہٖ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہٖ ابراھیم وموسی وعیسٰے ط

(اے محمدؐ! ہم نے تمہیں وہی دین عطا کیا ہے جو پہلے حضرت نوح کو دیا تھا. اور آج تم پہ نازل ہو رہا ہے اور جو ہم نے ابراہیم موسےٰ اور عیسےٰ کو بھی دیا تھا.)

جُزوِ دُوم

اس جزو کا ملخص یہ ہے.

- اوّل: کہ دونوں سلسلوں کے خلفا تعداد میں برابر تھے.

• دوم: کہ موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام میں چودہ سو سال کا زمانہ حائل تھا۔
"کیونکہ شریعت موسوی میں چودہ سو برس تک خلافت کا سلسلہ ممتاز رہا"
(شہادت القرآن صفحہ ۲۸)

• سوم: کہ حضرت موسیٰ کے بارہ خلفا تھے۔ تیرھواں مسیح علیہ السلام اور سلسلہ محمدیؐ کا تیرھواں خلیفہ مسیح موعود ہے۔

• اول: جہاں تک خلفا کا تعلق ہے۔ تاریخ کا ہر طالب العلم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سینکڑوں انبیاء ایک ایک وقت میں موجود تھے اور بائیبل کے صفحات ایسی شہادتوں سے لبریز ہیں۔ خود جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف کر کے پھر بطور انعام و اکرام خلافت ظاہری و باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا جو قریباً چودہ سو برس تک ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ پر اس کا خاتمہ ہوا اس عرصہ میں صدہا بادشاہ اور صاحب وحی اور الہام شریعت موسوی میں پیدا ہوئے۔"
(شہادۃ القرآن صفحہ ۲۶)

یعنی موسوی سلسلے میں صدہا انبیا اور بادشاہ تھے۔

"............اور (موسوی سلسلے میں) صدہا خلیفے روحانی اور ظاہری طور پر ہوئے۔"
(شہادت القرآن صفحہ ۲۹)

.........چنانچہ توراۃ کی تائید کے لیے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائیبل شہادت دے رہی ہے۔

(شہادت القرآن صفحہ ۴۵)

"حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک ہزارہا نبی اور محدث ان میں پیدا ہوئے۔" (شہادت القرآن صفحہ ۴۶)

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں ہزارہا انبیاء مبعوث ہوئے تھے جن میں سے بعض کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور بعض کا نہیں۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ (قرآن)

(ہم نے بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں نہیں کیا)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہزارہا انبیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظاہری و روحانی خلیفے تھے یا نہیں۔ اگر تھے اور ظاہر ہے کہ تھے۔ تو پھر سلسلہ موسوی و محمدی میں "مماثلتِ تامہ" کیسے ہوئی۔ وہاں ہزارہا خلیفے۔ سارے انبیاء اور یہاں کُل تیرہ خلیفے۔ جن میں سے صرف آخری نبی اور باقی سب امتی۔

پھر میری سمجھ سے یہ چیز بھی باہر ہو رہی ہے کہ جب مرزا صاحب خود تسلیم فرماتے ہیں کہ اسرائیلی انبیاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی تو پھر وہ اسرائیلی خلفا کی تعداد صرف بارہ کیوں بتاتے ہیں۔ کیا محض اس لیے کہ ان میں سے صرف بارہ کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور باقی کا نہیں۔ کیا جس چیز کا ذکر قرآن میں نہ ہو تو وہ ہوتی ہی نہیں۔ کیا قرآن میں لندن اور پیرس کا ذکر موجود ہے؟ اگر نہیں تو کیا یہ شہر سطح زمین پہ موجود ہی نہیں؟ جب یہ حقیقت تاریخ سے ثابت ہے اور

آپ خود بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ اسرائیلی انبیا کئی ہزار کی تعداد میں تھے اور وہ لازماً سلسلہ موسوی کے ظاہری یا روحانی خلفا تھے۔ تو پھر ان کی تعداد کو تیرہ تک محدود کرنے کا کیا مطلب ؟

دوم :- آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السّلام) کے درمیان چودہ سو برس کا زمانہ حائل تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام اور جناب مرزا صاحب کا درمیانی زمانہ کتنا ہے۔ حضور علیہ السّلام کی وفات ۶۳۲ء عیسوی (۱۱ھ) میں ہوئی تھی اور مرزا صاحب کی ولادت ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء (۱۲۵۵ھ یا ۱۲۵۶ھ) میں ہوئی۔ حضور علیہ السّلام کی رحلت اور مرزا صاحب کی ولادت کے درمیان شمسی سال صرف ۱۲۰۷ اور قمری ۱۲۴۴ بنتے ہیں۔ اگر ہم حضور علیہ السّلام کی رحلت اور مرزا صاحب کی بعثت کا درمیانی زمانہ شمار کریں۔ تو وہ بھی ۱۲۳۲ برس (شمسی) بنتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ کو پہلی مرتبہ ۱۸۶۵ء میں الہام ہوا تھا۔

یہ مماثلتِ تامہ کس قسم کی ہے کہ ایک حساب سے حضور علیہ السّلام و موعودہ کا زمانہ موسیٰ و مسیح کے زمانہ سے ایک سو ترانوے اور دوسرے حساب سے ایک سو اڑسٹھ برس کم بنتا ہے۔ اگر ہم دلیل مماثلت کو تسلیم کر لیں تو آئندہ اڑھائی سو برس تک جتنے مدعی بھی مسیح موعود بن کر آئیں گے۔ انہیں ماننا پڑے گا، ورنہ وہ کہیں گے، کہ جب مرزا صاحب وقت مقررہ سے پونے دو سو برس پہلے تشریف لے آئے تھے اور آپ لوگوں نے انہیں مان لیا تھا۔ تو پھر پونے دو سو برس بعد از وقت آنے والے کو آپ کیوں تسلیم نہیں کرتے ؛

شقِ سوم کے متعلق جو کچھ کہنا تھا۔ وہ شقِ اوّل کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

جزو سوم

جناب مرزا صاحب نے مماثلت تامہ کی بنا پر اپنے آپ کو سلسلۂ محمدی کا خاتم الخلفا قرار دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی فرماتے ہیں:

"میں اس بات کو تو مانتا ہوں۔ کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے۔" (ازالہ صفحہ ۴۸۸)

"مجھے اس بات سے انکار نہیں۔ کہ میرے سوا کوئی اور مثیل مسیح بھی آنے والا ہو۔" اشتہار ۱۱ فروری ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت (ج ۱، صفحہ ۱۶۲)

"میں اس سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا اور نہ کروں گا کہ شاید مسیح موعود کوئی اور بھی ہو۔ اور شاید یہ پیش گوئیاں جو میرے حق میں روحانی طور پر ہیں ظاہری طور پر اس پر جمتی ہوں۔ اور شاید سچ مچ دمشق میں کوئی مثیل مسیح نازل ہو۔"

مرزا صاحب کا خط بنام مولوی عبدالجبار
مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۵۹

اس عاجز کی طرف سے یہ دعوےٰ نہیں ہے کہ مسیحیت کا میرے وجود پر خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال و اقبال کے

ساتھ آوے اور ممکن ہے کہ اوّل دمشق میں نازل ہو۔"

(ازالہ صفحہ ۲۹۶)

"میرا یہ دعوےٰ نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے ہی پر ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیل مسیح آجائیں۔"

(ازالہ صفحہ ۱۹۹)

"لہذا ضروری ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبے پر پہنچانے کے لیے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقت آتے رہیں جن میں سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔"

(مرزا صاحب کا لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۲)

درحقیقت امتِ محمدیہ کی شان بھی اسی میں ہے کہ اس میں جہاں صُلحاء اولیاء شہداء اور صدیق پیدا ہوں وہاں ایسے بھی انسان ہوں جو خدا سے شرف مکالمہ و مخاطبہ حاصل کر کے نبی بن جائیں۔

(الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء)

دوسرا پہلو

"ہم اس امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں۔"

(حقیقۃ النبوۃ از میاں محمود احمد صاحب صفحہ ۱۳۸)

اس امت میں نبی کا نام پانے کے لیے مَیں ہی مخصوص کیا گیا دوسرے

لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

"مسیح (موعود) خاتم خلفائے محمدی ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲)

ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جناب مرزا صاحب واقعی سلسلہ محمدی کے آخری خلیفہ تھے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر اس ارشاد کا کیا مطلب۔

"اس عاجز کی طرف سے یہ دعوی نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پہ خاتمہ ہے۔"

اور اگر نفی میں ہے تو پھر "مسیح موعود خاتم خلفائے محمدی" کیسے بن گیا اور وہ "مماثلت نامہ" کہاں گئی۔

جزو چہارم

اس جزو کا ملخص یہ کہ موسوی سلسلے کا آخری خلیفہ حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھا۔ اسی طرح محمدی سلسلے کا آخری خلیفہ (مسیح موعود) بھی قریش سے نہیں۔

اگر حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے تو پھر اسرائیلی سلسلے کے آخری خلیفہ کس بنا پر قرار پائے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہوتا کہ نسب کے لحاظ سے وہ حضرت اسحاق

کے فرزند تھے، یا حضرت اسماعیل کے۔ حضرت ابراہیم کے بعد عربی انبیاء کا سلسلہ اولاد ابراہیم میں محدود رہا، اگر وہ اسحاق کی پشت سے تھے، تو اسرائیلی تھے ورنہ اسماعیلی ہوں گے اور یہ صریحاً غلط ہے اس لیے کہ مشرق و مغرب کے تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اسماعیل کی پشت سے صرف ایک رسول پیدا ہوا تھا۔ یعنی حضور علیہ السّلام۔

اگر مسیح کی ولادت معجزانہ تھی اور ان کے والد کوئی نہیں تھے تو کیا ان کی والدہ مریم علیہا السلام کا بھی کوئی سلسلہ نسب نہیں تھا، قرآن حکیم نے حضرت مریم کو اخت ہارون یعنی ہارون کی بہن کہا ہے اور حضرت ہارون علیہ السّلام اسرائیلی تھے انجیل میں درج ہے:

"تو (اے مریم) حاملہ ہوگی۔ اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا۔"

(لوقا ۱/۳۲)

حضرت داؤد علیہ السّلام کو حضرت مسیح کا باپ کہا گیا ہے اور داؤد علیہ السّلام اسرائیلی تھے۔

انجیل متی کا پہلا فقرہ یہ ہے۔

"یسوع مسیح بن داؤد بن ابراہیم کا نسب نامہ"۔

خود مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح علیہ السّلام پورے طور پر بنی اسرائیلی نہ تھے بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔"

(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۸۷)

والد تو تھا نہیں اور نہ ماں اسرائیلی تھی، تو پھر وہ غیر اسرائیلی کیسے بن گئے اور اگر اسرائیلی نہیں تھے، تو کیا اسماعیلی تھے؟ راجپوت تھے؟ کورو تھے؟ پانڈو تھے؟ آخر کیا تھے؟ اور پھر یہ "پورے طور پر بنی اسرائیل سے نہ ہوتے" کا مفہوم کیا ہے؟ کیا وہ بیس یا تیس فی صدی اسرائیلی تھے اور باقی ستر فی صدی کچھ اور؟

بہرحال اس حقیقت سے کوئی مؤرخ انکار کر ہی نہیں سکتا کہ حضرت مسیح نسب کے لحاظ سے سو فی صدی اسرائیلی تھے۔ اس لیے سلسلہ مماثلت کی یہ کڑی بھی ٹوٹ گئی۔ جناب مرزا صاحب خود تسلیم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قریش میں سے تھے اور مشہور حدیث:-

الائمۃ من قریش

(میری امت کے خلفا قریش سے ہونگے)

کے مطابق سلسلہ محمدی کے خلفا کا بھی قریشی ہونا ضروری ہے۔

"اُن (مسیح علیہ السلام) کے دوبارہ آنے میں کس قدر خرابیاں اور کس قدر مشکلات ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی کہ وہ بوجہ اس کے کہ وہ قوم کے قریشی نہیں ہیں، کسی حالت میں امیر نہیں ہو سکتے۔"

(ازالہ صفحہ ۵۷۹)

تو پھر فارسی النسل مرزا صاحب ائمہ قریش کے سلسلے کی آخری کڑی کیسے بن سکتے ہیں؟

جزو پنجم

جناب مرزا صاحب نے سلسلہ محمدیہ کے صرف دو خلفا کے نام بتائے ہیں۔ خلیفہ اوّل یعنی حضرت ابوبکر اور خلیفہ دوازدہم حضرت سیّد احمد بریلوی۔ ان کے درمیانی خلفا کون تھے، مرزا صاحب نے ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہمیں علم ہے اس لیے ان پر بحث ممکن ہی نہیں البتہ ان دو خلفا کے سلسلے میں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

- اوّل۔ وہ دونوں قریش تھے اور آپ مغل۔ یہ کیا؟
- دوم۔ وہ دونوں غیر نبی تھے اور آپ نبی۔ یہ کیوں؟
- سوم۔ وہ دونوں عمر بھر مصروفِ جہاد رہے اور آپ عمر بھر جہاد کے خلاف لکھتے رہے یہ کس لیے؟
- چہارم۔ وہ دونوں اسلامی سلطنت کے قیام و بقا کے لیے کوشاں رہے اور آپ سلطنتِ فرنگ کے استحکام کے لیے یہ خلافت کیسی؟

ماحصل یہ کہ استدلال مماثلت کی کوئی کڑی صحیح و سالم نہیں رہی۔

احمدی بھائیو! میرا مقصد جناب مرزا صاحب کے دعاوی و تحریرات کی کورانہ و متعصبانہ تردید نہیں، بلکہ محض تلاش حقیقت ہے اگر مرزا صاحب واقعی رسول تھے اور بابِ رسالت وا ہے تو مجھے سمجھائیے۔ مَیں ببانگ دُہل حضرت مرزا صاحب کی رسالت کا اعلان کر دوں گا۔ میری کتاب "ایک اسلام" میں آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہو گا کہ مَیں حضرت بُدھ، حضرت کرشن، حضرت رامچندر اور حضرت زرتشت

علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی نبوت ورسالت کا بھی قائل ہوں۔ اس لیے کہ ان حضرات کے زمانے میں سلسلۂ نبوت جاری تھا اور مجھے ان کی نبوت پہ کچھ دلائل بھی مل گئے ہیں۔ اسی طرح اگر مجھے مطمئن کر دیا جائے کہ سلسلۂ نبوت جاری رہنے اور جناب مرزا صاحب میں انبیا علیہم السلام کا جلال وجمال موجود تھا تو مجھے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوگی۔ دوسری طرف اے برادران کرام! اگر آپ کو کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ جناب مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو پھر میں آپ سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ خدا کے لیے یہ کفر و اسلام کی مصنوعی دیواریں گرا دیجئے۔ ان خلیجوں کو پاٹ دیجئے جو آپ میں اور سوادِ اعظم میں حائل ہو چکی ہیں اور بظاہر تو ہم ایک ہی ہیں یعنی تمدن، نام، لباس، صورت، فقہ، شریعت، عبادات، مساجد قبلہ سب ایک ذہناً بھی ایک ہو جائیں :

ع، تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(چھٹا باب)

مسیح و دجّال

مسیح و دجال کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ سو برس میں انگریز کی پالیسی دنیائے اسلام کے متعلق کیا رہی. چونکہ مسلمان ہندوستان سے قسطنطنیہ اور مراکش تک پھیلے ہوئے ہیں. اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسلامی ممالک پہ جداگانہ بحث کی جائے:

ترک

انیسویں صدی کے اواخر میں ترکی سلطنت طرابلس کی آخری حدود تک پھیلی ہوئی تھی. مراکش اور الجیریا آزاد اسلامی سلطنتیں تھیں مراکش کو کئی طرح اہمیت حاصل تھی:

- اوّل، کہ وہ آبنائے جبل الطارق کے عین سامنے واقع تھا اور اس پر قابض قوم بحیرۂ روم اور اوقیانوس کی گذرگاہوں کے لیے مستقل خطرہ بن سکتی تھی.
- دوم، اس میں لوہے کی کانیں تھیں:
- سوم، یہاں سے لڑائی کے لیے بہترین رنگروٹ مل سکتے تھے:
- چہارم، یہ اجناس خام کا بہت بڑا ذخیرہ تھا یہ فوائد و منافع دیکھ کر فرانس کے منہ میں پانی بھر آیا لیکن انگریز درمیان میں آکودا اور بڑی لے دے کے بعد ان

دونوں اقوام میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے رُو سے فرانس کو مراکش پر اور انگریز کو مصر پر قبضہ کرنے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ انگریزوں نے ۱۸۸۲ء میں بلاوجہ اسکندریہ پر بمباری شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ترکی کا مردِ بیمار کافی نحیف ہوچکا تھا اور اس میں ان نوخیز آلاتِ جدیدہ سے مسلح اور فتنہ جو اقوام سے طاقتِ مقابلہ باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ترکوں کو رسوا کن شرائط پہ صلح کرنا پڑی اور انگریز نے مصر کے ایک حصے پر تسلط جما لیا۔ چھ برس بعد مصر کے تمام مالیے پہ قبضہ کر لیا اور عثمانیوں کا تسلط محض برائے نام باقی رہ گیا۔ ۱۸۹۶ء میں انگریزی فوجوں نے لارڈ کچنر کی کمان میں سوڈان پر حملہ کر دیا اور دو سال بعد اس پہ قبضہ کر لیا۔ سوڈان میں انگریزی فوجیں اس انداز سے داخل ہوئیں کہ شہیدانِ وطن کی قبریں کھود کر ہڈیاں باہر پھینک دیں، اور مہدی سوڈانی کی لاش سے تو وہ ذلت آمیز سلوک کیا کہ خدا کی پناہ۔ ۱۸۹۹ء میں انگریزوں نے تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر مصر پہ مکمل قبضہ کر لیا، اور لارڈ کچنر پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔

اہلِ مصر کے ساتھ انگریزوں کا سلوک کیا تھا۔ اس سلسلے میں صرف ایک کہانی سُنیے:۔

۱۳ جون ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے کہ چند انگریز افسر شکاری بندوقیں اٹھائے ایک گاؤں جا نکلے اور وہاں قریب کے کھیتوں میں خانگی کبوتروں کا شکار کھیلنے لگے۔ چند دیہاتی اُن کے پاس گئے اور کہا کہ یہ ہمارے پالتو کبوتر ہیں، انہیں مت ماریئے۔ اس پر انگریز بہادر نے بگڑ کر کہا:

"ویل ٹم بھاگنا مانگٹا، ورنہ ہم ٹم کو گولی مارنا مانگٹا۔"

دیہاتیوں نے اپنی التماس پہ اصرار کیا تو ان ٹامیوں نے بندوقوں کا منہ ان کی طرف پھیر دیا۔ یہ غریب بھاگ نکلے انہوں نے ان پر اندھا دھند فائر کیئے جن سے ایک نوجوان لڑکی جو کھیت میں سے گذر رہی تھی ہلاک ہوگئی اس پر چند مشتعل دیہاتیوں نے ان ٹامیوں پر پتھر برسائے ٹامیوں نے اپنے افسرِ اعلیٰ لارڈ کرومرز کو اطلاع دی:

سارا گاؤں گرفتار کر لیا گیا اور مندرجہ ذیل سزائیں فوراً نافذ ہوئیں:

- ۱۔ چھ دیہاتیوں کو جنہوں نے پتھر برسائے تھے۔ موت کی سزا دی گئی:
- ۲۔ چھ کو سات سال قید بامشقت۔
- ۳۔ تین کو ایک سال قید اور پچاس پچاس کوڑے۔
- ۴۔ باقی سارے گاؤں والوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے گئے

اس واقعہ کے بعد لارڈ کرومرز نے جو رپورٹ حکومتِ برطانیہ کو بھیجی اس میں درج تھا:

"سزاؤں کے نافذ کرنے میں انسانیت کے پورے احساسات کو ملحوظ رکھا گیا۔" (تاریخ انقلاباتِ عالم۔ ابو سعید بزمی صفحہ ۳۵۵)

جب اس واقعہ کا ذکر پارلیمنٹ میں آیا تو وزیر خارجہ نے کہا کہ اس شورش کے ذمہ دار عبدالنبی اور حسن تھے۔ انہوں نے محمدؐ کے نام پر عیسائیت کے خلاف ایک سازش شروع کر رکھی تھی جسے ختم کرنا ضروری تھا اور میں ہاؤس کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ چھ مصلوبوں میں یہ دو شورش پسند بھی شامل تھے۔

دیکھا آپ نے کہ دو آدمیوں کو سُولی دینے کے لیے کیا راستہ اختیار کیا گیا۔ کہ پہلے آدمیوں کو اس گاؤں میں بھیجا۔ انہوں نے پالتو کبوتروں پر فائر کر کے لوگوں کو مشتعل کیا جب لوگوں نے احتجاج کیا تو انہوں نے بے دھڑک گولیاں برسائیں اور پھر مظلوم بن کر لارڈ کرومر کے پاس پہنچے۔ اس نے اس واقعہ کو بغاوت کی صورت دے کر عبدالنبی اور حسن کو چار ساتھیوں سمیت سُولی پر لٹکا دیا۔

اُسے کہتے ہیں انصاف، تہذیب اخلاق اور رعایا پروری

۱۹۱۱ء میں برطانیہ و اٹلی میں بھی ایک خفیہ مُعاہدہ ہوا جس کے رُو سے اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ وہاں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نہتے مَرد و زَن قتل کر ڈالے، شہر کے شہر جلا دیے بلکہ بعض شہروں کی ساری آبادی کو شیر خوار بچوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہزاروں کو آگ میں زندہ پھینک دیا عورتوں کو برہنہ کر کے پھانسی پر لٹکا دیا۔ ایک بہت بڑی تعداد کو زنجیروں میں جکڑ کر تپتے ہوئے صحراؤں میں ڈال دیا۔ ہزار ہا کو بلند چٹانوں سے دھکیل دیا، سیکڑوں کو ہوائی جہازوں سے زمین پر پھینک دیا اور لاکھوں بچوں کو آغوشِ مادر سے الگ کر کے اٹلی میں بھیج دیا تاکہ انہیں عیسائی بنایا جائے۔ ان مظالم سے "لنڈن ٹائمز" جیسا سنگدل اخبار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے کہا:

"یہ مظالم اس سمجھوتہ کا نتیجہ ہیں جو اٹلی اور برطانیہ میں ہوا تھا اور جس کے رو سے اٹلی کو ان ممالک پر حملہ کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔"

یہ تو تھا حال طرابلس کا۔ مصر میں انگریز دونوں ہاتھوں سے مصر کو لوٹ

رہا تھا۔ خام اجناس سستے داموں خرید کر کسانوں کو کمزور کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ قحط وگرانی کی وجہ سے ملک کی یہ حالت ہوگئی کہ طول وعرض مصر میں انگریزی مظالم پہ گیت تیار ہو گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک دُور افتادہ دہقانی کو گیت گاتے ہوئے سُنا گیا:

"وائے ہر فرنگ
جو ہمارا غلہ لے گیا
تمام مویشی لے گیا
سارے بچے لے گیا
اب ہمارے پاس
صرف جانیں رہ گئیں!
اے رَبّ
تو ہمیں جلد نجات دِلا"

نجد وحجاز

اٹھارویں صدی کے رُبع اوّل میں محمدؒ بن عبدالوہاب (ایک مصلح) نجد سے اٹھا اس کا مقصد قبر پرستی اور دیگر بیجو رسوم وعقائد کی بیخکنی تھا۔ نجد کا سردار محمدؒ بن سعود اس کا پیرو بن گیا محمد بن عبدالوہاب ترکوں کے خلاف تھا اس کے تمام مرید سردارِ نجد کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور ترکوں کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں ترکی سپاہ نے سردارِ نجد عبدالعزیز کو قتل کر ڈالا اور اس کی جمعیت کو پریشان کر دیا۔ اس کا ایک پنجسالہ بیٹا عمر نامی عمّان میں پہنچا دیا گیا۔ اس نے بڑے ہو کر

چند قبائل کو ساتھ ملا لیا اور ریاض پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا ۔ یہ ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے ۔ ترکوں کے گورنر شریفِ مکہ نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے ایک زبردست شکست دی ۔ لیکن سرداری نجد سے اسے محروم نہ کیا ۔

جب ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم میں انگریزوں نے شریفِ مکہ سے بغاوت کرائی تو عمر بن عبدالعزیز (سردارِ نجد) کو بھی ساتھ ملانا چاہا ۔ ہر چند کہ عمر دو مرتبہ ترکوں سے مار کھا چکا تھا ۔ اور اب انتقام لینے کا موقعہ تھا لیکن اس کی اسلامی غیرت آڑے آئی اور اس نے برطانیہ کی تمام ترغیبات کو جھٹک دیا ۔ دوسری طرف ترکوں کے ایک نمک خوار ہاشمی نے محافظین حرم کی وہ خبر لی کہ انہیں پہلے جزیرۃ العرب سے پھر شام اور پھر عراق سے نکلنا پڑا ۔

جنگ کے بعد شریف مکہ کو غداری کے صلے میں صرف حجاز کا امیر بنا دیا گیا اور شرقِ اُردن ۔ فلسطین ۔ شام اور عراق اس کی سلطنت سے کاٹ دیے گئے شریف مکہ نے بہتیرا شور مچایا کہ او میرے آقاؤ ! میں اس لُولی لنگڑی اور کان کٹی سلطنت کو کیسے چلاؤں گا ۔ خدا کے لیے عراق ۔ شام اور دوسرے علاقے ساتھ رہنے دو ۔ لیکن سنتا کون تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مفلس سلطنت اپنے بوجھ کے نیچے خود ہی دبتی گئی ۔ ہر سو قحط و افلاس اور بدنظمی کی وجہ سے اضطراب ہو گیا ۔ جس سے ابن سعود نے فائدہ اٹھایا اور ۱۹۲۱ء میں شریف پر حملہ کر دیا شریف بھاگ گیا ۔ اور چھ برس بعد انگریز نے ابن سعود کی سلطنت کو با دلِ نخواستہ منظور کر لیا ۔ زخم لگائے بغیر ؟ نہیں ۔ بلکہ مندرجہ ذیل کام کے علاقے اپنے قبضے میں کر لیے ۔

- ۱۔ حضرموت کا علاقہ ایک لاکھ بارہ ہزار مربع میل
- ۲۔ عدن
- ۳۔ مسقط و عمان کا علاقہ۔ بیاسی ہزار مربع میل
- ۴۔ بحرین اور ملحق علاقے۔ اسی ہزار مربع میل
- ۵۔ جدّہ

اور یہی وہ علاقے تھے جن میں تیل کے بے اندازہ ذخائر لو ہے اور سونے کی معادن اور لولو و مرجان کے چشمے تھے یہ علاقے تو لے لیے انگریز نے اور باقی ساری ریت سلطان ابن سعود کے حوالے کر کے کہا کہ لو اور جتنی چاہو پھانکو :

شام

بعد از جنگ شام فرانس کے حوالے ہوا۔ اس پر شامیوں نے سخت احتجاج کیا کہ دورانِ جنگ میں تو تم نے ہم سے آزادی کا وعدہ کیا تھا لیکن۔

ع :۔ دل شاہیں نمی سوزد براں مرغے کہ در چنگ است

نتیجتہً تمام لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ دمشق پر مسلسل اڑتالیس گھنٹے بمباری کی گئی ظالم فرانسیسیوں کے ٹینک دمشق کے حسین بازاروں میں داخل ہو گئے اور اس قدر گولہ باری کی کہ بازار اینٹوں کا ڈھیر بن گئے اور ہزاروں متمول خاندان بھکاری بن کر رہ گئے یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن برطانیہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

عراق

جنگ عظیم (۱۸ - ۱۹۱۴) میں عراقیوں کو بھی آزادی کا چکمہ دے

کر انگریزوں نے ساتھ ملا لیا۔ لیکن جنگ کے بعد انگریز عراق کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ترکوں کی حکومت میں تمام افسر عراقی تھے لیکن انگریز کے زمانے میں ساڑھے چار سو افسروں میں سے ایک بھی عراقی نہ تھا۔ جب قحط و گرانی اور انگریز کی شہرۂ آفاق لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے سارا عراق قلیوں اور گھسیاروں کی بستی بن کر رہ گیا تو اس پر مظاہرے ہوئے پکڑ دھکڑ اور دار و گیر کے بعد مظاہرے بغاوت میں تبدیل ہو گئے۔ ۱۹۲۰ء کی بغاوت کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگا لیجئے کہ اس میں برطانوی فوج کے دس ہزار سپاہی (آٹھ ہزار ہندوستانی اور دو ہزار انگریز) ہلاک ہوئے تھے۔ اس کے بالمقابل نہتے عراقیوں کی کیا دُرگت بنی ہو گی۔ خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ آخر برطانیہ کو عراق کے مطالبۂ نیم آزادی کے سامنے جھکنا پڑا۔

شریف مکہ کے دو بیٹوں میں سے ایک کو فلسطین اور دوسرے کو شام کا سلطان بنایا گیا تھا۔ لیکن شام نے کوئی بہانہ سامنے رکھ کر فیصل کو شام سے نکال دیا۔ بعد ازاں جب عراق میں انتخابِ شاہ کا مسئلہ سامنے آیا تو عراقیوں نے ایک "محبِ وطن" کو امیدوار نامزد کیا۔ لیکن برطانیہ مصر تھا کہ شام سے نکالے ہوئے امیر فیصل کو چنا جائے۔ جب عراقی نہ مانے تو برطانیہ نے ان کے امیدوار کو پکڑ کر جلا وطن کر دیا۔ اور زبردستی امیر فیصل کو شاہِ عراق بنوا دیا۔

یہ تھی حقیقت آزادئ عراق کی۔ آزادی تو دے دی۔ لیکن شعبہائے ذیل برطانیہ کے قبضے میں رہے اور شاید اب تک ہیں۔

۱۔ معاملاتِ خارجہ

- ۲۔ خفیہ پولیس
- ۳۔ تمام ہوائی اڈے
- ۴۔ بندرگاہیں
- ۵۔ تیل کے چشمے
- ۶۔ تمام معادن و ذخائر

اور باقی رہ گئی ریت۔ تو کہا کہ جتنی چاہو۔ یہاں کو ہم قطعاً دخل نہیں دیں گے۔

فلسطین

فلسطین عرب کا جزو لاینفک تھا اور برطانیہ نے شریف مکہ سے وعدہ بھی کیا تھا کہ سارا عرب اس کے تسلط میں دے دیا جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ جب فتح کے آثار نظر آنے لگے۔ عراق و عرب سے ترکوں کو دیس نکالا مل چکا۔ تو ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور نے اعلان کر دیا کہ فلسطین کو یہود کا وطن بنایا جائے گا۔ اس اعلان پر ساری دنیائے اسلام میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسلمانانِ عالم نے برطانیہ کو اپنے مواعید یاد دلائے لیکن یہاں کون سنتا تھا چنانچہ ۱۹۱۸ء میں یہود کی آمد شروع ہو گئی۔ ارضِ پاک میں ہنگامے ہوئے اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ انگریز کی سنگینیں بے دھڑک عربوں کے سینے چیرنے لگیں اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے برطانیہ نے ۱۹۲۰ء میں ایک یہودی، سر ہربرٹ سموئیل کو فلسطین کا ہائی کمشنر بنا کر بھیج دیا اس شخص نے عربوں کی وہ خبر لی اور میثاقِ شریف و برطانیہ کی وہ مٹی پلید کی کہ توبہ ہی بھلی۔ نتیجتہً سات لاکھ عرب گھروں سے نکال دیے گئے ان میں

سے لاکھوں بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر چکے ہیں، اور باقی صحرا میں اِدھر اُدھر تباہ ہو رہے ہیں۔

دیکھا! آپ نے برطانیہ کے انصاف، مواعید پروری اور مسلم دوستی کا عالم!

شرق اُردن

اس علاقہ کی کل آبادی چار لاکھ، بجٹ صرف پانچ لاکھ پونڈ سالانہ۔ دارالخلافہ عمان کی آبادی بارہ ہزار، ہر طرف ریت، جھکڑ، کیکر اور خانہ بدوش قبائل یہ ہے نقشہ اس سلطنت عظمیٰ کا جس پر شریف مکہ کے ایک بیٹے عبداللہ کو مسلط کیا گیا تھا۔ پھر لطف یہ کہ سارے اختیارات انگریز ریذیڈنٹ کے قبضۂ قدرت میں دے دیے گئے۔

اس سلطنت کی تخلیق کا مقصد صرف تقسیم عرب اور عربوں کی قوت و مرکزیت کا خاتمہ تھا، ورنہ ایسے ریگستان جس میں مزروعہ زمین کا رقبہ صرف تیس مربع میل ہے، سلطنت کون قائم کرتا ہے؟ امیر عبداللہ تادم زندگی انگریز کا وظیفہ خوار رہا، انگریزوں کے اشارے پر تیلی کا ناچ دکھاتا رہا اور قوت و مرکزیت کی ہر تجویز کا ہمیشہ مخالف رہا۔

ایران

۱۹۰۷ء میں برطانیہ و روس میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے رو سے شمالی ایران کی دولت پر روس اور باقی پر برطانیہ قابض ہو گیا جب اس ناانصافی پر عوام اور ان کے نمائندوں نے سخت احتجاج کیا تو شاہِ ایران نے برطانیہ کا اشارہ پاکر تمام ممبران پارلیمان کو سولی پر لٹکا دیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد لارڈ کرزن نے احمد شاہ قاچار شاہِ ایران ۔ برائے نام ۔ سے ایک سمجھوتے پہ دستخط کرا لیے جس کے رُو سے روس کا اثر ایران میں ختم ہو گیا اور ایران کے تمام وسائل دولت نیز امور داخلہ و خارجہ پہ انگریز قابض ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء میں رضا شاہ پہلوی نے بعد از انقلاب صورت حال میں کچھ تبدیلی پیدا کی لیکن ۱۹۴۱ء میں برطانیہ نے رضا شاہ پہلوی کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا اور سات برس تک ایران پہ بلا شرکت غیرے حکومت کی۔ دوسری جنگ کے بعد ایران کی سیاست میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۲ء میں ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق نے انگریز کو ایران سے نکال باہر کیا اور تمام وسائل دولت اپنے قبضے میں لے لیے۔ لیکن تابکے۔

انگریز اپنی ریشہ دوانیوں میں مسلسل مصروف رہا یہاں تک کہ ڈاکٹر مصدق کو گرفتار کر لیا گیا اور آج کل (دسمبر ۱۹۵۳ء) میں ان پہ مقدمہ چل رہا ہے۔

انگریز ہندوستان میں

یہ تو تھی برطانیہ کی پالیسی بیرونِ ہند۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں سے کیا سلوک کیا۔

۱۶۰۸ء میں ایک برطانوی جہاز سُورت کی بندرگاہ پہ لنگر انداز ہوا یہاں ان لوگوں نے ایک تجارتی ادارہ بنایا اور شہنشاہ مغلیہ سے تجارتی حقوق حاصل کر لیے اپنی حفاظت کے لیے کچھ فوج بھی رکھ لی۔ جب ملک کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو گئے۔ تو انہوں نے سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیے اور چار سُو فتنہ و سازش کا ایک جال پھیلا دیا۔

۱۔ ۱۶۸۵ء میں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا لیکن سخت شکست کھائی اور تمام تجارتی حقوق سے محروم ہو گئے۔ حالات کو دیکھ کر انگریز خوشامد اور چاپلوسی پہ اتر آیا اور چند برس بعد دوبارہ تجارتی حقوق حاصل کر لیے ساتھ ہی اپنی عسکری قوت کو چپکے چپکے کافی بڑھا لیا اور شہنشاہ سے ٹکر لینے کی جگہ چھوٹے بڑے نوابوں اور راجوں کی طرف توجہ پھیر دی۔

۲۔ چنانچہ کلکتہ میں نواب سراج الدولہ کے خلاف فتنہ اٹھایا اس نے مجبوراً حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے کلکتہ کو آگ لگا کر ہزارہا انسانوں کو زندہ جلا دیا اور ہزارہا کو مفلس و بے نوا بنا دیا۔ بازاروں کو جلا کر لوگوں کی اقتصادی قوت کو توڑ دینا اہلِ فرنگ کا پرانا حربہ تھا جسے یہ لوگ نہایت کامیابی سے مراکش، طرابلس اور دمشق میں استعمال کر چکے تھے۔ امی چند انگریزوں کا وفادار اور سراج الدولہ کا غدار تھا لیکن اس جنگ میں وہ بھی نہ بچ سکا۔ فوجی گورے اس کے گھر میں داخل ہو گئے اس کی دیویوں کی عصمت دری کی غیرت میں آکر محافظِ حرم نے حرم کو آگ لگا دی۔ اور تمام بیگمات کو اپنے سمیت بھون ڈالا۔

اس جنگ میں سراج الدولہ نے انگریز کو شکستِ فاش دی لیکن اسلامی رواداری سے کام لے کر معاف کر دیا۔ انگریز نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ کلائیو نے ۴ جنوری ۱۷۵۷ء کو اچانک سراج الدولہ پہ حملہ کر کے اسے راہ فرار اختیار کرنے پہ مجبور کر دیا اور اس کے غدار وزیر جعفر کو مسندِ بنگال پہ سوا دو لاکھ پونڈ رشوت لے کر بٹھا دیا۔ تین سال بعد ایک

اور امیدوار میر قاسم نے پچیس لاکھ روپیہ مسند بنگال کی قیمت پیش کی جسے کمپنی نے منظور کر لیا اور جعفر کی گدی میر قاسم کو دے دی اس سے تین اضلاع لے کر اپنے قبضے میں کر لیئے، نیز بیس لاکھ روپیہ مزید طلب کیا، میر قاسم نے یہ رقم وصول کرنے کے لیے امراء و غرباء دونوں پہ بھاری ٹیکس عائد کیئے بیگمات کا زیور فروخت کیا لیکن رقم پھر بھی پوری نہ ہو سکی، اس پر کمپنی کے تیور بدل گئے اور میر جعفر سے ۷۵ لاکھ روپیہ لے کر اسے دوبارہ نواب بنا دیا اور بیچارہ میر قاسم ادھر اُدھر بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، جعفر جلد فوت ہو گیا اور کمپنی نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کو پینتیس لاکھ روپیہ کے عوض مسند نشین بنا دیا، خلاصہ یہ کہ نو برس کی قلیل مدت میں کمپنی نے اس سیاسی جوڑ توڑ سے جو رقوم بطور رشوت وصول کیں ان کی میزان تیس کروڑ روپیہ سے متجاوز تھی۔

• ۳۔ ۱۵ ستمبر ۱۷۶۴ء کو شجاع الدولہ شاہِ اودھ پہ بلا وجہ حملہ کر کے انگریز نے بڑی خونریزی سے کام لیا۔

• ۴۔ وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۲ء میں الہ آباد پہ حملہ کر دیا، مغل افواج کو شکست ہوئی، ہیسٹنگز چونکہ کمپنی کا ملازم تھا اور کمپنی کے مقاصد تجارتی تھے اس لیے اس نے شاہِ اودھ سے چھبیس لاکھ روپیہ لے کر الہ آباد اس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

• ۵۔ انگریز ہر ایسے طبقے اور گروہ کو تباہ و برباد کرنے پہ تلا ہوا تھا جس میں آزادی و خود مختاری کی ذرا سی خواہش بھی موجود تھی۔ اس سلسلے میں روہیلکھنڈ کے ساٹھ لاکھ بہادر اور غیور روہیلے ہیسٹنگز کی آنکھوں میں کھٹک رہے تھے چنانچہ

اس نے اس بہادر قوم پر حملہ کر کے ان کی بستیاں جلا دیں۔ بچے تک ذبح کر دیے اور جوان عورتوں کی عصمت کو دل کھول کر لوٹا۔ اس واقعہ کے متعلق لارڈ میکالے لکھتا ہے:۔

"ایک لاکھ رُہیلہ وطن چھوڑ کر خانہ بدوش بن گیا اور بے وطنی کی حالت میں ان لوگوں نے بعض اوقات اپنی عورتوں کی عصمت بیچ کر ایک وقت کی روٹی حاصل کی۔ ان کے بچے ذبح کر دیے گئے اور دیہات کو آگ لگا دی گئی۔"

(کمپنی کی حکومت باری صفحہ ۱۱۴)

اور پھر لطف یہ کہ اس حملے کا خرچ (چالیس لاکھ روپیہ) نواب اودھ سے زبردستی وصول کیا گیا۔

- ۶۔ ہیسٹنگز نے رشوتیں لینے اور سودے چکانے کے لیے نند کمار کو مقرر کر رکھا تھا۔ جب ہیسٹنگز کروڑوں روپے لے چکا اور اسے افشائے راز کا خطرہ پیدا ہو گیا تو اس نے نند کمار کو کوئی بہانہ بنا کر سُولی پر لٹکا دیا۔
- ۷۔ ۱۷۷۹ء میں مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ یہ جنگ ایک معاہدے پر ختم ہوئی۔ لیکن جلد ہی انگریز نے اس معاہدے کی دھجیاں ہوا میں بکھیر دیں اور بلا اشتعال دوبارہ حملہ کر کے بہت کچھ کما لیا۔
- ۸۔ ریاست میسور پر حیدر علی کی حکومت تھی ۱۷۶۹ء میں انگریز نے میسور پر اچانک ہلہ بول دیا جس میں سخت شکست کھائی اور جھک کر صلح کر لی اس معاہدہ کی پہلی اور بنیادی شرط یہ تھی کہ اگر ہم میں سے کسی ایک پر حملہ

ہوا تو ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے دو برس بعد مرہٹوں نے میسور پر حملہ کر دیا حیدر علی نے انگریز کو بار بار اس کا معاہدہ یاد دلایا لیکن صاحب بہادر نے سُنی اَن سُنی ایک کر دی۔

۹۰۔ بنارس کا راجہ چیت سنگھ ہر سال بائیس لاکھ روپیہ بطور خراج کمپنی کو ادا کرتا تھا کیوں؟ اس سوال کا جواب مؤرخ نہیں دے سکتا تھا ۱۷۷۸ء میں ہیسٹنگز نے راجہ سے پانچ لاکھ مزید رقم طلب کی۔ اور دوسرے سال پھر اسی رقم کا مطالبہ ہوا راجہ نے رقم تو ادا کر دی لیکن ساتھ ہی لاٹ صاحب کو مل کر دو لاکھ روپیہ کا چڑھاوا بھی چڑھایا اور درخواست کی کہ آئندہ اس بوجھ سے مجھے معاف کیا جائے۔ کچھ عرصہ بعد لاٹ صاحب کو کسی علاقے پر چڑھائی کی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلے میں راجہ چیت سنگھ کو لکھا کہ اس مقدس کام کے لیے دو ہزار سپاہی تم بھی پیش کرو اور ایسا احمق سپاہی کہاں سے ملے جو دوسروں کی خاطر خون بہاتا پھرے۔ چنانچہ بڑی مشکل سے راجہ صاحب ایک ہزار سپاہی بھیج سکے۔ اس گستاخی پر لاٹ صاحب کی چیتون پر بل پڑ گئے فوراً راجہ صاحب پر پچاس لاکھ روپیہ جرمانہ کر دیا اور اس رقم کو وصول کرنے کے لیے فوج بھی بھیج دی۔ بے بس راجہ شاہی چھوڑ کر بھاگ نکلا اور لاٹ صاحب نے اس کے ایک خورد سال بھتیجے کو چالیس لاکھ روپیہ لے کر گدی پر بٹھا دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ یہ رقم ہر سال ہماری خدمت میں پہنچتی رہے۔

۱۰۰۔ ۱۷۷۵ء میں شاید کمپنی کو کسی سودے میں خسارہ ہوا اسے پورا کرنے کے لیے شاہ اودھ سے پچھتر لاکھ روپیہ کا مطالبہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ رقم وصول

کرنے کے لیے فوج بھیج دی اس فوج نے حرم میں داخل ہو کر بیگمات کے زیور جس وحشیانہ طریقے سے نوچے یہ ایک زہرہ گداز داستان ہے۔

• ۱۱۔ لارڈ کارنوالس (گورنر جنرل از ۱۷۸۶ء تا ۱۷۹۳ء) نے چپکے سے میسور پر حملہ کر دیا اور بنگلور ہتھیا لیا، آخر نواب اور کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے رو سے آدھی ریاست کمپنی کو چلی گئی اور ساتھ ہی لاٹ صاحب نے نواب صاحب سے (کہ انہوں نے مقابلہ کیوں کیا) تین کروڑ تیس ہزار روپیہ بطور تاوان لے لیا۔

• ۱۲۔ بچے کھچے روہیلے روہیلکھنڈ میں پھر جمع ہو گئے تھے اور صاحب بہادر کے مفاد کو پھر ایک دہمی خطرہ پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ۱۷۹۴ء میں سرجان شور نے انہیں تباہ و برباد کرنے کے لیے دوبارہ قدم رنجہ فرمایا اور لبقدر ظرف خوں ریزی کی۔

• ۱۳۔ اسی زمانے میں شاہِ اودھ (آصف الدولہ) کی وفات ہو گئی اور اس کے جائز وارث وزیر علی (بن آصف الدولہ) نے مسند سنبھال لی۔ آصف الدولہ کا بھائی سعادت علی سرجان شور کی خدمت میں پہنچا۔ دس لاکھ نقد کا نذرانہ اور الہ آباد کا قلعہ پیش کیا چنانچہ وزیر علی معزول ہو گیا اور سعادت علی شاہِ اودھ بن گیا۔

• ۱۴۔ سلطان ٹیپو کی شجاعت و غیرت کی داستانیں سارے ہندوستان میں مشہور تھیں۔ یہ واحد فرماں روا تھا جو انگریز کی مکاریوں سے آشنا اور ان کے دام سے گریزاں تھا۔ جب ویلزلی ۱۷۹۸ء میں گورنر جنرل بن کر ہند میں

دار د ہوئے تو انھوں نے آتے ہی ٹیپو کے استیصال کے لیے زبردست جنگی تیاری شروع کر دی۔ ٹیپو صاحب بہادر کے ارادوں سے بے خبر تھا۔ چنانچہ ایک روز اچانک اس پر حملہ بول دیا۔ ٹیپو نہایت بے جگری سے لڑا لیکن کہاں تک آخر مدافعت میں شہید ہو گیا۔ انگریز کے نوشیروانی انصاف نے اس خاندان کو سیادت سے محروم کرنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ سہولت کار کے لیے ریاست کے کچھ اضلاع نظام پر فروخت کر ڈالے بندرگاہیں خود سنبھال لیں اور شہید ٹیپو کے پنجسالہ بچے کو وارثِ سلطنت قرار دے دیا لیکن پبلک کے اصرار پر ریاست کا نظم و نسق اپنے دستِ انصاف پسند ہی میں رکھا۔

- ۱۵۔ چونکہ تمام کالے لوگ جرائم پیشہ ہوتے ہیں اس لیے لارڈ ویلزلی نے ۱۲ مئی ۱۷۹۹ء کو کرناٹک کے نواب کو اس کے جرائم سے آگاہ کیا اور پھر اس کی ریاست پر قبضہ کر لیا۔ پانچ ماہ پیشتر اسی بنا پر وہ سورت کے نواب کو معزول اور اس کی ریاست پر قبضہ کر چکے تھے۔
- ۱۶۔ ۷ اگست ۱۸۰۳ء کو قلعہ احمد نگر اور ۲۹ اگست کو علی گڑھ پر قبضہ کر لیا۔
- ۱۷۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۰۴ء کو کمپنی کی افواج دہلی میں داخل ہو گئیں۔
- ۱۸۔ یکم اگست ۱۸۲۳ء کو برما کے خلاف اعلانِ جنگ اور ۱۵ مارچ ۱۸۲۴ء کو رنگون پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستانی سپاہی مذہباً بحری سفر کے قائل نہ تھے جب برما کی جنگ میں ایک ہندوستانی کمپنی کو برما جانے کا حکم ملا اور اس کمپنی نے مذہبی رکاوٹ کا ذکر کیا تو صاحب بہادر نے ساری کمپنی کو فوراً

گولی مار دی۔

۱۹۔ اس تمام دوران میں سکھ انگریزوں کے ساتھ رہے اور انگریز موقع بے موقع خالصہ دربار کی شان میں قصائد مدحیہ بھی پڑھتے رہے لیکن جب وہ باقی ریاستوں اور دربار دہلی کا قضیہ نپٹا چکے تو پنجاب کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ سکھوں پر پہلا حملہ ۱۸۰۸ء میں کیا لیکن "قیام امن" کے لیے جھٹ صلح کر لی اور ستلج پار کی تمام سکھ ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۳ء میں سارا پنجاب انگریز کے قبضے میں چلا گیا اور سر جان لارنس پنجاب کا پہلا گورنر مقرر ہوا۔

۲۰۔ ہندوستان سے فارغ ہونے کے بعد افغانستان کی باری آئی۔ انگریز کو خطرہ تھا کہ کہیں ان کہساروں سے پھر کوئی غزنوی، غوری، یا ابدالی نہ اٹھ پڑے چنانچہ انہوں نے انیسویں صدی کے آغاز میں سر میلکم کو سفیر ایران بنا کر بھیجا۔ بایں ہدایات کہ وہ ایران و کابل کو لڑانے کی انتہائی کوشش کرے۔ یہ دونوں ممالک تو آپس میں نہ لڑے لیکن وہ افغانستان کے شاہی خاندان میں رقابت کی آگ بھڑکانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس آگ کو مزید ہوا دینے کے لیے ۱۸۰۹ء میں الفنسٹن کو سفیر کابل بنا کر روانہ کیا گیا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے یہاں تک کہ ۱۸۳۷ء میں انگریز نے افغانستان پر حملہ کر کے اپنے ایک پٹھو یعنی معزول شجاع کو تخت پر بٹھا دیا۔ نظم و نسق پر خود قبضہ کر لیا اور انگریزی افواج غزنی، قندھار، جلال آباد اور کابل میں متعین کر دیں۔ اس حملے میں انگریزوں نے حسب معمول کابل کے بازار جلا ڈالے۔ نہتوں پر بے دریغ تلوار چلائی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہی حرم کی

آبرو ریزی کی۔ اس پر غیور افغانیوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے موقعہ پاکر انگریزی امیر الافواج مسٹر میلکناٹن اور سولہ ہزار گورہ سپاہیوں کو قتل کر دیا اور صرف ایک گورہ یہ کہانی سنانے کے لیے پشاور میں زندہ واپس آیا۔ ۱۸۴۲ء میں انگریز پھر کابل پہ چڑھ دوڑے پھر بازار جلائے اور اس مہم کا تمام خرچ "نوابانِ سندھ" سے زبردستی وصول کیا۔

- ۲۱۔ ۱۸۴۱ء میں انگریزوں کی توجہ سندھ کی طرف مبذول ہوئی۔ مسلسل حملوں کے بعد سارا صوبہ زیر نگیں کر لیا۔ نوابوں کو جلاوطن کر دیا اور بعض حرم سراؤں میں گھس کر بیگمات سے نہ صرف زیور چھین لیے بلکہ ان کے بدن سے کپڑے بھی نوچ لیے اور انہیں برہنہ کر کے بے حد رسوا کیا۔
- ۲۲۔ سید طفیل احمد منگلوری اپنی تصنیف "مسلمانوں کا روشن مستقبل" میں بیان کرتے ہیں کہ آغاز میں انگریز ہندوستانی بیچے چرا کر ادھر ادھر بیچ آتے تھے ۱۶۶۳ء میں صرف ایک انگریز نے دو ہزار بچے بیچے۔ یہ لوگ تاجر تھے اور تجارت کے لیے نہایت الٹے طریقے استعمال کرتے تھے۔ یعنی جب خام اجناس کے ذخائر منڈی میں آتے تھے تو حکم ہوتا تھا کہ دیسی سوداگر اس وقت تک منڈیوں میں قدم نہ رکھیں۔ جب تک کمپنی کے سودے ختم نہ ہو لیں۔ نیز جب تک کمپنی کی اجناس بک نہ جائیں۔ تمام دیگر دکاندار اپنی دکانیں بند رکھیں۔

اس طریقے سے کمپنی روپے کی چیز پیسے میں خریدتی اور دس روپے پہ فروخت کرتی تھی۔

کمپنی کا یہ قاعدہ تھا کہ جس ریاست میں نواب یا راجہ کے مرنے کے بعد جائز وارث (بیٹیا) موجود نہ ہوتا اس پر خود قبضہ کر لیتی۔ اس طرح کمپنی نے تھوڑے سے عرصے میں پندرہ ریاستیں ہتھیا لیں۔ ان ریاستوں کے ورثا مر کیسے گئے۔ ہنوز ایک راز ہے۔

۲۳۔ انگریز کا کام صرف قتل عام اور ڈکیتی ہی نہ تھا بلکہ وہ تبلیغ عیسائیت پر بھی پوری توجہ صرف کر رہا تھا۔ کمپنی کے ایک ڈائرکٹر مسٹر چارلس گرانٹ نے ۱۷۹۳ء میں ایک کتاب لکھی جس میں کھلم کھلا اقرار کیا کہ لوگوں کو تعلیم دینے سے ہمارا مقصد تبلیغ عیسائیت ہے۔

۱۸۴۶ء میں مدراس کے گورنر اور ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے کمپنی کو لکھا کہ سکولوں میں انجیل پڑھائی جائے۔

جن مقامات پر عیسائی سکول موجود تھے وہاں کوئی اور سکول کھولنے کی اجازت نہ تھی۔

سر چارلس ٹریولین آئی سی ایس نے ۲۸ جنوری ۱۸۵۳ء کو دارالامرا کے سامنے ہندوستان کے واقعات بیان کرتے ہوئے فخر سے کہا۔

"ہماری پالیسی کے نتائج یہ ہیں کہ گورنمنٹ
درسگاہوں سے بھی اتنے ہی عیسائی پیدا ہوئے
جتنے مشنری درسگاہوں سے۔"

۲۴۔ سندھ کے انگریز ہائی کمشنر نے ۱۸۶۹ء میں اعلان کیا کہ سرکاری ملازمتوں میں جہاں دیسیوں کو بھرتی کرنے کی ضرورت پیش رہے وہاں صرف ہندوؤں

کو مقرر کیا جائے۔

٭ ۲۵۔ صوبہ پنجاب کے ڈائرکٹر مسٹر رنیلڈ نے اپنی رپورٹ برائے سال ۵۷-۱۸۵۶ء میں لکھا کہ پنجاب کے دیہاتی مدارس میں مدرس عموماً مسلمان ہیں اس رجحان کو فوراً روکنے کی ضرورت ہے اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۰ء کی فہرست اساتذہ میں کسی مسلمان ٹیچر کا نام تک موجود نہیں تھا۔

٭ ۲۶۔ بنگال کے ایک انگریز آئی سی ایس مسٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں ایک باب بایں عنوان باندھتے ہیں۔

باب چہارم

انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں سے ناانصافیاں

٭ یہ باب بے انصافیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ مثلاً مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ۔

ہم نے ان پر باعزت زندگی کا دروازہ بند کر دیا ....

ہم نے قاضیوں کی برطرفی سے ہزارہا خاندانوں کو مبتلائے آفات کر دیا... ہم نے مسلمانوں سے مذہبی فرائض پورے کرنے کے ذرائع چھین لیے .... ہم نے ان کے مذہبی اوقاف میں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ان کے سب سے بڑے تعلیمی سرمائے کا غلط استعمال کیا .... ہم نے بنگال میں قدم رکھا تو مسلمانوں کے ملازموں کی حیثیت سے لیکن اپنی فتح و نصرت کے وقت ان کی مطلق پروا نہیں کی .... بلکہ اپنے سابق آقاؤں کو پاؤں تلے روندا۔ (صفحہ ۱۲۔۲۱۳)

آگے لکھتے ہیں:

"جو لوگ کل تک اس ملک کے حکمران تھے، آج نانِ جویں کے روکھے سوکھے ٹکڑوں کو بھی ترس رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہ وہ قوم ہے جسے برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔" (۲۱۷ - ۲۱۸)

ہر ضلع میں کسی نہ کسی شہزادہ کی اولاد بے بام محلّات اور پُر از خار تالابوں کے درمیان ۔۔۔۔ خونِ جگر پیتی نظر آتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ غلیظ بوآمود اور ٹپکتے ہوئے مکانوں میں اداس زندگیاں بسر کر رہے ہیں اور روز بروز قرض کے تباہ کن گڑھوں میں گرتے چلے جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ ان کے زنگار رنگ مچھلیوں والے تالاب گندے اور سڑے جوہڑوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ بارہ دریوں کی جگہ اب اینٹوں کا ملبہ ہے ــــــ وہ بدنصیب خواتین جو کبھی رانیاں کہلاتی تھیں۔ ــــــ ان کے زنان خانوں پر چھت تک باقی نہیں۔ ــــــ ناگر خاندان کی عظمتوں کی یادگار صرف ایک نہر سی باقی ہے جو باغوں اور محلّوں کی جگہ دلدلوں کے بیچ میں سے گزرتی تھی۔

(۲۲۲ - ۲۲۴)

۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست میں مسلمانوں سے زمینیں چھین کر اُن ہندوؤں کو دے دی گئیں جو مسلمانوں کی طرف سے مالیہ وصول کرنے پر متعین تھے اور اس طرح لاکھوں گھرانوں کو حصول رزق کے تمام ذرائع سے محروم کر دیا۔ (۲۳۲)

انگریزی حکومت سے پہلے فوج، مالداری اور دیوانی ملازمتوں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا جن سے انہیں ایک ایک کر کے نکال دیا گیا۔

"جتنے ہندوستانی سول سروس میں داخل ہونے یا ہائی کورٹ کے جج بنتے ہیں ان میں ایک بھی مسلمان نہیں ۔"
(صفحہ ۲۲۷)

"اب جیل خانے کی ایک دو غیر اہم اسامیوں کے بغیر ہندوستان کے یہ سابق فاتح اور کسی ملازمت کی امید نہیں رکھ سکتے ۔"

۱۸۷۱ء میں بنگال کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب کیا تھا جدول ذیل ملاحظہ ہو۔

	آسامی	مسلم	غیر مسلم
۱	اکونٹس سول سروس	x	۲۶۰
۲	دیوانی افسر	-	۴۷
۳	ای اے سی	-	۳۳
۴	ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ	۳۰	۱۹۶
۵	سب جج	۸	۳۹
۶	منصف	۲۷	۱۸۹
۷	پولیس افسر	x	۱۰۹
۸	انجینئر	-	۱۷۳
۹	پی ڈبلیو ڈی اکونٹس	-	۷۶
۱۰	ڈاکٹر	۴	۱۵۴
۱۱	محکمہ تعلیم، سروے اور کسٹم آفیسرز	x	۲۱۴
	میزان	۶۹	۱۶۱۰

(صفحہ ۲۲۲)

"۱۸۵۱ء سے پہلے پیشہ وکالت پر مسلمان قابض تھے۔ رفتہ رفتہ انگریز نے یہ حالت کردی کہ ۱۸۵۱ء میں جب لاء کالج کا داخلہ شروع ہوا تو کالج میں دو سو انتالیس ہندو اور صرف ایک مسلمان داخل کیا گیا۔" (ص ۲۴۷)

کہاں تک سناؤں یہ ایک نہایت دردناک اور طویل کہانی ہے چونکہ انگریز نے ہندوستان کی سلطنت مسلمان سے چھینی تھی اس لیے اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ مسلمانوں کو بھوکا مار کر ذلیل و رسوا کردیا جائے۔ تاکہ ان میں تختِ ہند واپس لینے کا جذبہ تک باقی نہ رہے اور سب بہرے، قلی اور خانساماں بن کر آزادی و حریت کے جذباتِ عالیہ سے یکسر خالی ہو جائیں۔ انگریز کے یہی وہ اقدامات تھے جن کا نتیجہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس انقلاب میں ہندو مسلم سب نے یکساں حصہ لیا تھا۔

مجھے جناب مرزا صاحب کے دعوائے نبوت سے اختلاف سہی لیکن ان کے بہت سے مسائل سے متفق ہوں۔ مثلاً ان کی اخلاقی تعلیم و تبلیغ از بس مؤثر و پاکیزہ ہے وہ تمام اقوام کے انبیا پہ ایمان رکھتے ہیں۔ وہ ضعیف احادیث کے رطب و یابس سے دامن بچا کر چلتے ہیں۔ وہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی اجتہاد کے قائل ہیں۔ وہ مظاہرِ کائنات میں غور و فکر کا درس دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ انگریز کے مکر و فن سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس قوم کو چودھویں صدی کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے تھے۔

جب حکومت نے ایکٹ نمبر ۱۳ مجریہ ۱۸۸۹ء کے رو سے بڑے بڑے شہروں اور چھاؤنیوں میں گورے سپاہیوں کی خاطر طوائف خانے قائم کیے۔ تو جناب مرزا صاحب نے اس بد اخلاقی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھا۔

"آخر یہ قبول کیا گیا کہ گوروں کا بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق ہو۔ کاش اگر اس کی جگہ مُتعہ ہوتا۔ تو لاکھوں بندگانِ خدا زنا سے بچ جاتے۔"

(آریہ دھرم صفحہ ۶۹)

نیز مشورہ دیا:۔

"کمانڈر انچیف افواجِ ہند کو یہ بھی انتظام کرنا چاہیے کہ بجائے ہندوستانی عورتوں کے یورپین عورتیں ملازم رکھی جائیں۔ ——— مخالفین کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ ہندوستان کی غریب عورتوں کو دلاّلہ عورتوں کے ذریعہ سے اس فحش ملازمت کی ترغیب دی جاتی ہے۔" (آریہ دھرم صفحہ ۷۱)

اللہ کا ایک "رسول" ان اقدامات کو کیسے پسند کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے انگریزی اخلاق کی تصویر ان الفاظ میں پیش فرمائی۔

غیر قوموں کی تقلید نہ کرو۔ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے۔ انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور کتے مُردار کھاتے ہیں انہوں نے مُردار پر دانت مارے وہ خدا سے بہت دور جا پڑے۔ انسانوں (حضرت مسیح وغیرہ) کی پرستش کی خنزیر کھایا اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا۔

(کشتیٔ نوح صفحہ ۷۰)

یہی نہیں۔ بلکہ انہیں دجّال اور یاجوج ماجوج قرار دیتے ہوئے قوم کو ان کے فتنے سے خبردار کیا۔

سو بہت ہی خوب ہوا کہ عیسائیوں کا خدا فوت ہو گیا اور یہ حملہ ایک برچھی کے حملے سے کم نہیں جو اس عاجز نے خدا کی طرف سے مسیح بن مریم کے رنگ میں ہو کر ان دجال سیرت لوگوں پر کیا ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۸۷)

مسیح بن مریم نے خدائی کا دعوےٰ ہرگز نہیں کیا یہ لوگ (عیسائی) خود اس کی طرف سے وکیل بن کر خدائی کا دعوےٰ کر رہے ہیں اور اس دعوےٰ کو سرسبز کرنے کے لیے کیا کچھ انہوں نے تحریفیں نہیں کیں۔ اور کیا کچھ تلبیس کے کام استعمال میں نہیں لائے اور مکہ مدینہ چھوڑ کر اور کون سی جگہ ہے جہاں یہ لوگ نہیں پہنچے (حدیث میں وارد ہے کہ دجال مکہ مدینہ میں داخل نہیں ہو گا...... برق) کیا کوئی دھوکہ دینے کا کام۔ یا گمراہ کرنے کا منصوبہ یا بہکانے کا کوئی طریقہ ایسا بھی ہے جو ان سے ظہور میں نہیں آیا۔ (بالکل درست۔ برق) کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ اپنے دجالانہ منصوبوں کی وجہ سے ایک عالم پر دائرہ کی طرح محیط ہو گئے۔ (ازالہ ص ۴۱۹)

"اور جس قدر اسلام کو ان لوگوں (عیسائیوں) کے ہاتھ سے ضرر پہنچا ہے اور جس قدر انہوں نے انصاف اور سچائی کا خون کیا ہے ان تمام خرابیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔" (ازالہ ص ۴۹۱)

"اللہ اکبر اگر اب بھی ہماری قوم کی نظر میں یہ لوگ اوّل درجہ کے دجال نہیں اور ان کے الزام کے لیے ایک سچے مسیح کی ضرورت نہیں تو اس قوم کا کیا حال ہو گا۔"

(ازالہ ص ۴۹۲)

دجّال میں دین عقل نہیں ہوگی اور ...... دنیا کی عقل اس میں تیز ہوگی۔ اور ایسی حکمتیں (ریل۔ موٹر۔ طیارہ۔ ریڈیو وغیرہ) ایجاد کرے گا۔ اور ایسے عجیب کام دکھائے گا کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔

(ازالہ ص ۵۰۱)

" دجّال اس گروہ کو کہتے ہیں جو کذاب ہو اور زمین کو نجس کرے اور حق کے ساتھ باطل کو ملا دے۔ سو یہ صفت حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں کمال درجے پر تھی۔ پھر نصاریٰ نے ان سے لے لی۔ سو مسیح ایسی دجّالی صفت کے معدوم کرنے کے لیے آسمانی حربہ لے کر اترا ہے۔"

(ازالہ ص ۶۹۴)

" مدت ہوئی کہ گروہِ دجّال ظاہر ہوگیا ہے .... اور اس کا گدھا (ریل) جو درحقیقت اس کا بنایا ہوا ہے۔ مشرق و مغرب کا سیر کر رہا ہے ......
احادیث صحیحہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ وہ گدھا دجّال کا اپنا ہی بنایا ہوا ہو گا پھر اگر وہ ریل نہیں تو اور کیا ہے۔"

(ازالہ ص ۶۸۵)

دجّال کے ساتھ بعض اسباب تنعّم و آسائش جنت کی طرح ہوں گے۔ اور بعض اسباب محنت و بلا آگ یعنی دوزخ کی طرح ہوں گے۔ (بخاری۔ مسلم)
جس قدر عیسائی قوم نے تنعّم کے اسباب نئے سے نئے ایجاد کیے ہیں اور جو دوسرے

راہبوں سے محنت۔ بلا فقر اور فاقہ بھی ان کے بعض انتظامات کی وجہ سے دیس کے لوگوں کو پکڑ اجاتا ہے۔ اگر یہ دونوں حالتیں بہشت اور دوزخ کے نمونے نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟ (ازالہ صفحہ ۲۸)

ان دس علامتوں میں سے ایک بھاری علامت دجال معہود کی یہ لکھی ہے کہ اس کا فتنہ تمام ان فتنوں سے بڑھ کر ہوگا جو بانی دین کے مٹانے کے لیے ابتدا سے لوگ کرتے آئے ہیں۔۔۔۔۔۔ ہمارے نبی صلعم نے کھلے کھلے طور پر ریل گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چونکہ یہ عیسائی قوم کا ایجاد ہے جن کا امام اور مقتدے یہی دجالی گروہ (پادری) ہے (ازالہ صفحہ ۴۱)

"اور اس زمانہ (ظہور مسیح موعود) صلیبی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا اور صلیبی مذاہب کی حکومت اور سلطنت تقریباً تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔"

(شہادة القرآن صفحہ ۱)

یہی قوم (عیسائی) وہ آخری قوم ہے جس کے ہاتھ سے طرح طرح کے فتنوں کا پھیلنا مقدر تھا۔ جس نے دنیا میں طرح طرح کے ساحرانہ کام دکھائے اور جیسا کہ لکھا ہے کہ دجال نبوت کا دعوے کرے گا۔ نیز خدائی کا دعوے بھی اس سے ظہور میں آئے گا یہ دونوں باتیں اس قوم سے ظہور میں آگئیں۔ نبوت کا دعوے اس طرح پر کہ اس قوم کے پادریوں نے بڑی گستاخی سے نبیوں کی کتابوں میں دخل بے جا کیا اور ایسی بے باکانہ مداخلت کی گویا وہ آپ ہی نبی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور خدائی کا اس طرح پہ دعوے کیا کہ خدائی کاموں میں حد سے زیادہ دخل دیا اور چاہا کہ زمین و آسمان

میں کوئی بھی ایسا بھید نہ رہے جو وہ اس کی تہ تک نہ پہنچ جائیں اور ارادہ کیا کہ خدا تعالیٰ کے کاموں کو اپنی مٹھی میں لے لیں اور ایسے طور سے خدائی کی کل اُن کے ہاتھ میں آجائے کہ اگر ممکن ہو تو سورج کا غروب اور طلوع ....اور بارش کا ہونا نہ ہونا بھی ان کے ہاتھ میں آجائے۔" (شہادۃ القرآن ص۲۱)

" اس قوم کے علماء حکماء نے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کیے جس کی نظیر حضرت آدمؑ سے لے کر تا ایں دم پائی نہیں جاتی ....یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ وہ (دجّال) قوم ارضی علوم میں کہاں تک ترقی کرے گی۔"

(شہادۃ القرآن ص۲۲)

"گروہِ دجّال شر الناس ہے۔"

(تحفۂ گولڑویہ ص۳۴)

"فتنۂ نصاریٰ ایک سیل عظیم ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔"

(تحفۂ گولڑویہ ص۱۱۸)

یہ حدیث (دجّال والی) ایک ایسی قوم کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنے افعال سے دکھلادیں کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور خدائی کا بھی۔ نبوت کا دعویٰ اس طرح پر کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف ....کریں گے ....اب خدائی دعویٰ کی بھی تشریح سنیئے۔ اور وہ یوں ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ایجاد اور صنعت اور خدائی کے کاموں کی کنہ معلوم کرنے میں ....اس قدر حریص ہوں گے کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہے

ہوں۔ (تحفہ گولڑویہ صہ ۱۳۹)

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس عیسائی قوم میں سخت بدذات اور شریر پیدا ہوتے ہیں۔ اور بھیڑوں کے لباس میں اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں اور اصل میں شریر بھیڑیے ہوتے ہیں اور ایسی بدذاتی سے بھرے ہوئے جھوٹ بولتے ہیں اور افترا کرتے ہیں جن کی کچھ اصلیت نہیں ہوتی۔" (انجام آتھم صہ ۹-۱۰)

دجّال بہت گزرے ہیں اور شاید آگے بھی ہوں مگر وہ دجّالِ اکبر جن کا دجل خدا کے نزدیک ایسا مکروہ ہے کہ قریب ہے جو اس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں یہی گروہ منّت خاک (مسیحؑ) کو خدا بنانے والا ہے۔

(انجام آتھم صہ ۴۶)

" اور اس آیت میں کہ ھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ ان کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے کہ تمام زمین پر ان کا غلبہ ہوجائے گا .... بائیبل سے یقینی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یاجوج ماجوج کا فتنہ بھی دراصل عیسائیت کا فتنہ ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۶۴)

ان اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ دجّال سے مراد عیسائی ہیں گو بعض مقامات پر مرزا صاحب نے صرف پادریوں کو محض اس بنا پر دجّال قرار دیا ہے کہ وہ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اگر ان کی تمام تحریروں کو سامنے رکھا جائے تو اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں رہتا کہ آپ تمام عیسائیوں کو دجّال سمجھتے ہیں۔

آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ انگریز ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے میں کس قدر کوشاں تھے۔ پادریوں کو تنخواہ سرکاری خزانے سے ملتی تھی ظہور پاکستان سے پہلے کے سرکاری گزٹ دیکھئے۔ وہاں آپ کو مجسٹریٹوں کی طرح پادریوں کی تبدیلیاں اور تقرریاں بھی ملیں گی۔ شاہِ انگلستان جب تاجپوشی کے وقت حلف اٹھاتا ہے تو وہ یوں شروع کرتا ہے۔

"میں شاہِ انگلستان۔ شہنشاہ ہند۔ آسٹریلیا وغیرہ ومحافظِ دین مسیحی......... قسم کھاتا ہوں"

انگریز گورنروں نے ہر زمانے میں نہ صرف تبلیغ عیسائیت کے لیے آسانیاں فراہم کیں۔ بلکہ دعوائے غیر جانبداری کے باوجود عیسائیت کی ہر طرح سے سرپرستی کی مسیحیت قبول کرنے والوں کو مختلف اعزازات سے نوازا۔ انہیں نوکریاں۔ زمینیں اور کرسیاں عطا کیں اور باقیوں کو استحقاق کے باوجود بارہا نظر انداز کر دیا۔

اس حقیقت سے ہر شخص آگاہ ہے کہ جس تبلیغ کے پیچھے شاہی جلال نہ ہو وہ تبلیغ بہت کم کامیاب ہوتی ہے۔ آدھا کام مشنری کرتے ہیں اور آدھا حکومت یہی وجہ ہے کہ جناب مرزا صاحب نے دجّال کے دعوائے نبوت میں پادریوں کو اور دعوائے خدائی میں ان کے فرماں رواؤں کو شامل کر کے دجّال کو مکمل کر دیا ہے۔ دجّال مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کارپردازانِ سلطنت کو دجّال کا اہم جزو نہ سمجھا جائے اور خصوصاً ایسے کارپرداز جن کا مقصد توسیع سلطنت کے ساتھ ساتھ توسیع عیسائیت بھی تھا۔

اس سلسلے میں خود مرزا صاحب ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

ہمارے ملک کے نواب لفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر بٹالہ ضلع گورداسپور میں تشریف لائے تو انہوں نے گرجا کی بنیاد رکھتے وقت ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ عیسائی مذہب سے اپنی ہمدردی ظاہر کر کے فرمایا مجھ کو امید تھی کہ چند روز میں یہ ملک دینداری اور راست بازی میں بخوبی ترقی پائے گا لیکن تجربہ اور مشاہدہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی کم ترقی ہوئی ۔ یعنی ابھی لوگ بکثرت عیسائی نہیں ہوئے اور پاک گروہ کم سچنوں کا ہنوز قلیل المقدار ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک مہینہ سے کم گزرا ہوگا کہ ایک معزز رئیس میرے (گورنر) پاس آیا اور مجھ سے ایک گھنٹہ تک گفتگو کی میں نے اس کو اس لہو کی بابت سمجھایا جو سارے گناہوں سے پاک وصاف کرتا ہے اور اس راست بازی کی بابت سمجھایا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جو مفت ملتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بمبئی کے سابق گورنر سر رچرڈ ٹمپل نے مسلمانوں کی بابت ایک مضمون لکھا ہے جو ولایت کے ایک اخبار ایوننگ سٹینڈرڈ میں چھپ کر اردو اخباروں میں بھی شائع ہو گیا ہے ۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں ۔

" افسوس ہے کہ مسلمان لوگ عیسائی نہیں ہوتے اور وجہ یہ کہ ان کا مذہب ان ناممکن باتوں سے لبریز نہیں جن میں ہندو مذہب ڈوبا ہوا ہے ۔"

(اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ صفحہ ج)

تو یہ تھا اس دجّال اکبر کا وہ فتنۂ عظیمہ جس کے استیصال کے لیے "مسیح موعود" مبعوث ہوئے۔

> مسیح دنیا میں آکر صلیبی مذہب کی شان وشوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا۔ اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے شرمی اور خوکوں کی بے حیائی ونجاست غوری ہے۔ ان پر دلائلِ قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کرے گا۔
>
> (ازالہ ج اوّل طبع دوم حاشیہ صـــ ۳۴)

"مسیح کا خاص کام کسرِ صلیب اور قتلِ دجّال اکبر ہے۔"

(انجام آتھم صـــ ۴۷)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب نے اس دجّال اکبر کو جس کا فتنہ کائنات کا سب سے بڑا فتنہ تھا۔ جس نے گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے ہندوستان میں لوٹ مار۔ دھوکہ فریب۔ بدعہدی۔ سازش۔ عیاشی اور فتنہ کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ جس نے مسلمانوں کی سلطنت چھین کر ان سے رزق کے تمام وسائل بھی چھین لیے تھے جس نے درباروں اور دفتروں سے مسلمانوں کو بیک بینی و دو گوش باہر نکال دیا تھا۔ جس نے لاکھوں ہندوستانیوں کو عیسائیت کی گود میں دھکیل دیا تھا۔ جس نے ہمارے بلبیوں حرم خانوں میں داخل ہو کر بیگمات کے کپڑے تک نوچ لیے تھے اور جس میں "خنزیروں کی بے شرمی اور خوکوں کی نجاست و بے حیائی" پائی جاتی تھی۔ کس طرح قتل کیا۔

۱۸۵۷ئہ کے انقلاب (یا غدر دہلی) کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ان لوگوں (مسلمانوں) نے چوروں۔ قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔"

(حاشیہ ازالۂ اوہام صہ ۲۴)

سمجھ میں نہیں آیا کہ اگر کوئی گروہ دجّال اکبر کے خلاف لوائے انقلاب بلند کرتا ہے تو "مسیح موعود" جن کا کام ہی قتلِ دجّال ہے اسے حرامی چور اور قزاق کیوں کہتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب ۱۸۹۱ئہ میں ہمارا دجّال روس سے ایک جنگ میں الجھنے لگا۔ تو مسیح موعود نے مسلمانوں سے یہ کیوں اپیل کی۔ کہ

"ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیے کہ اس وقت انگریزوں کی فتح ہو کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔"

(ازالہ صہ ۵۰۹)

دجّال اور مسیح موعود کا محسن۔ کیا مطلب؟

"میرے رگ و ریشہ میں شکر گذاری اس معزز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے۔"

(شہادۃ القرآن۔ گورنمنٹ کی توجہ کے لائق صہ ۱)

انگریز ایک ایسی قوم ہے جن کو خدا تعالیٰ دن بدن اقبال اور دولت اور عقل اور دانش کی طرف کھینچنا چاہتا ہے اور وجہ سچائی۔ راست بازی اور انصاف میں ترقی کرتے جاتے ہیں . . . .

. . . . سو ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس گورنمنٹ کو ہر

ہر ایک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن کو ذلت کے ساتھ پسپا کرے ......

...... میں سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے .... اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت سلطنتِ برطانیہ ہے .... سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام۔ خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں (یہ عجیب دجّال ہے جس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہے .... برق)

.... جب ہم ایسے بادشاہ کی صدق دل سے اطاعت کرتے ہیں تو گویا اس وقت عبادت کر رہے ہیں۔

(شہادۃ القرآن۔ گورنمنٹ کی توجہ کے لائق ص ۲ تا ۴)

" گورنمنٹ انگلشیہ (یعنی دجّال) خدا کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ سلطنت مسلمانوں کے لیے آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔"

(شہادۃ القرآن۔ گورنمنٹ کی توجہ کے لائق ص ۱۲)

" ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی میں فدا ہے اور ہوگا اور ہم غائبانہ اس کے اقبال کے لیے دُعا گو ہیں۔"

(آریہ دھرم ص ۸۱)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دجّال کے "علماء حکماء نے وہ فتنے ظاہر کیے جن کی نظیر حضرت آدم سے لے کر تا ایندم نہیں پائی جاتی" اور اب یہ بھی ملاحظہ ہو۔

"یہ گورنمنٹ کس قدر دانا اور دُور اندیش اور اپنے تمام کاموں میں با احتیاط ہے اور کیسی کیسی عُمدہ تدابیر رفاہِ عامہ کے لیے اس کے ہاتھ سے نکلتی ہیں اور کیسے کیسے حکما اور فلاسفر یورپ میں اس کے زیرِ سایہ رہتے ہیں۔"

(آریہ دھرم ص ۶۹)

احادیث میں مذکور ہے کہ آنے والے مہدی کے پاس تلوار ہو گی اس تلوار کی تشریح جناب مرزا صاحب یوں فرماتے ہیں۔

"مطلب یہ ہے کہ اگر (لوگوں کو) گورنمنٹ برطانیہ کی تلوار سے خوف نہ ہوتا تو (وہ لوگ) اس (مسیح موعود) کو قتل کر ڈالتے۔"

(نشانِ آسمانی ص ۱۹)

یعنی بجائے اس کے کہ مسیح موعود دجّال کو قتل فرماتے اُلٹا اس کی تلوار کو اپنا محافظ سمجھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اگر دجّال کی تلوار نہ ہوتی تو مولوی لوگ آپ کو قتل کر ڈالتے۔ اس کی مزید تشریح اس وحی میں ملاحظہ ہو۔

"(اے مسیح موعود) آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ (یعنی دستِ شفقت) تھا۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۴۵)

اس حقیقت سے کون آگاہ نہیں کہ محکومی دنیا کی سب سے بڑی ذلت ہے اور یہ ذلت کسی قوم کی سالہا سال کی بدکاری کی سزا ہوتی ہے قرآن میں بار بار درج ہے کہ اللہ کے بندے ہمیشہ زمین کے وارث اور فرماں روا رہے ہیں اور دوسری طرف بدکار و سیہ کار لوگ ذلیل و محکوم۔

"ہمیشہ کی محکومی جیسی کوئی ذلت نہیں اور دائمی ذلت کے ساتھ دائمی عذاب لازم پڑا ہوا ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ صہ ۱۰۶)

دنیا میں ہر رسول اپنے پیروؤں کو زمینی بادشاہت اور اخروی جنت کی بشارت سنانے آتا ہے یہ آج تک نہیں ہوا کہ کسی رسول نے آزادی پہ غلامی کو ترجیح دی ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو نمرود کی غلامی کی کہیں تعلیم نہیں دی تھی۔ حضرت موسیٰ کی ساری زندگی فرعون کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی تھی۔ ہمارے حضور علیہ السلام بارہ چھوٹی بڑی جنگوں میں بنفس نفیس شامل ہوئے تھے اور آپ کے صحابہ نے قیصر و کسریٰ کے ایوان استبداد کو بنیادوں تک کھود ڈالا تھا خود جناب مرزا صاحب کو بھی مسلمانوں کی محکومی کا بے حد رنج تھا خطبہ الہامیہ میں انگریزی کی دراز دستیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَلاَ تَرَوْنَ فِتَنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ
وَقَدْ جُعِلْتُمْ تَحْتَ اَقْدَامِھِمْ نَکَالاً مِنَ اللّٰہِ ثُمَّ اَنْتُمْ
لَا تَرْجِعُوْنَ ۝

(خطبہ الہامیہ صہ ۷۹-۸۰)

(کیا تم ان انگریزوں کا فتنہ نہیں دیکھتے جو ہر رستے سے

بھاگے آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے داب لیا

ہے یہ غلامی کتنا بڑا عذاب ہے۔ تم کیوں اللہ کی طرف واپس نہیں آتے)

پھر پڑھیے "ان لوگوں نے تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے داب لیا ہے یہ غلامی کتنا

بڑا عذاب ہے۔" اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھئے۔

"ہم پر اور ہماری ذریت پر فرض ہو گیا کہ اس مبارک

گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکر گذار رہیں۔"

(ازالہ طبع دوم حاشیہ ص۵۶)

اگر مسلمان ہمیشہ اس فرض کو پورا کرتے رہیں تو پھر وہ انگریز کے بوٹ

کے نیچے سے کیسے نکلیں گے اور وہ غلامی کا عذاب کیسے ٹلے گا۔

تاریخ کا ادنیٰ سا طالب العلم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ انگریز نے ہندوستان

میں آکر ہم سے سولہ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی سلطنت چھینی۔ اس کے بعد ہم سے

زمینیں لیں پھر تمام سرکاری ملازمتوں اور درسگاہوں کے دروازے ہم پر بند کئے

ہمارے ہزارہا قضاۃ کو معزول کر کے شرعی فیصلوں سے ہمیں محروم کیا۔ خود مرزا

صاحب کی تصریح کے مطابق یہاں زناخانے کھولے۔ جگہ جگہ شراب خانے جاری کئے

ہر طرف خنزیروں کی بے حیائی اور سؤروں کی بے شرمی و نجاست خوری کا منظر پیش کیا

اور تعجب یہ کہ اللہ کا ایک رسول اس صورتِ حال پر نہ صرف اظہار اطمینان کرتا ہے

بلکہ اسے اسلام کے احیائے ثانی کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

اسلام کی دوبارہ زندگی انگریزی سلطنت کے امن بخش سائے سے پیدا

ہوئی ہے۔ (تریاق القلوب صفحہ ۲۸)

وہ کس قسم کا اسلام تھا جو ان بے حیا خنزیروں اور نجاست خوروں کے ظلِ عاطفت میں پروان چڑھتا رہا۔

انبیا کی طویل تاریخ میں جناب مرزا صاحب پہلے رسُول ہیں جنہوں نے قوم کو غلامی کا درس دیا۔ اور غلامی بھی دجّال اکبر کی۔ انبیا تو رہے ایک طرف۔ مجھے کسی قوم کا کوئی ایک ادیب۔ فلسفی۔ سیاسی رہنما یا عالم دکھایئے جس نے غلامی پہ ناز کیا ہو میرا یہ دعوےٰ ہے کہ آدم علیہ السّلام سے لے کر اب تک کسی قوم میں ایک بھی ایسا عالم یا ادیب پیدا نہیں ہوا اور نہ اب کرۂ ارض پہ کہیں موجود ہے جو آزادی پہ غلامی کو ترجیح دیتا ہو۔ جو لٹیروں کی سلطنت کو رحمتِ ایزدی سمجھتا ہو اور جو آزادی کے نام تک سے لرزاں ہو۔ کسی انگریز کی ایک تقریر کہیں پڑھی تھی۔ اپنی غیور اور وطن دوست قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

ہم حصولِ شان کسب دولت اور فراہمی اعزازات کے لیے نہیں لڑتے بلکہ صرف قوم و وطن کی آزادی کے لیے لڑتے ہیں اور آزادی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس

سے کوئی شریف انسان اپنی زندگی میں جدا نہیں ہو سکتا۔)
اور دوسری طرف جب میں جناب مرزا صاحب کی کتابوں میں انگریز کی تعریف اور قوم کو سدا غلام رہنے کی تلقین دیکھتا ہوں تو حیرت میں کھو جاتا ہوں۔ کہ وہ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ والا رب یہ کیا کر رہا ہے قرآن میں ہمیں سلطنت و وراثت کا درس دیتا رہا اور پھر ایک رسول بھیج کر غلامی و ذلت کا وعظ شروع کر دیا آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ خدا بدل گیا ہے اس کی سنت بدل گئی ہے یا غلامی کا مفہوم بدل گیا ہے؟

احمدی بھائیو! کیا آپ میں سے کوئی شخص سدا غلام رہنا پسند کرے گا۔ کوئی ایسا ہے جسے اپنے وطن سے محبت نہ ہو۔ کوئی ہے جو اپنے وسائل معاش اپنی ملازمتوں اپنی زمینوں یہاں تک کہ اپنے ضمیروں پہ بھی دوسروں کا قبضہ دیکھنا چاہتا ہو؟ اگر کوئی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ساری کائنات میں تنہا ہے اور اس کا کوئی ہمنوا موجود نہیں۔

جناب مرزا صاحب کی تقریباً ایک چوتھائی تحریرات اطاعت فرنگ کے درس پہ مشتمل ہیں۔ چند اور اقوال ملاحظہ ہوں۔

"میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔" (ضرورۃ الامام ص ۲۳)

"میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ

روم میں۔ نہ شام میں نہ ایران نہ کابل میں۔ مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں۔"

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ششم ص۶۹)

جناب مرزا صاحب نے ملکۂ انگلستان کے جشن جوبلی (جون ۱۸۹۷ء) کے موقع پر قادیان میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا جماعت کو وفاداری کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی "تحفۂ قیصریہ" کے نام سے ایک کتاب ڈپٹی کمشنر کے توسط سے ملکہ کو بھیجی ڈپٹی کمشنر یا ملکہ نے کتاب کی رسید تک نہ بھیجی۔ تو مرزا صاحب نے لکھا:۔

تحفہ قیصریہ حضرت قیصرۂ ہند دام اقبالہا کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہو گا۔ .... مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمہ شاہانہ سے بھی ممنون نہیں کیا گیا......... لہذا اس حسن ظن نے جو میں حضور سے رکھتا ہوں۔ دوبارہ مجھے مجبور کیا کہ اس تحفۂ قیصریہ کی طرف جنابہ ممدوحہ کی توجہ دلاؤں اور شاہانہ منظوری کے چند الفاظ سے خوشی حاصل کروں۔

(ستارۂ قیصریہ ص۲)

تعجب ہے کہ جس فقیر نے اسکندرِ اعظم سے کہا تھا کہ آگے سے ہٹو اور دھوپ آنے دو جس نے ہارون الرشید کو جواب دیا تھا کہ اگر قرآن سیکھنا چاہتے

ع   خیز داند رحلقۂ در سم نشین

جس فقر نے شاہوں کی طرف نگاہ تک اٹھانا توہینِ نگاہ سمجھا تھا آج اس فقر کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آستانِ شاہی پہ تسبیح و نگاہے کی بھیک مانگ رہا ہے جب مذکورہ بالا یاد دہانی کے باوجود سفید فام آقاؤں کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو جبریل آیا اور یہ کہا۔

"قیصرۂ ہند کی طرف سے شکریہ گورنر جنرل کی پیش گوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔" (حمامتہ البشریٰ ج ۲ ص ۵۷)

اس قسم کی تحریرات پر جناب "خلیفۃ المسیح الثانی" نے مندرجہ ذیل تبصرہ فرمایا ہے۔

"مسیح موعود علیہ السلام نے فخریہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں مَیں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ مَیں نے غیروں کو نہیں بلکہ احمدیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہمیں مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آتی ہے۔"

(الفضل ۷۔ جولائی ۱۹۳۲ء)

"اگر ہم دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لیے جائیں تو وہاں بھی برٹش گورنمنٹ ہماری مدد کرتی ہے۔"

(برکاتِ خلافت از میاں محمود احمد صاحب ص ۶۵)

جناب مرزا صاحب نے اپنی جماعت کی مدد کے لیے علماء و عوام کی فہرست تیار کی۔ جو ذہناً حکومت برطانیہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ فہرست حکومت کو بھیج کر لکھا۔

> قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیرخواہی کے لیے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کیے جائیں .... جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب سمجھتے ہیں .... ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ ان نقشوں کو ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی...... ایسے لوگوں کے نام مع پتہ و نام یہ ہیں۔
> (تبلیغ رسالت جلد پنجم ص۱۱)

ذرا یہ واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔

> ایک شخص جو کچھ مدت سے ایک احمدی کے پاس رہتا تھا۔ ملازمت کے لیے ایک برطانوی افسر کے پاس گیا افسر مذکور .... نے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو اس نے جواب دیا کہ فلاں احمدی کے پاس اس پر ذیل مکالمہ ہوا۔

صاحب:۔ کیا تم بھی احمدی ہو؟

امیدوار:۔ نہیں صاحب!

صاحب:۔ افسوس! تم اتنی دیر احمدی کے پاس رہا۔ مگر سچائی کو اختیار نہیں کیا۔ پہلے احمدی ہو۔ پھر فلاں تاریخ کو آؤ۔

(الفضل ۷ جون ۱۹۱۹ء)

انگریز کا یہ رویہ جناب مرزا صاحب کی التجائے ذیل کا نتیجہ تھا۔

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں
سے اول درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں۔ کیونکہ مجھے تین
باتوں نے خیر خواہی میں اول درجہ کا بنا دیا ہے۔ اول:۔ والد
مرحوم کے اثر نے۔ دوم:۔ گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے۔
تیسرے خدا تعالےٰ کے الہام نے .... میں یہ
چاہتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ محسنہ میرے مخالفوں کو نرمی سے ہدایت
کرے کہ اس نظارۂ قدرت (یعنی نشانات نبوت وغیرہ) کے
بعد شرم و حیا سے کام لیں۔ اور تمام مردی بہادری سچائی کے
قبول کرنے میں ہے۔

(ضمیمہ نمبر ۳ تریاق القلوب حضور گورنمنٹ عالیہ
میں ایک عاجزانہ درخواست ص ۳۸۷ ـ ۴۰۱)

جب حکومت کابل نے دو احمدیوں ملا عبدالحلیم چہار آسیائی اور ملا
نور علی کو موت کی سزا دی۔ تو وہاں کی وزارتِ خارجہ نے اعلان ذیل جاری کیا۔

مملکتِ افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے
سازشی خطوط ان کے قبضے میں پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے
کہ یہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔

(اخبار امان و فغانِ کابل ماخوذ از الفضل ۳، مارچ ۱۹۲۵ء)

۱۹۱۴ تا ۱۸ء کی جنگ عظیم میں ترکوں کو متواتر شکستیں ہوئیں۔ اس پر جو کچھ الفضل نے لکھا اور جناب میاں محمود احمد صاحب نے کہا اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

"حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں .... کہ گورنمنٹ برطانیہ میری تلوار ہے پھر ہم احمدیوں کو اس فتح (فتح بغداد) پر کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق عرب ہو یا شام۔ ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں .... دراصل اس کے محرک خدا تعالے کے دو فرشتے تھے۔ جن کو گورنمنٹ کی مدد کے لیے خدا نے اتارا تھا۔" (الفضل ۷، ستمبر ۱۹۱۸ء)

دیکھا آپ نے کہ اللہ تعالےٰ "دجالِ اکبر" کی امداد کے لیے فرشتے بھی اتارتا رہا:

"تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی برابر ترکی علاقے میں گھستے چلے جاتے ہیں .... اللہ تعالیٰ ظالم نہیں اس کا فیصلہ درست اور راست ہے اور ہم اس کے فیصلہ پر رضامند ہیں۔" (الفضل ۱۷، نومبر ۱۹۱۴ء)

۲۷، نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں کی مکمل شکست پر قادیان میں زبردست چراغاں کیا گیا، جشن ہوئے اور

یہ پُر لطف اور مسرت انگیز نظارہ بہت مؤثر اور خوش نما تھا اور اس

سے احمدیہ پبلک کی اس عقیدت پہ خوب روشنی پڑتی ہے جو اسے گورنمنٹ برطانیہ
سے ہے۔ (الفضل ۳ ۔ دسمبر ۱۹۱۸ء)

لیکن جب مصطفےٰ کمال رحمتہ اللہ علیہ کی شمشیر خارا شگاف نے انگریزوں
کو بیک بینی و دو گوش ترکی سے نکال باہر کیا۔ اور تمام دنیائے اسلام نے زبردست
جشن منائے اور اس موقعہ پر کسی احمدی بھائی خلیفۃ المسیح سے دریافت کیا
کہ ترکوں کی فتح کی خوشی میں روشنی وغیرہ کے لیے چندہ دینے کا کیا حکم ہے۔

تو آپ نے فرمایا۔
"روشنی وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔"
(الفضل ۷ ۔ دسمبر ۱۹۲۲ء)

جب خلیفۃ المسیح نے مولوی محمد امین کو روس میں مبلغ بنا کر بھیجا تو وہ
وہاں گرفتار ہو گیا۔ کیوں؟ خود مبلغ کی زبانی سنیئے۔

چونکہ سلسلۂ احمدیہ اور برٹش گورنمنٹ کے باہمی مفاد
ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اس لیے جہاں میں اپنے سلسلے کی تبلیغ
کرتا تھا۔ وہاں لازماً مجھے انگریزی گورنمنٹ کی خدمت گزاری
کرنی پڑتی تھی۔ (الفضل ۲۸ ۔ دسمبر ۱۹۲۳ء)

یہ اقتباسات تو آپ نے پڑھ لیے۔ لیکن وہ بنیادی سوال ہنوز حل طلب
ہے۔ کہ مسیح موعود نے دجّال کو کس طرح قتل کیا؟
ا۔ کیا دجّال کی دنیوی شان و شوکت کم کر دی ہے؟ جواب نفی میں ہے

۲ر کیا دلائل سے پادریوں کو شکست دے کر لوگوں کو عیسائیت سے بد دل کر دیا۔ جواب زبردست نفی میں ہے اس لیے کہ عیسائیت سیلاب کے دھارے کی طرح اس سرزمین میں پھیلتی اور بڑھتی رہی۔

آریہ سماج کی تعداد

جناب مرزا صاحب کے قلم عموماً عیسائیوں آریوں اور اہل حدیث (مولوی ثناء اللہ امرتسری کا غزنوی خاندان) کے خلاف چلتا رہا۔ آیئے مردم شماری کے رجسٹرات میں دیکھیں کہ مرزا صاحب ان دجالوں کے قتل کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

سوامی دیانند نے آریہ سماج کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں ڈالی تھی سوامی صاحب صرف آٹھ برس تبلیغ کرنے پائے تھے کہ ۱۸۸۳ء میں فوت ہو گئے۔ پہلی مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی۔ ۱۸۸۱ء میں کسی ہندو نے اپنے آپ کو آریہ درج نہ کرایا۔ بعد کے اعداد اس جدول میں دیکھیے۔

آریوں کی تعداد پنجاب میں

سال		تعداد	
۱۸۹۱	ـ	۱۴۰۲۰	
۱۹۰۱	ـ	۳۰۰۰۰	اس دہاکے میں ۸۷ ہزار
۱۹۱۱	ـ	۱۰۰۸۴۶	کا اضافہ ہوا۔

پنجاب میں اہل حدیث کی تعداد

۱۸۸۱	ـ	۲۴۵۲

۱۸۹۱	—	۳۶۰۴	
۱۹۰۱	—	نامعلوم	بیس برس میں ۸۶ ہزار کا
۱۹۱۱	—	۸۹۰۸۳	اضافہ ہوا۔

پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد

سال	تعداد	
۱۸۸۱	۲۸۰۵۴	
۱۸۹۱	۴۸۲۷۲	تیس برس میں تقریباً پونے دو
۱۹۰۱	۶۶۵۹۱	لاکھ کا اضافہ صرف پنجاب میں
۱۹۱۱	۱۹۹۷۵۱	ہوا۔

مت بھولیے کہ جناب مرزا صاحب کی نبوت کا زمانہ بھی یہی تھا۔ ۱۹۱۱ء میں ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ چونسٹھ ہزار تھی۔ باقی انگریز تھے۔

پورے ملک (ہند) میں اشاعت عیسائیت کی رفتار یہ تھی۔

ہندوستان میں عیسائیوں کی تعداد

۱۸۸۱	۱۸۶۲۶۳۴	
۱۸۹۱	۲۲۸۴۳۸۰	تیس سال میں بیس لاکھ چودہ ہزار
۱۹۰۱	۲۹۲۳۲۴۱	کا اضافہ
۱۹۱۱	۲۰۱۷۶۲۰۳	

یہ اعداد و شمار مردم شماری کے رجسٹرات برائے ۱۹۰۱ء، ۱۹۱۱ء سے حاصل کئے گئے ہیں۔

ان اعداد سے یہ حقیقت عیاں رہے کہ جناب مرزا صاحب کے زمانۂ رسالت میں دجّال نہ صرف دنیوی شان و شوکت میں بہت بڑھ گیا تھا بلکہ اس کے پیروؤں کی تعداد بھی اٹھارہ لاکھ سے اڑتیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی مطلب یہ کہ اس عرصے میں ۲۰ لاکھ ہندوستانی دجّال کے مذہب میں شامل ہو گئے لیکن مسیح موعود کی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے زور سے ایک بھی عیسائی مسلمان نہ ہوا قدرۃً سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح موعود نے دجّال اکبر کو کہاں چوٹیں لگائیں اور آیا دجّال ان ضربہائے عیسوی سے فوت ہو گیا تھا یا بچ نکلا تھا۔ اگر بچ نکلا تھا، تو وہ قتلِ دجّال کا سلسلہ کہاں گیا؟ اور اگر فوت ہو گیا تھا تو پھر آج یہ ساری کائنات پر کن کی سلطنت ہے؟ کیا یہ روس۔ یہ انگریز۔ یہ امریکی۔ یہ فرانسیسی وغیرہ سب مر چکے ہیں؟ اور یہ ستر کروڑ عیسائی ان فوت شدہ بزرگوں کے صرف بروز ہیں!

دجّال سے مباحثہ کی وجہ

ہماری حیرت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم جناب مرزا صاحب کی تحریر ذیل پڑھتے ہیں۔

حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست ....

.... میں نیک نیتی سے ...... پادریوں کے مقابل پر بھی مباحثات کی کتابیں شائع کرتا رہتا ہوں ...... جب پرچہ نور افشاں (لدھیانہ کا عیسائی اخبار) ...... میں نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں

اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی صلعم کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کئے کہ یہ شخص ڈاکو تھا چور تھا زنا کار تھا .... تو مجھے اندیشہ ...... پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر .... کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے .... یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کے دبانے کے لیے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تاکہ سریع الغضب مسلمانوں کے جوش فرد ہو جائیں اور ملک میں کوئی بدامنی پیدا نہ ہو .... سو میری یہ پیش بینی کی تدبیر صحیح نکلی۔ اور ان کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا مسلمان جو پادری عماد الدین کی تیز اور گندی تحریروں سے اشتعال میں آ چکے تھے۔ یک دفعہ ان کے اشتعال فرد ہو گئے ....
سو مجھ سے پادریوں کے مقابل جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں اوّل درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں۔

(ضمیمہ تریاق القلوب نمبر۳ ص ۳۸۷ - ۴۰۱)

دیکھا آپ نے کہ پادریوں سے مباحثہ کرنے میں حکمت عملی کیا تھی یہی کہ وحشی مسلمانوں میں اشتعال پیدا نہ ہو اور حکومت کسی پریشانی کا شکار نہ ہو۔ اب بتایئے کہ مسیح موعود نے دجّال کو کہاں اور کس طرح قتل کیا؟

احمدی بھائیو! میرا مقصد متعصبانہ تردید نہیں، بلکہ تحقیقِ حق اور اس مسئلہ کو صرف اس روشنی میں دیکھنا ہے جو خود حضرت مرزا صاحب نے فراہم فرمائی ہے۔ میں کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ نہیں رہا، کوئی جعلسازی نہیں کر رہا بلکہ

ہر بات کو من وعن پیش کر رہا ہوں، رہا یہ امید کہ اگر میں غلطی پہ ہوں تو اصلاح فرمایئے اور اگر آپ کے تصورات میں کوئی خامی ہو تو دور کر کے گلے مل جایئے۔ میرا مقصد خلیج اختلاف کو پاٹنا اور آپ سے ملنا ہے، میں غلط ہوں تو مجھے بلا لیجئے ورنہ تشریف لے آیئے۔

ع

اے خوش آں روز کہ آئی و بہ صد ناز آئی

(ساتواں باب)

مسئلہ جہاد

آپ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ تقریباً نصف قرآن تعلیم جہاد پہ مشتمل ہے۔ جہاد کے بغیر کوئی قوم ایک گھنٹے کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ دنیا اشرار و فجار سے لبریز ہے۔ یہاں بیسیوں اقوام ایسی موجود ہیں جو دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتیں۔ گذشتہ ساٹھ برس سے فرانس برابر مراکش کے سینے پر سوار ہے۔ بعض اقوام مغرب مدت سے چین اور جزائر شرق الہند کی دولت کو سمیٹ رہی ہیں۔ انگریز مدت سے عراق، ایران اور مصر کے وسائل دولت پہ قابض ہے اور یہ محض اس لیے کہ یہ کمزور اقوام دانت کے بدلے دانت توڑنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔

مہاتما گاندھی کا فلسفہ عدم تشدد اور جناب مرزا صاحب کا اصول عدم جہاد اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ اقوام عالم کا ہر فرد بے حد بھلے مانس مرنجان مرنج صابر و قانع اور انصاف پسند بن جائے چونکہ دنیا کے اڑھائی ارب انسانوں کو اس قسم کے سانچے میں ڈھالنا ناممکن ہے اور چونکہ قدم قدم پر ہمارا واسطہ بدکاروں جفاکاروں اور ظالموں سے پڑتا ہے اس لیے بچاؤ کے لیے کم از کم اتنا سامان اپنے پاس رکھنا ضروری ہے کہ جس سے دشمن مسلح ہو۔ اگر دشمن کے پاس برین گن ہو تو آپ

صرف لاٹھی سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اسی حفاظت کا دوسرا نام جہاد ہے

اسلام نے مندرجہ ذیل صورتوں میں جہاد کی اجازت دی ہے۔

- اوّل:۔ جب کوئی ظالم تمہیں ہدف ستم بنائے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ۚ

(مظلوموں کو جہاد کی اجازت دی جاتی ہے)

- دوم:۔ جب کوئی بلا وجہ حملہ کر دے۔

وَقَاتِلُوا الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ

(حملہ آوروں سے لڑو۔ لیکن حد سے نہ بڑھو)

- سوم:۔ ضعیفوں۔ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے۔

مَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا

مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا ۚ

(تم کیوں ان کمزور مردوں۔ عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے۔ جو تنگ آکر دہائی دیتے ہیں کہ اے رب ہمیں اس بستی سے نجات دے جہاں کے باشندے بڑے ظالم واقع ہوئے ہیں)

- چہارم:۔ قیام امن کے لیے ہر سلطنت میں آئے دن چند شورش پسند اٹھ کر امن وامان کو تہ و بالا کر دیتے ہیں ایسے لوگوں سے لڑنا بھی فرض ہے۔

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ ۚ

(تم اس وقت تک لڑو کہ ملک سے بدامنی دُور ہو جائے)

ان چار صورتوں کے علاوہ اسلام نے کسی اور تنازعہ میں جہاد کی اجازت نہیں دی۔ جناب مرزا صاحب کا یہ ارشاد تو درست ہے کہ تبلیغ مذہب کے لیے تلوار کا استعمال ناجائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کو مطلقاً حرام کر دیا جائے۔ مرزا صاحب بار بار فرما چکے ہیں کہ قیامت تک قرآن کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں ہوگا۔

"ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماویہ ہے اور ایک شوشہ یا نقطہ اس کی شرائع .... سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔" (ازالہ، طبع دوم ص ۵۹)

تو پھر جہاد کو حرام کرنے کا جواز کہاں سے نکلتا ہے اور وہ بھی انگریز کے خلاف جس نے تمام ممالک اسلامی کو یکے بعد دیگرے تباہ کیا۔ پچاس کھرب روپیہ سے زیادہ کی دولت زبردستی چھین لی۔ پچاس سے زیادہ تخت لے چکا۔ لاکھوں عصمتوں کا دامن چاک کیا۔ کروڑوں انسانوں کو شراب و عیاشی کا خوگر بنایا۔ فرمایئے کیا ایسی قوم کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں۔ کیا انہیں اجازت ہے کہ یہ ایران کو لوٹیں۔ عراق کی دولت گھسیٹ کر گھر لے جائیں۔ سات لاکھ عربوں کو فلسطین سے باہر دھکیل دیں۔ مصر کے لیے مستقل خطرہ بنے رہیں اور ان کے ریڈکلف اور مونٹ بیٹن پاکستان کو ہمیشہ مصائب میں مبتلا رکھیں؟ اور مظلوم کو یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنا بچاؤ تک کر سکے۔

یہ درست کہ انگریز کے زمانے میں ان کے خلاف اعلانِ جہاد خلاف

مصلحت تھا۔ اس لیے کہ ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی لاٹھی بھی نہیں تھی لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ جو بات عارضی طور پر خلافِ مصلحت ہو وہ حرام ہو جاتی ہے حضورؐ کے لیے مکی زندگی میں جہاد خلافِ مصلحت تھا حرام نہیں تھا لیکن جناب مرزا صاحب کی بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جہاد کو مطلقاً حرام سمجھتے تھے۔

مثلاً:۔

میں نے مخالفتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں میں نے ایسی کتابیں تمام ممالک عرب اور مصر اور شام، کابل اور روم تک پہنچادی ہیں۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں .... اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔

(تریاق القلوب ص ۲۷-۲۸)

اقتباس بالا میں ممانعتِ جہاد اور اطاعت انگریزی کو یوں جوڑ دیا گیا ہے گویا جہاد صرف انگریز کی خاطر حرام کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی فہم سے بالاتر ہے کہ انگریزی حکومت نے امن تو ہندوستان میں قائم کیا تھا۔ اس کے خلاف جہاد یہاں حرام تھا۔ بھلا عراق و ایران کے مسلمانوں کو ممانعتِ جہاد اور اطاعتِ انگریز کا درس دینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟ عراق و شام پر ترکوں کی حکومت تھی۔ پھر انہیں ترکِ جہاد کا مشورہ کیوں دیا گیا۔ اگر آپ یہ جواب دیں

(مسیح موعود ساری دنیا کے لیے تھے اس لیے وہ انگریزوں کو ترک جہاد کا مشورہ دینے میں حق بجانب تھے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ ساری دنیا میں انگریز بھی شامل تھے آپ نے انگریز کو کیوں یہ مشورہ نہ دیا۔ جناب مرزا صاحب کی آنکھوں کے سامنے انگریز نے شہنشاہِ دہلی کے دو شہزادوں کو بازار میں گولی سے ہلاک کیا شہنشاہ کو برما میں محبوس کیا۔ کابل کی آزادی چھینی مصر کو تاخت و تاراج کیا۔ سوڈان میں قیامت بپا کی اور جناب مرزا صاحب نے اپنی بہتر ضخیم کتابوں میں اس کے متعلق ایک احتجاجی سطر تک نہ لکھی اور نہ اسے ترک جہاد کا وعظ سنایا۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ مسیح موعود نے ترکِ جہاد کی تلقین صرف مسلمانوں کو کیوں کی اور جب روس و انگریز کی جنگ ہونے لگی تو ان دونوں کو جہاد سے نہ روکا ہے۔ کوئی جواب؟؟؟

سوال۔ کیا واقعی انگریز کی خاطر جہاد حرام کیا گیا تھا!

جواب۔ "گورنمنٹ انگلشیہ خدائی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے یہ سلطنت مسلمانوں کے لیے برکت کا حکم رکھتی ہے۔ خداوند رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لیے بارانِ رحمت بھیجا۔ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا قطعی حرام ہے۔"

(شہادت القرآن ضمیمہ ص ۱۱-۱۲)

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے حضرت موسیٰ کے زمانے میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان نہ لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل

کیے جاتے تھے پھر ہمارے نبی صلعم کے وقت میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لیے بجائے ایمان کے صرف جزیہ .... قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

(اربعین نمبر۴ حاشیہ صفحہ ۱۵)

اگر جہاد قطعی موقوف ہو چکا ہے تو پھر آدھا قرآن منسوخ ہو گیا اگر آپ یہ فرمائیں کہ اشاعتِ اسلام کے لیے جہاد حرام ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ یہ جائز کب تھا کیا حضور علیہ السلام یا آپ کے صحابۂ کرام یا بعد کے روشن خیال سلاطین نے کوئی ایک آدمی بھی بزورِ شمشیر مسلمان بنایا تھا اگر نہیں تو پھر آپ نے وہ کون سی چیز حرام کی جو پہلے جائز تھی۔ جوازِ جہاد کی صرف چار صورتیں ہیں۔

- ۱۔ قیامِ امن
- ۲۔ مدافعت
- ۳۔ مقابلۂ ظلم
- ۴۔ حمایتِ مظلوم

یہ چاروں صورتیں مذہبی و دینی ہیں۔ ہر صورت کو اللہ نے اپنی راہ (فی سبیل اللہ) کہا ہے جو کوئی بھی ان چار صورتوں میں تلوار اٹھائے گا۔ وہ گویا مذہب کے چند اہم اصولوں یعنی قیامِ امن، حمایتِ مظلوم وغیرہ کی حفاظت کر رہا ہو گا۔ ہر ایسا جہاد دینی، مذہبی، روحانی اور فی سبیل اللہ کہلائے گا اسلام

میں کوئی ایسا جہاد موجود ہی نہیں جس کا مقصد ملک گیری نوآبادیات کا حصول یا معدنی وزرعی دولت پہ قابض ہونا ہو۔ جب قرآن کی تلوار بے ہی دینی۔ روحانی اور اخلاقی تو پھر اس شعر کا کیا مطلب؟

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

(جناب مرزا صاحب)

"دین کے لیے حرام ہے" تو کیا بے دینی کے لیے جائز ہے ایران اور جزائر شرق الہند کے روغنی چشموں کے لیے حلال ہے؟ دوسروں کو غلام بنا کر ان کی بیگمات کے کپڑے نوچنے کے لیے روا ہے؟ اگر نہیں تو پھر مسیح موعود نے انگریزوں کو اس دھاندلی سے کیوں نہ روکا؟ حیرت ہے کہ انگریزیہ کا جہاد تجوریاں بھرنے کے لیے جائز۔ اور ہمارا جہاد اپنی مدافعت یا کسی مظلوم کی حمایت کے لیے حرام ہے؟

بہت اچھا صاحب! جہاد حرام سہی۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب انگریزیہ کی راہ میں جان چھڑکنے اور خون تک بہانے کے لیے تیار نظر آتے ہیں جہاد تو ہو گیا حرام۔ پھر خون کس کھاتے میں جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ کہ تم نے جہاد کو حرام قرار دینے کے بعد انگریزیہ کی خاطر کیوں جہاد کیا۔ اپنا خون کیوں بہایا؟ اور ہماری وحی کی مخالفت کیوں کی؟

حضرت مرزا صاحب نے ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

.... جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے۔ ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح و مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے .... تعرض

ایک ایسی جماعت جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ .... ہے

.... صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ....

.... اس خود کاشتہ پودہ کی نہایت احترام اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ کرے کہ وہ بھی اس خاندان (حضرت مرزا صاحب کا اپنا خاندان) کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو خاص عنایت کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا۔ اور نہ اب فرق ہے۔

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص ۱۸)

جب کابل کے ساتھ ۱۹۱۹ء میں (انگریز کی) لڑائی (امان اللہ خان کے خلاف) ہوئی۔ تب بھی ہماری جماعت نے ....

علاوہ اور کئی قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی ....

خود ہمارے سلسلہ کے بانی کے چھوٹے صاحبزادے .... نے اپنی خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آنریری طور پر کام کرتے رہے۔

(جماعت احمدی کا سپاسنامہ بخدمت

(لارڈ ریڈنگ۔ وائسرائے ہند مورخہ ۴ جنوری ۱۹۲۱ء)

جہاد تو ٹھہرا حرام۔ پھر یہ ڈبل کمپنی اور صاحبزادہ صاحب کی جنگی خدمات کا جواز کیسے ثابت ہوگا۔

اور سنیئے "خلیفۃ المسیح" فرماتے ہیں

" عراق کو فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے۔"

(الفضل ۳۔ ستمبر ۱۹۳۵ء)

کس لیے؟ جہاد کے لیے؟ جہاد تو حرام تھا؟ خوشنودیٔ انگریز کے لیے؟ خواہ اللہ ناراض ہی رہے؟ ظاہر ہے کہ جب آپ اللہ کی وحی یعنی ممانعت جہاد کی خلاف ورزی کریں گے تو خدا کا غضب بھڑکے گا۔ کیا انگریز کی رضا اتنی بڑی چیز تھی کہ خدائی غضب بھی یاد نہ رہا؟

جب ۱۹۲۹ء میں لاہور کے ایک آریہ راجپال نے حضور علیہ السلام کے خلاف ایک کتاب "رنگیلا رسول" کے نام سے لکھی اور لاہور کے ایک نوجوان علم الدین نے اس کا کام تمام کر دیا تو حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا

وہ نبی بھی کیسا نبی ہے جس کی عزت کو بچانے کے لیے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں .... وہ لوگ جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں، وہ مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں۔ اور جو ان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔ وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔

(الفضل ۱۹/ اپریل ۱۹۲۹ء)

بہت عمدہ مشورہ ہے۔

لیکن :۔

جب اپریل ۱۹۲۰ء میں اخبار مباہلہ (قادیان) کے مدیر مولوی عبدالکریم احمدیت سے الگ ہو کر حضرت مرزا صاحب اور ان کے صاحبزادہ پہ تنقید کرنے لگے تو میاں محمود احمد صاحب نے کہا۔

اپنے دینی اور روحانی پیشوا کی معمولی ہتک بھی کوئی برداشت نہیں کر سکتا .... اس قسم کی شرارتوں کا نتیجہ لڑائی جھگڑا .... حتیٰ کہ قتل و خونریزی بھی معمولی بات ہے ...

..... اگر (اس سلسلے میں) کسی کو پھانسی بھی دی جائے اور وہ بزدلی دکھائے تو ہم ہرگز اسے منہ نہیں لگائیں گے بلکہ میں تو اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھوں گا۔

(الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۳۰ء)

مزید فرمایا!

جب تک ہمارے جسم میں جان اور بدن میں تواں ہے اور دنیا میں ایک احمدی بھی زندہ ہے اس نیت کو لے کر کھڑے ہونے والے کو پہلے ہماری لاشوں پہ گذرنا ہوگا اور ہمارے خون میں تیرنا ہوگا۔

(الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۳۰ء)

لیکن قبلہ! رسول سے محبت کرنا تو عین دین ہے اور مسیح موعود کا ارشاد ہے کہ۔ مع دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

بہر حال یہ جذبہ برا جوان مردانہ ہے۔ یہ مذہبی غیرت و حمیت ہر شریف انسان میں ہونی چاہیے اور ضرور ہونی چاہیے۔ اس لیے میرا یہ عاجزانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے اس مشورے پر جو آپ نے علم الدین کے سلسلے میں دیا تھا نظر ثانی فرمائیں۔

وہ مشورہ دوبارہ درج ہے۔

"وہ نبی بھی کیسا نبی ہے جس کی عزت بچانے کے لیے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں .... اور جوان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔"

باقی کہانی آپ کو معلوم ہو گی کہ ان آتشیں خطبات سے متاثر ہو کر ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو ایک نوجوان احمدی محمد علی نے مولوی عبدالکریم اور ان کے ساتھی محمد حسین پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ عبدالکریم گھائل ہوئے اور محمد حسین ہلاک۔ ملزم ۱۶ مئی ۱۹۳۱ء کو سپرد دار ہوا۔ اس کے جنازہ کو خود خلیفۃ المسیح نے کندھا دیا اور وہ نوجوان نہایت احترام سے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوا۔

قرآن کی فطری تعلیم کے خلاف چلنا بہت مشکل ہے۔

اور درست فرمایا تھا جناب میاں محمود احمد صاحب نے:۔

"ہمیں تو حضرت مسیح موعود نے خصی کر دیا ہے۔ مگر ساری دنیا تو خصی نہیں۔"

(الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء)

صداقت کے چار معیار

جناب مرزا صاحب نے اپنی صداقت کے چار معیار مقرر فرماتے ہیں۔ ان کی تفصیل آپ ہی کی زبان سے سنیئے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں چار عظیم الشان آسمانی تائیدوں کا کامل مومنوں کے لیے وعدہ دیا ہے۔ اور وہی کامل مومن کی شناخت کے لیے کامل علامتیں ہیں۔ اور یہ ہیں۔

- اوّل۔ یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں۔
- دوم۔ یہ کہ مومنِ کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اس کی ذات یا اس کے واسطے داروں سے متعلق ہوں بلکہ جو کچھ دنیا میں قضاء قدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افرادِ مشہورہ پر جو کچھ تغیرات آنے والے ہیں۔ ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے۔
- سوم۔ یہ کہ مومنِ کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔
- چہارم۔ یہ کہ مومنِ کامل پر قرآن کریم کے دقائق و معارف جدیدہ و لطائف و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔

(آسمانی فیصلہ ص ۱۳)

" خدا نے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں۔ خدا نے مجھے قرآن کی زبان میں اعجاز عطا فرمایا ہے۔ خدا نے میری دعاؤں میں سب سے بڑھ کر مقبولیت رکھی ہے ...... خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ تجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہوگا۔"

(تحفہ گولڑویہ ص ۹)

صداقت کے چار معیار معیّن کرنے کے بعد جناب مرزا صاحب نے (آسمانی فیصلہ ص ۱۱) میں علمائے اسلام کو چیلنج دیا ہے کہ وہ آئیں اور ان چار باتوں میں ان کا مقابلہ کریں۔

امرِ اوّل و دوم پیش گوئیوں کے ضمن میں آتے ہیں اس لیے ان کے متعلق "پیشگوئیوں" کے باب میں بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف امرِ سوم و چہارم کے متعلق عرض کیا جائے گا۔

قبولیّتِ دُعاء

حقیقتہ الوحی اور چند دیگر تصانیف میں جناب مرزا صاحب نے چند ایسی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے جو قبول ہوئی تھیں۔ لیکن ایک غیر جانب دار محقق کے پاس ایسے وسائل موجود نہیں، جن سے کام لے کر وہ پتہ چلا سکے کہ آیا حقیقتہً وہ دعائیں قبول ہوئی تھیں یا نہیں۔ ایسی دعاؤں کا تعلق ایسے مقامی یا غیر مقامی لوگوں سے تھا جو آج دنیا میں موجود نہیں۔ اور نہ وہ کوئی ایسی شہادت تحریری وغیرہ چھوڑ گئے ہیں۔

جس سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں ۔ اس میں شبہ نہیں کہ احمدی بھائیوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے ۔ جنہوں نے مرزا صاحب کو دیکھا ۔ اور ان کی دعاؤں سے بھی فائدہ اٹھایا لیکن دنیا کی کوئی عدالت ان کی شہادت کو غیر جانبدارانہ قرار نہیں دے سکتی ۔ اس لیے یہ شہادتیں ایک یقین انگیز فیصلہ پہ پہنچنے کے لیے مفید نہیں ۔

جناب مرزا صاحب کی کتابوں میں صرف دو ایسے واقعات ملتے ہیں جو دعا کے سلسلہ میں معرض بحث بن سکتے ہیں ۔ ایک کا تعلق مولانا ثناء اللہ (امرتسری) سے ہے اور دوسرے کا ڈاکٹر عبدالحکیم سے ۔ مولوی ثناء اللہ مرزا صاحب کے سرگرم مخالفین میں سے تھے اور ڈاکٹر صاحب مدتوں جناب مرزا صاحب کے حلقہ ارادت سے وابستہ رہے اور آخر میں منحرف ہو گئے ۔

مولوی ثناء اللہ

جناب مرزا صاحب نے بشارات ، فہم قرآن و قبول دعا کے سلسلے میں علما کو چیلنج دیا تھا کہ وہ آئیں اور مقابلہ کریں اس چیلنج کو وہ بار بار دہراتے ۔ رہے یہاں تک کہ ۱۹۰۲ء میں مولوی ثناء اللہ مقابلہ میں اتر آئے ممکن ہے کہ اس عرصہ میں کوئی اور صاحب بھی مدمقابل ہوئے ہوں ۔ لیکن قلت معلومات کی وجہ سے ہم کوئی اور مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں مولوی صاحب نے یہ چیلنج کس طرح قبول کیا اس کی تفصیل خود جناب مرزا صاحب سے سنیئے :۔

میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ درخواست کرتا ہے کہ میں (ثناء اللہ) اس طور کے فیصلے کے لیے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے ۔ وہ سچے کی زندگی

پس ہمیں کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج .... میں مرجائے دیں۔ کیونکہ ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لیے کافی ہے۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کے رُو سے واقع نہ ہو۔ بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا اور کسی بیماری سے تا ایسی کارروائی حکام کے لیے تشویش کا موجب نہ ٹھہرے اور ہم یہ بھی دعا کرتے رہیں گے کہ ایسی موتوں سے فریقین محفوظ رہیں صرف وہ موت کاذب کو آوے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔

(اعجاز احمدی صفحہ ۱۴-۱۵)

چیلنج ہو گیا۔ جناب مرزا صاحب نے موت کی صورت متعین فرما دی ساتھ ہی ان الفاظ میں چیلنج کو منظور کر لیا۔

"ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لیے کافی ہے۔"

پھر سلسلۂ دعا کا بھی آغاز ہو گیا۔

"ہم دعا کرتے رہیں گے .... کہ وہ موت کاذب کو آوے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔"

نیز یہ شرط عائد کر دی کہ چیلنج ایک پوسٹر کی صورت میں ہونا چاہیے جس کے نیچے پچاس آدمیوں کے دستخط ہوں۔ آیا ایسا کوئی پوسٹر مولوی ثناء اللہ کی طرف سے شائع ہوا تھا یا نہیں۔ ہمیں علم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ جناب مرزا صاحب نے مولوی صاحب کے اس ارادے ہی کو کافی سمجھا اور فرمایا:۔

مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کے لیے چیلنج کروں

یا ان کے بالمقابل مباہلہ کروں۔ ان کا اپنا مباہلہ جس کے لیے انہوں نے مستعدی ظاہر کی ہے۔ میری صداقت کے لیے کافی ہے۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میں اس مقابلہ میں مغلوب رہا تو میری جماعت کو چاہیے۔ جو ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے کہ سب مجھ سے بیزار ہو کر الگ ہو جائیں۔ کیونکہ جب خدا نے مجھے جھوٹا قرار دے کر ہلاک کیا۔ تو میں جھوٹے ہونے کی حالت میں کسی پیشوائی اور امامت کو نہیں چاہتا بلکہ اس حالت میں ایک یہودی سے بھی بدتر ہوں اور ہر ایک کے لیے جائے ننگ۔

" اور جو شخص ایسے چیلنج سے فتنہ کو فرد کرے گا بشرطیکہ وہ صادق نکلے۔ صفحۂ روزگار میں بڑی عزت کے ساتھ اس کا نام منقوش رہے گا اور جو شخص دجال بے ایمان مفتری ہوگا اس کی ہلاکت سے دنیا کو راحت حاصل ہوگی۔" (اعجاز احمدی ص[16])

اسی سلسلے میں ربّ العرش کو یوں مخاطب فرماتے ہیں۔

" یا الٰہی تو ہمارے کاروبار کو دیکھ رہا ہے اور تیری عمیق نگاہوں سے ہمارے اسرار پوشیدہ نہیں۔ تو ہم میں اور مخالفوں میں فیصلہ کر دے اور وہ جو تیری نظر میں صادق ہے اس کو ضائع مت کر کہ صادق کے ضائع ہونے سے ایک جہان ضائع ہوگا۔
اے میرے قادر خدا تو نزدیک آجا اور اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ اور یہ روز کے جھگڑے سے قطع کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ میرا دل قبول

کرے کہ تو صادق کو ذلت کے ساتھ قبر میں اتارے گا اور باشانہ زندگی والے کیونکر فتح پائیں گے۔ تیری ذات کی مجھے قسم ہے کہ تو ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔"

(اعجاز احمدی ص۱۶-۱۷)

پوسٹر نکلا یا نہیں علم نہیں۔ لیکن مسیح موعود کی دعا کا تیر نکل چکا تھا۔ ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۷ء کے درمیانی عرصے میں مولوی صاحب اور جناب مرزا صاحب نے اس مقابلہ کے سلسلہ میں کیا کچھ کہا اور لکھا۔ حجاب خفا میں ہے البتہ اس موضوع پر ہمیں ۱۹۰۷ء میں جناب مرزا صاحب کا ایک فیصلہ کُن اشتہار ملتا ہے۔ یہ اشتہار مولوی صاحب کی طرف ایک کھلا خط ہے۔ مضمون یہ ہے:۔

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب!

(اَلسّلامُ علیٰ مَنِ اتبعَ الھدیٰ)

مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب و تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنے پرچہ میں مردود کذاب و دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں .... میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا .... اے میرے پیارے مالک! اگر یہ دعویٰ مسیح ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں .... تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور میری موت سے ان کو اور ان

کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون ہیضہ وغیرہ امراضِ مہلکہ سے .... میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ .... اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں۔ کہ مجھ میں اور مولوی ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو درحقیقت تیری نگاہ میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھا لے ....

(اشتہار محررہ ۵، اپریل ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۲۰)

قادیان کے ایک اخبار بدر میں جناب مرزا صاحب کی روزانہ ڈائری شائع ہوا کرتی تھی۔ اسی تاریخ کی ڈائری میں یہ فقرہ بھی تھا۔

ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی۔

(اخبار بدر قادیان ۵، اپریل ۱۹۰۷ء)

اس اشتہار میں کسی پوسٹر کی شرط نہیں تھی۔ بلکہ جناب مرزا صاحب

نے اپنی صداقت کے لیے غیر مشروط طور پر" صادق کی زندگی میں جھوٹے کی موت"
کو بطور معیار پیش کر دیا تھا۔ اس اشتہار میں جس خضوع و خشوع سے دعا کی گئی
ہے وہ محتاج تبصرہ نہیں۔ اس اشتہار میں صرف ایک شرط ملتی ہے اور وہ یہ
کہ جھوٹا انسانی ہاتھ سے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ طاعون اور ہیضہ وغیرہ سے مرے۔

پھر کیا ہوا......؟

ایک سال اکیس دن بعد

حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا....
......کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک دو
دفعہ پاخانہ تشریف لے گئے .... اتنے میں آپ کو
ایک اور دست آیا۔ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانے نہ جا سکتے تھے
اس لیے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر آپ فارغ ہوئے .... اس
کے بعد ایک اور دست آیا پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ
ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ لیٹتے لیٹتے بے اختیار پیچھے کی طرف چارپائی پر گر گئے اور آپ
کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا۔ اور حالت دگرگوں ہو گئی۔

(سیرۃ المہدی مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ص ۱۰۹)

یہ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے۔

حضرت مسیح موعود ۲۵ رمئی ۱۹۰۸ء یعنی پیر کی شام کو بالکل اچھے
تھے۔ رات کو عشاء کی نماز کے بعد خاکسار باہر سے مکان میں آیا
تو میں نے دیکھا کہ آپ والدہ صاحبہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے کھانا

کھا رہے ہیں .... رات کے پچھلے پہر یعنی صبح کے

قریب مجھے جگایا گیا .... تو کیا دیکھتا ہوں کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسہال کی بیماری سے سخت بیمار ہیں

اور حالت نازک ہے ......

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل صلا)

کیا یہ ہیضہ تھا؟

" حضور مرزا صاحب کے وصال کا باعث ہیضہ قرار دینا صریح جھوٹ

بلکہ قانونی جرم ہے ۔"

(تصدیق احمدیت مصنفہ سید بشارت احمد صاحب احمدی)

لیکن جناب مرزا صاحب کے خسر نواب میر ناصر صاحب اپنے خود

نوشتہ حالات زندگی میں فرماتے ہیں ۔

حضرت صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں

اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے

جگایا گیا۔ جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا

تو آپ (مرزا صاحب) نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ میر صاحب

مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے .... دس بجے (صبح منگل)

کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا ۔

(حیاتِ ناصر مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی صلا)

ہیضہ تھا یا نہیں ۔ اس کا فیصلہ اطبا پہ چھوڑتا ہوں ۔ یہاں تو یہ دیکھنا ہے کہ آیا جناب مرزا صاحب کی دعا ،

" اور وہ جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھا لے ۔ "

قبول ہوئی یا نہیں ؟

اگر ہوئی ہے تو پھر سچا کون ہوا ؟

احمدی بھائیو! یہ ٹھوس واقعات ہیں جنہیں تاریخ کے اوراق سے مٹایا نہیں جا سکتا ۔ تاویلوں سے نفس کو بہلایا جا سکتا ہے لیکن حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی ۔ آپ حضرات میں ایک خاصی تعداد وکیلوں ، پروفیسروں ، مجسٹریٹوں اور ججوں کی ہے ۔ پروفیسر اور جج کا کام ہی تلاش حقیقت ہے سوچیے اور ڈھونڈیے شاید حقیقت وہ نہ ہو جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں ۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو ۔

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔

مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب اور مولوی اسماعیل علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا ضرور ہم سے پہلے مرے گا ۔ کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے ۔ اور اس طرح پر آپ کی موت

۵؎ مولانا ثناء اللہ صاحب کی وفات ۱۹۵۰ء میں ہوئی ۔

نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔

(اربعین نمبر ۳ صد ۱۱)

"میں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمی کے رُوبرُو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔"

(اربعین نمبر ۳ صد ۱۳)

اب ذرا یہ اقتباس پھر پڑھیے۔

"اے میرے پیارے مالک .... اگر یہ دعویٰ مسیح ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں .... تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر ...."

ڈاکٹر عبدالحکیم

ڈاکٹر عبدالحکیم پورے بیس برس تک جناب مرزا صاحب کے حلقۂ عقیدت سے وابستہ رہا۔ پھر منحرف ہو کر "المسیح الدجال" اور "کانا مسیح" وغیرہ کے نام سے کتابیں لکھیں اسی پر بس نہ کی۔ بلکہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو ایک الہام شائع کر دیا کہ آج کی تاریخ سے تین برس تک مرزا صاحب فوت ہو جائیں گے اس پر جناب مرزا صاحب نے ایک اشتہار نکالا مضمون یہ:

"........ اس (ڈاکٹر) نے میرا نام کذاب، مکار، شیطان

دجال۔ شریر اور حرام خور رکھا ہے اور مجھے خائن، شکم پرست، نفس پرست، مفسد اور مفتری قرار دیا ہے .... اس پر بس نہیں .... بلکہ یہ پیش گوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ یہ شخص تین سال کے عرصے میں فنا ہو جائے گا..... آج ۱۴؍ اگست ۱۹۰۶ء کو پھر اس کا ایک خط .... مولوی نورالدین صاحب کے نام آیا۔ اس میں .... لکھا ہے ۱۲؍ جولائی ۱۹۰۶ء کو خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ یہ شخص اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا۔

اس کے مقابل وہ پیشگوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میاں عبدالحکیم صاحب کی نسبت مجھے معلوم ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔

رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّکَاذِبٍ ۝

(دُعا) اے میرے خدا صادق و کاذب میں فرق کر کے دکھلا تو جانتا ہے کہ صادق و مصلح کون ہے۔"

(اشتہار ۱۶؍ اگست ۱۹۰۶ء)

(تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۱)

یعنی دو خداؤں میں ٹھن گئی۔ ڈاکٹر کے خدا نے کہا کہ مرزا صاحب ۱۲؍ جولائی

۱۹۰۹ سے پہلے فوت ہو جائیں گے اور مرزا صاحب کے اللہ نے اطلاع دی کہ!

"خدا کے مقبولوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا"

نیز ڈاکٹر کو ایک مہیب خطرہ سے ان الفاظ میں خبردار کیا۔

فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا۔

اور پھر جناب مرزا صاحب نے دُعا کی۔

اے میرے خدا صادق و کاذب میں فرق کر کے دکھا۔

اس پیش گوئی میں جس خطرے کا ذکر تھا چند ماہ بعد اس کی تفصیل یوں پیش فرمائی۔

بعد اس کے ایک اور چراغدین (جموں والے چراغدین نے مرزا صاحب کی بے حد مخالفت کی تھی اور آخر طاعون کا شکار ہو گیا تھا۔ برق) پیدا ہوا یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم خان یہ شخص بھی مجھے دجّال ٹھہراتا ہے اور اپنے تئیں مرسلین میں شمار کرتا ہے .... تکبر اور غرور میں تو پہلے چراغدین سے بڑھ کر ہے اور گالیاں دینے میں اس سے زیادہ مشّاق ہے .... اس کی پیش گوئی نے جیسا کہ پہلے چراغدین کے انجام سے خبر دی ہے اسی طرح اس نے علیم خبیر نے اس دوسرے چراغدین کے انجام سے خبر دی ہے۔

(حقیقۃ الوحی، صہ ۱۲۲-۱۲۴)

مطلب یہ کہ ڈاکٹر کا انجام بھی چراغدین کی طرح بھیانک ہوگا۔ یہ الہام پڑھ کر ڈاکٹر نے اپنے پہلے الہام میں یوں ترمیم کی۔

"اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے سہ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱ جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہوتی ہے دس مہینے اور گیارہ دن اور گھٹا دیئے اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا کہ مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔"

اس کے جواب میں جناب مرزا صاحب نے ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان تبصرہ شائع کیا جس میں یہ الہام بھی درج تھا۔

اپنے دشمن سے کہہ دے خدا تجھ سے مواخذہ کرے گا اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے صرف چودہ مہینے تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ یا ایسا ہی دوسرے دشمن جو پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو جھوٹا کر دوں گا۔

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم ص ۱۳۱)

وفات سے چند روز پیشتر جناب مرزا صاحب نے لکھا۔

آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے جس کا نام عبدالحکیم خاں ہے وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے جس کا دعوےٰ ہے کہ میں اس کی زندگی میں ۴ اگست ۱۹۰۸ء کو ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لیے ایک نشان ہوگا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا

ہے۔ مجھے دجّال کافر اور کذاب قرار دیتا ہے پہلے اس نے بیعت کی اور برابر بیس برس تک میرے مریدوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں داخل رہا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا کی نظر میں صادق ہے خدا اس کی مدد کرے گا۔

(چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۱، ۳۲۲)

اور چند سال پیشتر جناب مرزا صاحب نے ایک ایسی ہی پیش گوئی کے متعلق فرمایا تھا۔

اگر تمہارے مرد اور عورتیں۔ تمہارے جوان اور بوڑھے تمہارے چھوٹے اور بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لیے دعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا۔

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۶۔۱۷)

مقابلہ کی صورت بالکل صاف ہو گئی۔ کہ ڈاکٹر نے کہا جناب مرزا صاحب کی وفات ۴ اگست ۱۹۰۸ء سے پہلے ہو گی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے لمبی عمر کی بشارت دی ہے نیز کہا ہے کہ:۔

"میں ان سب کو جھوٹا کردوں گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خدا صادق کی مدد کرے گا ۔۔۔۔۔۔۔"

لیکن ہوا کیا؟ یہی کہ صرف چند روز بعد جناب مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا اور ڈاکٹر برسوں بعد زندہ رہا۔

قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا وہ وعدہ کیا ہوا۔

" اپنے دشمن سے کہہ دے خدا تجھ سے مواخذہ کرے گا اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ان سب کو جھوٹا کردوں گا۔"

بُرا منانے کی بات نہیں۔ مؤرخ اور محقق کی تنقید ہمیشہ بے لاگ ہوتی ہے وہ صرف حقائق سے نتائج اخذ کرتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے شخصی عقائد اور قاری کے تصورات کیا ہیں۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو صرف حقیقت کے متلاشی اور حقیقت کے پرستار ہیں۔

احمدیوں میں میرے دوستوں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے ایسے دوست جن سے میں محبت کرتا ہوں۔ میری یہ دلی تمنا ہے کہ ان میں اور مجھ میں کوئی ذہنی اختلاف بھی باقی نہ رہے اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ میرے پیش کردہ حقائق پر غور کرنے کے بعد صحیح نتائج اخذ کریں اگر میرے پیش کردہ حقائق حقائق نہیں ہیں تو میری لغزش کو واضح فرمائیں مجھے سچائی سے فطری محبت ہے جہاں ملے گی فوراً اپناؤں گا خواہ اس راہ میں مجھے کتنی ہی دشواریاں پیش آئیں۔

انسان اسی وقت انسان ہے جب تک اس کا رشتہ حقیقت سے قائم ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو انسانیت اہرمنیت میں بدل جاتی ہے۔ کون ہے جو حقیقت سے گریزاں اور باطل کا پرستار ہو۔ اگر کوئی ہے تو اسے کہہ دو کہ وہ دنیا میں تنہا ہے اور اس کا کوئی ہم خیال موجود نہیں۔

" قبولِ دُعا " کے دو واقعات آپ نے پڑھ لیے۔ اب چلئے نئے موضوع کی طرف۔

فہم قرآن

قرآن حکیم تمام زمانوں اور تمام قوموں کے لیے جو قیامت تک پیدا ہوں گی مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے الفاظ میں لچک ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ تاکہ ہر زمانے کا انسان خواہ وہ ماڈرن ہو یا الٹرا ماڈرن۔ اپنے ماحول کا عکس اس میں دیکھ سکے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے تصورات پر یونانی فلسفہ چھا گیا تھا۔ اس فلسفے نے خدا کو عضوِ معطل بنا کر عرش پر بٹھا دیا تھا۔ امام غزالی اور آپ کے ہمنوا علما نے قرآن سے وہ دلائل استنباط کیں کہ فلاطونی فلسفہ کی ظلمتیں جلوۂ الہام کی تاب نہ لا سکیں۔ اسی طرح ابن العربی کے نظریۂ وحدت الوجود اور دیگر بیسیوں فرقوں کے عجمی افکار کی شکست و ریخت کے لیے مفسرین میدان میں اترتے رہے اور غیر اسلامی تصورات کے استیصال میں کامیاب ہوتے رہے

قرآن نے ہر ملک اور ہر قوم کے سامنے ایک ایسا نظام زلیست پیش کیا جو ان کے فرسودہ و بوسیدہ نظاموں سے پائندہ و تابندہ تر تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی پہنچے، ان کے جدید و غریب افکار براہِ راست دل و دماغ پر حملہ آور ہو گئے اور ان مضبوط قلعوں کو انہوں نے فوراً فتح کر لیا۔

کائنات میں حقائق ازل سے موجود ہیں جب یہ حقائق اوہام و اباطیل کے حجابات میں مستور ہو جاتے ہیں تو کوئی دستِ غیب ان پردوں کو ہٹا کر حقیقت کو پھر بے نقاب کر دیتا ہے اور اسی کا نام تجدید ہے حقیقت نہیں بدلتی۔ دو اور دو ہر زمانے میں چار رہے ہیں، پانی ہمیشہ ڈھلان کی طرف بہتا رہا اور نور ہمیشہ بلندیوں کی طرف مائلِ پرواز رہا۔ البتہ حقائق کی تفسیر سدا بدلتی رہی ایک ہی بات کو پیش کرنے کے مختلف اسالیب ہو سکتے ہیں کوئی ہمت شکن اور کوئی ہمت افزا۔ مثلاً شاعر نے کہا۔

"افسوس کہ پھول کے پہلو میں کانٹے ہیں"

کس قدر ہمت شکن پیغام ہے فلسفی نے اسی حقیقت کو یوں پیش کیا،

"خوش ہو جا کہ کانٹوں کے پہلو میں پھول ہیں"

اور فضائے یاس میں امیدوں کے بیسیوں دیپ جل اٹھے۔ مولانا حالی نے قوم کی حالت کا یوں نقشہ کھینچا تھا ؎

فلاکت پس و پیش منڈلا رہی ہے

نحوست سماں اپنا دکھلا رہی ہے

لیکن رجائی اقبالؒ نے حالی کا ساتھ نہ دیا اور رنگ بدل بدل کر فرمایا ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی بعض مفکرین عالم نے اعلان کیا کہ نسلِ انسانی مائل بہ زوال و روبہ فنا ہے۔ حکیم مشرق نے فرمایا۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

آئے دن کی لڑائیوں سے اکتائے ہوئے مغربی فلسفیوں نے جمعیت الاقوام کا نظریہ پیش کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں جمعیت آدم کا پورا نظام سامنے رکھ دیا۔ جب دورِ حاضر میں سرمایہ و اشتراکیت کے پہاڑ آپس میں متصادم ہونے لگے تو قرآن حکیم نے آواز دی۔ لڑو مت آؤ میں تم کو راہِ مصالحت بتاؤں۔ شخصی ملکیت جائز۔ لیکن جمع مال ناجائز۔ حصول دولت جائز۔ لیکن ضروریات سے وافر (قُلِ العفو) پاس رکھنا ناجائز۔

جب عہد حاضر کا انسان مطالعہ کائنات کی طرف متوجہ ہوا تو قرآن نے اسے تھپکی دی اور کہا۔ اس راہ پر بڑھے چل کہ قوۃ و ہیبت کے خزائن اور علم و عرفان کے دفائن یہیں ملیں گے۔

ماحصل یہ کہ اسلام میں ہمیشہ ایسے مفسر پیدا ہوتے رہے جن کی تفسیری جدتوں نے کاروانِ حیات کو سست خرام نہ ہونے دیا اور ایسے مفکر تا قیامت آتے رہیں گے۔ جو ہر نئی تصویر میں قرآن کا رنگ بھرتے رہیں گے۔ ان پیہم تجارب کے بعد نسلِ انسانی قیادتِ الہام کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائے گی اور یہ زمانہ بہت دُور نہیں۔

آج تک حقیقت کی جس قدر تفاسیر پیش ہوئیں ان میں سب سے زیادہ

خواب آور، جمود انگیز اور حیات کش وہ ہے، جس کا دوسرا نام تصوف یا رہبانیت ہے۔ قرآن زندگی کی تلخیوں سے الجھنے کی تعلیم دیتا ہے اور تصوف گریز کی۔ قرآن اپنے پیرووں کو عقاب و ضیغم بنانا چاہتا ہے اور تصوف حمام و گوسفند، قرآن تسخیر کائنات و آفاقی افلاک کا درس دیتا ہے اور تصوف تسلیم و انقیاد کا، اسلام سراپا عمل ہے اور تصوف سراپا جمود۔ وہ رفتار ہے اور یہ گفتار۔ یہ ثابت ہے اور وہ سیّار۔ وہ شمشیر حیدر ہے اور یہ گلیم بوذر۔ وہ برقِ جہاں تاب ہے اور یہ آتش تہِ آب۔ اسلام حرکت و عمل کا دوسرا نام ہے اس نے رہبانیت کی طرف دستِ مصالحت آج تک نہیں بڑھایا اور حاملِ قرآن ہمیشہ اپنے خالد و طارق اور حیدر و فاروق پہ نازاں رہا۔ یہ صاحبانِ شمشیر ایک لحاظ سے فقیر بھی تھے کہ شانِ سکندری و سطوتِ قیصری کی پروا تک نہیں کرتے تھے وہ اللہ کے سپاہی تھے اللہ کے بغیر ہر چیز سے بے نیاز تھے اور صرف اللہ کی مشیت کو سطح ارضی پہ نافذ دیکھنا چاہتے تھے ان کے فقر میں تجلیات نور کے ساتھ ساتھ جلالِ کلیمی بھی تھا۔ وہ جلال جو جمال سے خالی ہو وہ بیکارِ محض ہے اور اسی کا نام میرے ہاں تصوف ہے۔

مجھے جناب مرزا صاحب کی چالیس پچاس تصانیف پڑھنے کا اتفاق ہوا چالیس حرفاً حرفاً اور آٹھ دس جزواً جزواً۔ ان تمام کا موضوع تقریباً ایک ہی تھا یعنی :-

- ۱۔ اثباتِ نبوت پہ دلائل۔
  - ا۔ دلیلِ افترا
  - ب۔ دلیلِ مماثلتِ تامہ

ج۔ دلیل " انعمت علیھم "

د۔ دلیل " خاتم النبیین "

- ۲۔ وفات مسیح پر دلائل
- ۳۔ اپنے نشانات کا ذکر
- ۴۔ الہام آتھم و بشارت نکاح کی تاویل
- ۵۔ الہامات کا اعادہ
- ۶۔ بعض نشانات کے متعلق کچھ شہادتیں
- ۷۔ انگریز کی اطاعت
- ۸۔ حرمت جہاد

جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف میں ان تین چار آیات نبوت کے بغیر قرآن کا کوئی نظریہ یا کوئی اور آیت زیر بحث نہیں آئی جس سے ہم اندازہ لگا سکتے کہ آپ کا علم قرآن کے متعلق کیا اور کتنا ہے۔ ہاں ضمناً دو چار آیات ضرور آئیں۔ لیکن وہ کسی فیصلہ تک پہنچانے کے لیے ناکافی تھیں اس سلسلہ میں آپ کی جو تصنیف بڑے شد و مد سے پیش کی جاتی ہے وہ براہین احمدیہ ہے یہ کتاب اندازاً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں تین چوتھائی حواشی اور ایک چوتھائی متن ہے۔ حواشی میں متفرق مضامین ہیں۔ مثلاً ضرورت الہام مجدد کی ضرورت وغیرہ۔ پھر اپنے الہامات اور متن میں دیگر مذاہب پر تنقید۔ ترتیب کتاب یہ ہے۔

- ۱۔ چندہ وغیرہ کی اپیل .... ۱۶ صفحات

- ۲۔ شرط کہ ایسی کتاب لکھو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸ صفحات
- ۳۔ آپ کے حالاتِ زندگی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۲ "
- ۴۔ چندے کی اپیل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶ "
- ۵۔ براہین کی تعریف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۲ "
- ۶۔ انگریزی کی تعریف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲ "

اس کے بعد علمی حصہ آتا ہے جس کی زبان اس قدر اُلجھی ہوئی ہے کہ بار بار پڑھنے پہ بھی کچھ پلے نہیں پڑتا۔ تصوف و منطق کی اصطلاحات کا استعمال کچھ اس طریق سے ہوا ہے کہ ان اصطلاحات کا عالم بھی گھبرا جائے۔ نمونہ ملاحظہ فرمایئے:۔

"اور یہ اصولِ عام جو ہر ایک صادر من اللہ سے متعلق ہے دو طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اوّل قیاس سے کیونکہ از روئے قیاس صحیح و مستحکم کے خدا کا اپنی ذات اور صفات اور افعال میں واحد لاشریک ہونا ضروری ہے اور اس کی کسی صفت یا قول یا فعل میں شراکت مخلوق کی جائز نہیں۔"

(براہین ص ۱۴۷)

"اور ذات اس کی ان تمام نالائق امور سے متنزہ ہے جو شریک الباری پیدا ہونے کی طرف منجر ہوں۔ دوسرے ثبوت اس دعویٰ کا استقرا تام سے ہوتا ہے، جو صادر من اللہ میں نظر تدبر کر کے بہ پایۂ ثبوت پہنچ گیا ہے۔"

(ص ۴۹-۵۰)

عیسائیوں کا قول کہ صرف مسیح کو خدا ماننے سے انسان کی فطرت

منقلب ہو جاتی ہے اور گو کیسا ہی کوئی من حیث الخلقت قویٰ سبعیہ یا قوائے شہویہ کا مغلوب ہو یا قوت عقلیہ میں ضعیف ہو وہ فقط حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا اکلوتا بیٹا کہنے سے اپنی جبلی حالت چھوڑ جاتا ہے۔

(صدا ۱۷)

اسی کتاب میں سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی درج ہے جس پر متصوفانہ رنگ چڑھا ہوا ہے اور تصوف کے متعلق میں اپنی رائے پیش کر چکا ہوں۔

ہر فرد کا زاویۂ نگاہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہوں گے جنہیں یہ تفسیر پسند آئی ہو گی لیکن میرے لیے یہ جاذب توجہ نہ بن سکی۔ اس لیے کہ میں اسلام کو حرکت و عمل۔ قوت و ہیبت۔ جمال و جلال۔ تسخیر کائنات و آقای ارض و افلاک کا مترادف سمجھتا ہوں اور جس تفسیر کے آئینہ میں مجھے اسلام کا یہ چہرہ نظر نہ آئے وہ میرے لیے کوئی دلکشی نہیں رکھتی۔ بہر حال یہ میرا ذاتی نظریہ ہے اور اس سے اختلاف کی بڑی گنجائش موجود ہے اگر حقیقتاً جناب مرزا صاحب کی تفسیر میں کچھ رموز و معارف موجود ہیں تو احمدی اہل قلم کا فرض ہے کہ وہ ان معارف کو سلیس و برجستہ زبان میں پیش کریں۔ تاکہ مجھ جیسے کم علم بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

سورۂ فاتحہ کے علاوہ جناب مرزا صاحب نے چند اور آیات کی تفسیر بھی فرمائی ہے جن میں سے آیۂ خاتم النبیین۔ آیۂ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۃ وَ لَوْ تَقَوَّلَ یہ بحث ہو چکی ہے اور باقی ماندہ میں سے چند یہ ہیں۔

اوّل۔ قرآن میں بار بار ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کسی ایک جہت میں مقید

نہیں بلکہ ۔ اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ؕ

(تم جدھر بھی منہ پھیرو گے اللہ کو سامنے پاؤ گے)

لیکن جناب مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

"جدھر تیرا منہ خدا کا اسی طرف منہ ہے"۔

(تبلیغ رسالت جلد ششم ص۶۹)

دونوں ترجموں میں بڑا فرق ہے پہلے کا مفہوم یہ کہ اللہ ہر طرف موجود ہے اور دوسرے کا یہ کہ خدا تیرے منہ کی طرف دیکھتا رہتا ہے تو جدھر منہ پھیرے خدا بھی اسی طرف پھیر لیتا ہے اس ترجمہ سے خدائی توہین کا پہلو نکلتا ہے نیز آیت کے الفاظ بھی اس تفسیر کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ (تولوا) صیغہ جمع ہے معنی "جدھر تم سب منہ پھیرو"۔ اور مرزا صاحب اسے واحد بنا کر معنی کرتے ہیں۔ "جدھر تیرا منہ" یہ "تیرا" کہاں سے آگیا۔

دوم ۔ قرآن حکیم میں حضور علیہ السلام کے کئی غزوات کا ذکر موجود ہے

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ (آل عمران)

(اللہ نے تمہیں بدر میں فتح دی۔ حالانکہ تم کمزور تھے)

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ ۙ وَّيَوۡمَ حُنَيۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡـًٔا ...... (التوبہ)

(اللہ نے کئی میدانوں میں تمہاری مدد کی خصوصاً جنگ حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پہ مغرور ہو گئے تھے۔ وہاں دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست سے نہ بچا سکی ......)

جنگِ احزاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ۔

(اِذ جَآءُوکُم مِّن فَوقِکُم وَمِن اَسفَلَ مِنکُم وَاِذ زَاغَتِ الاَبصَارُ وَبَلَغَتِ القُلُوبُ الحَنَاجِرَ ۝)

(یاد کرو وہ دن جب کفار سر بلندی و پستی سے تم پر ٹوٹ پڑے تھے جب تمہاری آنکھیں فرطِ خوف سے پھرا گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے ۔)

اسی طرح باقی جنگوں کی تفصیل بھی قرآن میں درج ہے لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی ۔ جب جناب مرزا صاحب کا یہ قول پڑھتے ہیں ۔

" آنحضرت صلعم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا اور پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام و نشان نہیں ۔ "

(شہادۃ القرآن صد ۴)

قرآن حکیم میں زلزلۂ آخرت کا منظر کئی مقامات پہ پیش کیا گیا ہے ۔ ان میں سے ایک مقام یہ ہے ۔

اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ۔ فَاِذَا النُّجُومُ طُمِسَت وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَت وَاِذَا الجِبَالُ نُسِفَت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَت ۔ لِاَیِّ یَومٍ اُجِّلَت لِیَومِ الفَصلِ ۝

(جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۔ وہ آکر رہے گی اس روز ستارے بے نور ہو جائیں گے ۔ آسمان پھٹ جائے گا پہاڑ اڑ جائیں گے اور رسول وقتِ معین پر جمع کیے جائیں گے انبیاء کا معاملہ کس روز کے لیے ملتوی ہوتا رہا ۔ اسی روز کے لیے جو یوم الفصل یعنی فیصلے کا دن ہے ۔)

یہ آیات قیامت کے ذکر سے شروع ہو کر قیامت ہی پہ ختم ہوتی ہیں درمیان میں علاماتِ قیامت کا ذکر ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس روز انبیا ایک خاص وقت پہ میدانِ محشر میں ہوں گے اور ان کے مقدمات پہ غور ہو گا۔

لیکن جناب مرزا صاحب وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝

کا ترجمہ یہ فرماتے ہیں۔

"اور جب رسول وقت مقرر پہ لائے جائیں گے اور یہ اشارہ دراصل مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے۔ (شہادت القرآن صـ۲۴)

مسیح موعود کی طرف اشارہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ الرُّسُلُ جمع ہے اور مسیح موعود کا دعویٰ یہ ہے کہ امت محمدیہ میں صرف ایک رسول پیدا ہوا یعنی مسیح موعود اور وہ خاتم الخلفا بھی ہے جب اس امت میں کسی اور رسول کی بعثت مقدر ہی نہیں تو پھر الرُّسُلُ (بہت سے انبیاء) سے ایک مسیح موعود کیسے مراد لیا جا سکتا ہے۔ قواعدِ زبان اس تفسیر کی اجازت نہیں دیتے۔

سوم۔ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت نُفِخَ فِی الصُّوْرِ ہے۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ۝

(جب وہ کرنا پھونکی جائے گی تو ساکنانِ ارض و سما کی چیخیں نکل جائیں گی۔ اور جب دوسری مرتبہ پھونکی جائے گی تو لوگ قبروں سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔)

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ "کرنا" سے مراد مسیح موعود ہے (شہادۃ القرآن صے ۲۵) بہت اچھا مسیح موعود سہی لیکن پہلی پھونک پر اہل زمین و آسمان کے چیخ اٹھنے اور دوسرے پر مردوں کے جی اٹھنے سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے ایک ضلالت کا زمانہ اور اس میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنی شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہو جائے گی (لیکن قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ پہلی پھونک پر اہل زمین و آسمان کی فریادیں نکل جائیں گی اور آپ فرماتے ہیں کہ غفلت سی طاری ہو گی۔ یہ غفلت اور چیخ کا آپس میں کیا تعلق غفلت میں تو نیند آتی ہے نہ کہ چیخیں نکلتی ہیں۔ (برق)

اور پھر دوسرا زمانہ ہدایت کا آئے گا پس ناگاہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ (شہادت القرآن صے ۲۶)

ملاحظہ فرما لیا آپ نے جناب مرزا صاحب کا انداز تفسیر۔

- چہارم۔ ازالۂ اوہام جلد اوّل صے ۱۶ پر قرآن کی آیہ ذیل نقل کرنے کے بعد ایک عجیب ترجمہ کرتے ہیں۔

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۝

(نیکی کی راہوں سے روکنے والا زناکار اور با ایں ہمہ نہایت درجہ کا بدخلق اور ان سب عیبوں کے بعد ولد الزنا بھی ہے۔)

آپ نے اثیم کے معنی زناکار اور زنیم کے معنی ولد الزنا کیے

ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کا مصنف یعنی اللہ اس طرح کی "شستہ زبان" استعمال کیا کرتا تھا اور کیا کوئی مہذب انسان اس اندازِ گفتگو کی برداشت کر سکتا ہے؟ آیئے دیکھیں کہ اہلِ زبان نے ان الفاظ کے کیا معنی بتائے ہیں۔

اثیم۔ کا ماخذ ہے اِثم۔ بمعنی گنہ گار۔ (قاموس و منجد)

قرآن میں اِثم کا لفظ بیسیوں جگہ استعمال ہوا ہے کہیں بھی زنا کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ مثلاً اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ؎ یہ قرآن کی آیت ہے کیا آپ اس کی تفسیر یہ کریں گے کہ بعض ظن زنا ہیں؟ حضور علیہ السلام کا خط شاہِ ایران کے نام پڑھیے۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

(اگر تم اسلام نہ لائے تو مجوس کا گناہ تیری گردن پہ رہے گا)

کیا یہاں بھی گناہ سے مراد زنا ہے؟ اثیم کے معنی ہیں گنہگار وبس گناہ سیکڑوں ہو سکتے ہیں۔ ان تمام کو چھوڑ کر زنا مراد لینا کسی طرح بھی روا نہیں

اسی طرح زنیم کا ترجمہ ولدالزنا بھی درست نہیں۔ المنجد میں درج ہے۔ الزَّنِیْم: اَللَّئِیْمُ (بخیل۔ بدبخت) اَلدَّعِیُّ (متبنّیٰ)

اَللَّاحِقُ بِقَوْمٍ لَیْسَ مِنْھُمْ وَلَا ھُمْ یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْہِ ؎

(قوم میں کسی ایسے آدمی کی شمولیت جو اس قوم میں سے نہ ہوا اور نہ قوم کو اس کی ضرورت ہو۔)

منتہی الارب میں مذکور ہے۔

زنیم۔ کامیر۔ مردے از قومے چسپیدہ کہ نہ از

ایشاں بود دلپسر خواندہ (متبنّٰی) دنا کس
وسعت فرمایہ و بدخو کہ در زناکسی معروف باشند۔

بس یہ ہیں زنیم واثیم کے معانی لغات عرب میں۔ نہ جانے یہ زناکار و ولدالزنا کے مفاہیم آپ نے کہاں سے لیے۔

• پنجم۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پہ پیروانِ رسول کو خیرالامم کہا گیا ہے۔
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۞
(تم ایک بہترین قوم ہو۔ جو دنیا کی اصلاح کے لیے اٹھی)
اُخْرِجَتْ : نکالی گئی۔ پیدا کی گئی۔
لِلنَّاسِ : لِ = لیے۔ ناس = انسانوں۔
یعنی انسانوں کے لیے

مطلب یہ کہ تمہارا مقصد نوعِ انسان کی اصلاح و فلاح ہے بات سیدھی سی تھی۔ لیکن جناب مرزا صاحب نے اس کی وہ تفسیر پیش کی کہ یہ آیہ معمّا بن کر رہ گئی۔ فرماتے ہیں۔

"الناس کے لفظ سے دجّال ہی مراد ہے"۔

(ازالہ ج اوّل ص ۳۴)

یعنی اے مسلمانو! تم دجّال کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ کیا مطلب؟ کہ مسلمانوں نے صرف دجّال کی اصلاح کرنا ہے؟ یا یہ مطلب ہے کہ ہم سب دجّال کے لیے پیدا ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہے ہمیں استعمال کرے۔ آخر للناس کا لام برائے انتفاع ہے پھر الناس جمع ہے اور دجّال مفرد۔ جمع

سے مفرد کیسے مراد ہوا۔

• ششم۔ خطبہ الہامیہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ صراط الذین انعمت علیہم سے مراد وہ ابدال و اولیا ہیں جو مسیح موعود پر ایمان لائے اور مغضوب و ضالین سے مراد میرے منکر ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ نماز پڑھنے کے باوجود مجھ پہ ایمان نہیں لاتے اور مجھ سے بیعت نہیں کرتے۔

(ملخص خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۲۴ - ۱۲۷)

یہ تفسیر محتاج تبصرہ نہیں۔

• ہفتم۔ قرآن میں حضرت آدم کو مخاطب کر کے کہا گیا۔

یٰآدمُ اسکن اَنتَ وَزوجُکَ الجنّۃَ

(اے آدم تو اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں مقیم ہو جا۔)

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہی آیت دو پیرایوں میں مجھ پر دوبارہ نازل ہوئی۔ ایک کے الفاظ یہی تھے اور دوسرے میں آدم کی جگہ لفظ مریم تھا۔ بہر حال مخاطب آدم ہو یا مریم معنوں کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا جناب مرزا صاحب اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں۔

• اوّل۔ اے آدم تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجاتِ حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔

(براہین حاشیہ در حاشیہ ۳ صفحہ ۴۹۶)

• دوم۔ "اے آدم تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت

میں داخل ہو۔" (اربعین نمبر۱ صفحہ ۱۶)

پہلی تفسیر میں صرف دوست جنت میں گیا تھا۔ اس میں بیوی بھی شامل ہو گئی۔ اور آیت وہی ہے۔

• سوم۔ " اے مریم (آدم کی جگہ مریم) تو مع اپنے دوستوں کے بہشت میں داخل ہو۔"

(کشتی نوح صفحہ ۴۵)

بیوی پھر رہ گئی۔

• چہارم۔ " اے مریم! تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت میں داخل ہو۔"

(اربعین نمبر۱ صفحہ ۱۶)

بیوی پھر آگئی۔ لیکن یہ عجیب قسم کی مریم ہے جس کی بیوی بھی ہے

• پنجم۔ " میں توام (جوڑا) پیدا ہوا تھا۔ میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کا نام جنت تھا اور یہ الہام کہ یآدم اسکن ....
جو آج سے بیس برس پہلے براہین کے صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے اس میں جو جنت کا لفظ ہے اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ لڑکی جو میرے ساتھ پیدا ہوئی اس کا نام جنت تھا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۵۶)

• ششم۔ یآدم اسکن انت و زوجک الجنۃ۔ یا مریم اسکن .... یا احمد اسکن ....

اس جگہ تین جگہ مَرْوَجْ کا لفظ آیا ہے اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے ہیں۔

"پہلا نام آدم۔ یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ کے وقت میں مریم نام رکھا۔ کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی جس کو مسیح سے مشابہت ملی .... اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۴)

لیکن تیسری زوجہ کا انتظار آخر تک انتظار ہی رہا تو ملاحظہ فرمالیا آپ نے کہ جناب مرزا صاحب کے ہاں قرآنی معارف کا ذخیرہ کس قسم کا تھا۔

نِشانات

نشانات سے مراد جناب مرزا صاحب کی پیشگوئیاں۔ قبول شدہ دعائیں اور آپ کی بعثت کے متعلق دوسروں کے کشف وغیرہ ہیں آپ کو خدائی تائید کے متعلق اس قدر یقین تھا کہ بارہا مخالفین سے کہا۔

اے میرے مخالف الرائے مولویو .... مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ مِل جل کر یا ایک آپ میں سے ان آسمانی نشانوں میں میرا مقابلہ کرے گا۔ جو اولیاء الرحمٰن کے لازم حال ہوا

کرتے ہیں. تو خدا تمہیں شرمندہ کرے گا اور تمہارے پردوں کو پھاڑے گا اور اس وقت تم دیکھو گے کہ وہ میرے ساتھ ہے ...

.... یاد رکھو کہ خدا صادقوں کا مددگار ہے۔

(ازالہ ج. اوّل۔ طبع دوم صد آغاز ازالہ)

"کیا یہ ہیبت اور رعب باطل میں ہوا کرتا ہے کہ تمام دنیا کو مقابلہ کے لیے کہا جائے اور کوئی سامنے نہ آسکے ....

.... انہیں میرے مقابلہ پہ روحانی امور کے موازنہ کے لیے کھڑا کریں۔ پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ میری حمایت کرتا ہے یا نہیں۔"

(حاشیہ ازالہ جلد اوّل صد ۴۹)

ان نشانات پہ بحث کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا مناسب ہے کہ ان کی تعداد کیا تھی۔

نشانوں کی تعداد

- ا۔ ۱۸۹۱ء میں فرماتے ہیں۔

ایسا ہی صدہا نشان ہیں. جن کے گواہ موجود ہیں کیا ان دیانتدار مولویوں نے کبھی ان نشانوں کا بھی نام لیا۔

(آسمانی فیصلہ صد ۳۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۱ء میں نشانوں کی تعداد سیکڑوں

تک پہنچی تھی ممکن ہے چار سو سات ہو یا نو سو ہو۔ بہر حال ہزار سے کم تھی۔

۲۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں ارشاد ہوا۔

پھر ماسوا اس کے آج کی تاریخ تک جو ۱۱۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ ستمبر سنہ ۱۸۹۳ء اور نیز مطابق ۸۔ اسوج سمت ۱۹۵۰ اور روز جمعہ ہے۔ اس عاجز سے تین ہزار سے کچھ زیادہ ایسے نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

(شہادت القرآن صہ ۷۴)

۳۔ سنہ ۱۸۹۹ء تک نشانات کی تعداد یہی رہی۔

"ہزارہا دعائیں قبول ہو چکی ہیں اور تین ہزار سے زیادہ نشان ظاہر ہو چکا ہے۔"

(تریاق القلوب تصنیف سنہ ۱۸۹۹ء نمبر ۱۱)

۴۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں یہ تعداد گھٹ کر سو کے لگ بھگ رہ گئی اور وہ نشان جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائے وہ سو بھی زیادہ ہیں۔ (اربعین نمبر ۴ حاشیہ صہ ۳۰)

۵۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں بھی تعداد یہی رہی۔

آج تک میرے ہاتھ پر سو سے زیادہ خدا تعالے کا نشان ظاہر ہوا۔ (تحفہ گولڑویہ تصنیف سنہ ۱۹۰۱ء صہ ۸۹)

ذرا وہ سنہ ۱۸۹۳ء کی تحریر دوبارہ پڑھ لیجئے۔

آج کی تاریخ تک .... تین ہزار سے کچھ

زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

یعنی آٹھ برس پہلے تین ہزار اور اب صرف سو۔

• ۶۔ اور صرف ایک سال بعد یعنی ۱۹۰۲ء میں۔

"وہ غیب کی باتیں جو خدا نے مجھے بتلائی ہیں اور پھر اپنے وقت پر پوری ہوئیں وہ دس ہزار سے کم نہیں"۔ (کشتی نوح تصنیف ۱۹۰۲ء ص ۶)

سال میں دس ہزار۔ مہینے میں آٹھ سو تینتیس ہفتے میں دو سو اسی اور ایک دن میں چالیس معجزات سرزد ہوئے۔

• ۷۔ ۱۹۰۵ء میں بھی تعداد ہزارہا تھی۔

"اب تک میرے ہاتھ پر ہزارہا نشان تصدیق رسول اللہ اور کتاب اللہ کے بارے میں ظاہر ہو چکے ہیں"۔

(چشمہ مسیحی تصنیف مارچ ۱۹۰۵ء ص ۱۳)

• ۸۔ صرف ایک سال بعد۔

"اگر خدا تعالیٰ کے نشانوں کو جو میری تائید میں ظہور میں آچکے ہیں۔ آج کے دن تک شمار کیا جائے تو وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے"۔

(حقیقۃ الوحی[1] صفحہ ۶۷)

---

[1] حقیقۃ الوحی کافی ضخیم کتاب ہے جسے جناب مرزا صاحب نے مارچ ۱۹۰۶ء میں لکھنا شروع کیا تھا اور ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو ختم فرمایا یہ اقتباس آغاز کتاب کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۰۶ء کے مارچ تک آپ سے تین لاکھ سے زیادہ نشانات ظاہر ہو چکے تھے (برقؔ)

حساب یوں ہوا۔ سال میں تین لاکھ۔ مہینے میں پچیس ہزار اور دن میں آٹھ سو تینتیس۔ اگر خواب کے لیے آٹھ گھنٹے عبادت کے لیے چار گھنٹے۔ خورد ونوش کے لیے تین گھنٹے ملاقاتیوں کے لیے دو گھنٹے۔ تصنیف وتالیف وعظ وپند اور دیگر حوائج ضروریہ کے لیے چار گھنٹے نکال لیے جائیں تو باقی ہر روز صرف تین گھنٹے (شب وروز میں سے) بچتے ہیں۔ چلو چھ سہی۔ اگر آٹھ سو تینتیس نشانات کو چھ گھنٹوں میں پھیلا یا جائے تو ایک گھنٹے میں ان کی تعداد ایک سو انتالیس اور ایک منٹ میں اندازاً اڑھائی بنتی ہے۔

ایک منٹ میں اڑھائی معجزے!! کیا یہ نشانات اسی رفتار سے صادر ہوتے تھے؟ خود فرماتے ہیں۔

"اور کوئی مہینہ شاذ ونادر ایسا گزرتا ہوگا جس میں کوئی نشان ظاہر نہ ہو۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۹۱)

• ۹۔ صرف چند روز بعد یہی تعداد گھٹ کر سیکڑوں تک رہ جاتی ہے۔

"جو شخص مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۲)

• ۱۰۔ اور دسمبر ۱۹۰۷ء میں پھر ایک لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

"خدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ اس نے میرے ہاتھ پر نشان دکھلائے ہیں۔"

مضمون محررہ ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء

(مندرجہ چشمۂ معرفت ص ۳۶)

• ١١۔ جناب مرزا صاحب کی آخری تحریر "پیغامِ صلح" ہے جو آپ نے رحلت سے صرف دو روز پہلے مکمل فرمائی تھی۔ اس میں فرماتے ہیں۔ "میرے ہاتھ پر اس نے صدہا نشان دکھائے ہیں جو ہزارہا گواہوں کے مشاہدہ میں آچکے ہیں۔"

(پیغامِ صلح تصنیف ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء ص۶)

ان اقتباسات کا ملخص یہ ہوا کہ آپ کے نشانات

• ١	۱۸۹۱ء	میں	صدہا
• ٢	۱۸۹۳ء	"	تین ہزار سے کچھ زیادہ
• ٣	۱۸۹۹ء	"	ایضاً
• ۴	۱۹۰۰ء	"	ایک سو سے زیادہ
• ۵	۱۹۰۱ء	"	ایضاً
• ٦	۱۹۰۲ء	"	دس ہزار
• ٧	۱۹۰۵ء	"	ہزارہا
• ٨	۱۹۰۶ء	"	تین لاکھ
• ٩	اسی سال	"	صدہا
• ١٠	۱۹۰۷ء	"	ایک لاکھ
• ١١ اور	۱۹۰۸ء	"	صدہا تھے

نشانات ایک سو ہوں، دس ہزار ہوں یا تین لاکھ۔ ان تمام کو آج

پچاس برس کے بعد یہ کہنا مشکل ہے۔ اس لیے ہم سطور ذیل میں صرف دس انشانات پر بحث کریں گے۔

۱۔ محمدی بیگم

احمد بیگ ہوشیارپوری جناب مرزا صاحب کے اقربا میں سے تھے وہ ایک مرتبہ مرزا صاحب کے ہاں گئے۔ کیوں؟

تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ (احمد بیگ) کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین کو بیاہی گئی تھی غلام حسین عرصہ پچیس سال سے .... مفقود الخبر ہے اس کی زمین جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے نامبردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کر دی گئی تھی اب حال کے بندوبست میں ...... نامبردہ .... نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین .... اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرا دیں ...... چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا اس لیے مکتوب الیہ (احمد بیگ) نے بہ تمام تر عجز و انکساری ہماری طرف رجوع کیا تاہم اس ہبہ پہ .... دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے لیکن یہ خیال آیا کہ ایک مدت سے .... ہماری عادت ہے جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیے .... پھر استخارہ کیا .... اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص

کی دخترکلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ .... یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا .... لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔

پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لیے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لا دے گا ....

(اشتہار از طرف خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

اس پیش گوئی کے اجزا یہ ہیں

- اول نکاح نہ ہوا تو لڑکی کا انجام برا ہوگا۔ اور درمیانی زمانے میں اس پر مصائب نازل ہوں گی۔
- دوم جس سے بیاہی جائے گی وہ شخص نکاح کے بعد اڑھائی سال تک فوت ہو جائے گا۔
- سوم احمد بیگ تین سال تک مر جائے گا۔

• چہارم　　ان کے گھر میں تنگی و تفرقہ پڑے گا۔

•• پنجم　　اور انجام کار وہ لڑکی جناب مرزا صاحب کے نکاح میں آئے گی۔

یہ پیشگوئی الہامی تھی۔ یہ اللہ کا فرض تھا کہ وہ اس نکاح کا انتظام کرتا اور مسیح موعود خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن خدائی وعدہ کے باوجود جناب مرزا صاحب نے بھی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ مثلاً:۔

• ۱　احمد بیگ کو لکھا۔

اے عزیز سنیے! آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ میری سنجیدہ بات کو لغو سمجھتے ہیں۔ میں یہ عہد استوار کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ اگر آپ نے۔۔۔۔۔۔۔۔ میری بات کو مان لیا تو میں اپنی زمین اور باغ میں آپ کو حصہ دوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی لڑکی کو اپنی زمین اور مملوکات کا ایک تہائی دوں گا۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں سے جو کچھ مانگیں گے آپ کو دوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔ آپ مجھے مصیبتوں میں اپنا دستگیر اور بار اٹھانے والا پائیں گے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۷۳)

• ۲　دوبارہ لکھا۔

ہزاروں پادری شرارت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشگوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ

عاجز .... آپ سے ملتمس ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے معاون بنیں تاکہ خدا تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔

(منقول از کلمۂ فضل ربانی مولفہ قاضی فضل احمد)

۲ پھر دھمکی دی۔

(پہلی بیگم سے جناب مرزا صاحب کے دو بیٹے تھے۔ فضل احمد اور سلطان احمد۔ فضل احمد کی شادی مرزا علی شیر بیگ کے ہاں ہوئی تھی احمد بیگ مرزا علی شیر کا سالا تھا۔ آپ نے ایک خط مرزا علی شیر کی زوجہ کو اور دوسرا خود علی شیر کو لکھا۔ مضمون یہ)

مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم

میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی (محمدی) کا نکاح ہونے والا ہے۔ اور آپ کے گھر کے لوگ (بیوی) اس مشورے میں ساتھ ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس مشورہ کے شریک میرے سخت دشمن ہیں .... عیسائیوں کو ہنسانا ...... ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار و ذلیل کیا جاوے اور رُوسیاہ کیا جاوے .... میں نے ان کی (آپ کی بیگم) خدمت میں لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادے سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی (احمد بیگ)

..............ایک طرف جب

محمدی کو اس نکاح سے روک نہ دیں۔ تو پھر

لڑکی کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دوسری طرف سے فضل احمد آپ کی

لڑکی کو طلاق دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کر دوں گا۔ (مکتوب مرزا صاحب محررہ ۲۵ مئی ۱۸۹۱ء)

سوچنے کا مقام ہے کہ نکاح کی بشارت اللہ نے دی۔ تشہیر مسیح موعود نے کی۔ اڑ بیٹھے لڑکی کے والدین اور پٹ گیا غریب فضل احمد جسے بیوی کو چھوڑنے اور محروم الارث ہونے کا نوٹس مل گیا کوئی پوچھے کہ اس کا کیا قصور ہے؟ اگر قصور تھا تو صرف خدا تعالیٰ کا جس نے اپنی بجلیوں دباؤں اور تازہ بانوں سے کام نہ لیا بات کہہ ڈالی اور اسے منوانے کا کوئی انتظام نہ کیا۔

۵

دوسرے بیٹے سلطان احمد (نائب تحصیلدار لاہور) کے متعلق ایک اشتہار نکالا جس میں درج تھا۔

"میرا بیٹا سلطان احمد..............اور اس کی تائی.....

اس تجویز میں ہیں کہ عید کے دن یا اس کے بعد اس لڑکی کا کسی سے نکاح کیا جائے.......لہٰذا میں آج کی تاریخ سے کہ ۲ مئی ۱۸۹۱ء ہے عوام اور خواص پہ بذریعہ اشتہار ہذا ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے باز نہ آئے.............تو اسی نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوگا۔ اور اسی روز سے اس کی والدہ پہ میری طرف سے طلاق ہے۔"

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم صـ۹)

کتنے گھر برباد ہوئے۔

۱۔ فضل احمد کا گھر

۲۔ دونوں بھائی محروم الارث اور عاق

۳۔ دونوں کی والدہ کو طلاق۔

اصل پیش گوئی کی عبارت پھر پڑھیے۔ "ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی پڑے گی"۔ اور دیکھیے کہ تفرقہ کی مصیبت کہاں جا ٹوٹی۔

پھر کیا ہوا یہی کہ عید کے معاً بعد (مئی ۱۸۹۱ء) محمدی بیگم کا نکاح سلطان احمد سے ہو گیا۔ نکاح کے بعد بھی جناب مرزا صاحب کو اپنی وحی پہ ایمانِ کامل رہا۔

۱۸۹۲ء میں اس پیشگوئی کی عظمت پہ بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ

۔۔۔۔۔۔۔ پیشگوئی ۔۔۔۔ بہت ہی عظیم الشان ہے

کیونکہ اس کے اجزا یہ ہیں۔

۱۔ کہ مرزا احمد بیگ تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔

۲۔ پھر داماد اس کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔

۳۔ پھر یہ کہ احمد بیگ تا روزِ شادیِ دُخترِ کلاں فوت نہ ہو۔

۴۔ اور پھر یہ کہ وہ دختر تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو۔

۵ اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو۔

۶ اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔

(شہادۃ القرآن صفحہ ۸۱)

۱۸۹۴ء میں ارشاد ہوا۔

اے خدائے قادر و علیم اگر آتھم کا عذاب مہلک میں گرفتار ہونا اور احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں آنا۔ یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔

(اشتہار مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۸۶)

۱۸۹۶ء میں کہا۔

اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آجانا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے الہام الٰہی میں یہ کلمہ موجود ہے کہ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ (اللہ کی بات بدل نہیں سکتی) یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔

(اعلان ۶ ستمبر ۱۸۹۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۱۵)

۱۹۰۱ء میں فرمایا۔

اور ایک حصہ پیشگوئی کا یعنی احمد بیگ کا میعاد کے اندر فوت ہو جانا حسب منشائے پیشگوئی صفائی سے پورا ہو گیا اور دوسرے کی انتظار ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص۶۴)

۱۹۰۲ء میں اعلان کیا۔

"یاد رکھو کہ اس (محمدی بیگم والی) کی دوسری جزء پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ (پیش گوئی) انسان کا افترا نہیں یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۴)

اور ایک صفحہ پہلے اسی پیشگوئی کے متعلق لکھا۔

جس وقت یہ سب باتیں پوری ہو جائیں گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی دن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہایت صفائی سے (مخالفین کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳)

مئی ۱۸۹۱ء میں نکاح ہوا۔ حسب پیشگوئی سلطان احمد (شوہر محمدی بیگم) کو دسمبر ۱۸۹۲ء سے پہلے فوت ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ اس کے بعد بھی تقریباً چالیس برس تک زندہ رہا۔ اس کے متعلق ۱۹۰۲ء میں ذرے ہیں

شاتانِ تذبحان .... دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ پہلی بکری سے مراد احمد بیگ ہے اور دوسری سے مراد اس کا داماد .... اور پھر اللہ نے فرمایا کہ .... غم مت کر۔ کیونکہ ایسا ہی ظہور میں آئے گا .... کیا دنیا میں کوئی اور شخص موجود ہے جس کی تحریروں میں یہ عظیم الشان سلسلہ پیشگوئیوں کا پایا جائے یقیناً کوئی سخت بے حیا ہوگا جو اس فوق العادت سلسلے سے انکار کرے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۵۵، ۵۷)

یہ سلسلہ امید جاری رہا اور ۱۹۰۵ء میں ارشاد ہوا۔

" وحی الہٰی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیاہی نہیں جائے گی یہ تھا کہ ضرور ہے کہ اوّل دوسری جگہ بیاہی جائے .... خدا پھر اس کو تیری طرف لائے گا۔" (الحکم۔ ۳۰ جون ۱۹۰۵ء ص۲)

جب ۱۸۸۸ء کی پیش گوئی تقریباً بیس برس تک پوری نہ ہوئی اور جناب مرزا صاحب پوری طرح مایوس ہو گئے تو آپ نے ۱۹۰۷ء میں لکھا:

" خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ کہ ایتھا المرأۃ توبی توبی فان البلاء علیٰ عقبک اے عورت توبہ کر۔ توبہ کر۔ کہ مصائب تیرا پیچھا کر رہے ہیں پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲)

پیش گوئی کو دوبارہ غور سے پڑھیے۔ یہ نئی شرط وہاں نہیں ملے گی اچھا مان لیا کہ تھی اور ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تھا نتیجۃً نکاح فسخ یا موخر ہو گیا تھا تو پھر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۵ء تک پورے چودہ برس مسلسل یہ کیوں کہتے رہے کہ خدا پھر اس کو تیری طرف لائے گا۔ کیا فسخ نکاح کی اطلاع اللہ نے آپ کو نہیں دی تھی۔ پھر یہ بات بھی میری ناقص سمجھ سے بالاتر ہے کہ عورت کے توبہ کرنے سے نکاح کا رشتہ کیسے ٹوٹ گیا۔

"یہ درست ہے کہ اس عورت کا آسمان پر میرے ساتھ نکاح پڑھا گیا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲)

اگر کوئی بیوی کسی گناہ سے توبہ کرے تو کیا اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ نکاح پڑھا اللہ نے زبردستی کی اس کے اقربا نے کہ سلطان احمد کے حوالے کر دی فضل احمد اور سلطان احمد کی والدہ کو طلاق دی جناب مرزا صاحب نے اور توبہ کرے محمدی بیگم۔ کس بات پر؟ مان لیا کہ محمدی بیگم نے قصور کیا اور اس نے توبہ کر لی تو پھر وہ اللہ کا باندھا ہوا رشتہ نکاح کیسے ٹوٹ گیا کھولیے فقہ کی کوئی کتاب اور پڑھیے باب النکاح کیا وہاں کوئی ایسی دفعہ موجود ہے کہ اگر بیوی گناہوں سے تائب ہو جائے تو وہ شوہر پہ حرام ہو جاتی ہے۔

اس ناول میں ایک اور معمہ بھی حل طلب ہے۔

خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ اسے عورت

توبہ کرو ۔۔۔۔۔۔ جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کردیا تو نکاح یا فسخ ہو گیا ، یا تاخیر میں پڑ گیا ۔

شرط کا تعلق صرف عورت سے تھا لیکن اسے پورا کیا "ان لوگوں نے" کن لوگوں نے ؟ عورت کے اقربا نے ؟ کس طرح ؟ کیا وہ تائب ہو کر معافی مانگنے آئے تھے ۔ کیا انہوں نے سلطان احمد کو مجبور کیا تھا کہ وہ محمدی بیگم کو طلاق دے دے ؟ کیا وہ حلقہ بیعت میں شامل ہو گئے تھے ؟ اگر ان میں کوئی بات ہی واقع نہیں ہوئی تو پھر "ان لوگوں" نے اس شرط کو پورا کیسے کیا ؟

یہ جملہ بھی خوب ہے ۔

" نکاح یا تو فسخ ہو گیا ۔ یا تاخیر میں پڑ گیا "

آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ نکاح آسمان پہ پڑھا جا چکا تھا ، تو پھر تاخیر میں کیسے پڑ گیا اور اگر فسخ ہو گیا تھا تو اللہ کا فرض تھا کہ اپنے رسول کو مطلع کرتا پورے انیس برس تک آپ اس عورت کی واپسی کے منتظر رہے اور اللہ نے ایک مرتبہ بھی یہ نہ فرمایا کہ انتظار نہ کیجیے ، ہم نکاح فسخ کر چکے ہیں یہ جملہ صاف بتاتا ہے کہ جناب مرزا صاحب کو اللہ کی طرف سے قطعاً کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی تھی ، ورنہ وہ متردد انہ انداز میں یہ نہ کہتے " فسخ ہو گیا ہے یا تاخیر میں پڑ گیا ہے " نکاح فسخ ہوا تھا یا موخر ، اللہ کو تو معلوم تھا ۔ اگر اللہ اپنے رسول کو بھی حقیقت حال سے مطلع کر دیتا تو وہ فسخ و تاخیر میں سے صرف ایک صورت کا ذکر کرتے

پھر پڑھیے :- ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کسی خبیث مفتری

اے احمقو ! یہ پیشگوئی ۔۔۔۔۔۔

کا کاروبار نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے وہی خدا جس کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔ (۱۹۰۲ء)

اور بار خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیشگوئیوں سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔

(تبلیغ رسالت ج۔ اول صـ ۱۱۸)

۲۔ ڈپٹی آتھم

جون ۱۸۹۲ء کا واقعہ ہے کہ امرتسر کے مقام پر ایک زبردست مباحثہ ہوا۔ عیسائیوں کی طرف سے عبداللہ آتھم تھے اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب۔ پندرہ دن تک یہ مباحثہ جاری رہا۔ مباحثہ کا موضوع تثلیث تھا آخری دن جناب مرزا صاحب نے ایک اہم اعلان فرمایا جس کے الفاظ یہ تھے۔

آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر ہو رہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اس کو سخت ذلت

پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجا کھے کیے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔

(پیشگوئی ۵ جون ۱۸۹۳ء مندرجہ جنگِ مقدس ص ۱۸۸)

پیشگوئی کا خلاصہ یہ نکلا۔

کہ جو فریق عاجز انسان (مسیحؑ) کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ (یعنی ۵۔۹۔ ستمبر ۱۸۹۴ء) تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔

اس پیشگوئی میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ ہاویہ اور حق۔ ہاویہ کی تشریح خود مرزا صاحب یوں فرماتے ہیں۔

"بشرنی ربی بعد دعوتی بموتہٖ الیٰ خمسۃ عشرا شھرٍ من یومِ خاتمۃ البحث۔" (کرامات الصادقین سرورق)

(میری دعا کے بعد اللہ نے مجھے بتایا کہ آتھم خاتمۂ بحث کے بعد پندرہ ماہ کے اندر مر جائے گا۔)

یاد رکھیے کہ ہاویہ کی تشریح خدائی ہے بشرنی ربی جو اللہ نے بتائی ہے۔

باقی رہا لفظ حق۔ تو پیشگوئی کے یہ الفاظ پھر پڑھیے۔

"جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔"

یعنی جھوٹ سے مراد عاجز انسان کو خدا بنانا ہے اور سچ کیا ہے ؟

" اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے ۔"

ایک خدا کو ماننا اس پیشگوئی کے رو سے رجوع الی الحق کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے ۔ یعنی تثلیث سے تائب ہو کر توحید قبول کرنا ۔

اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر آپ کو کتنا یقین تھا الفاظ ذیل میں دیکھئے :۔

" اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لیے تیار ہوں ۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے رُو سیاہ کیا جاوے ، میرے گلے میں رسا ڈال دیا جاوے ۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے ۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ۔ ضرور کرے گا ، زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی بات نہ ٹلے گی ۔"

(جنگِ مقدس ص ۱۸۸)

دن گزرتے گئے اور احمدی حلقوں میں اضطراب بڑھتا گیا خود مرزا صاحب بے حد پریشان تھے کہ میعاد میں صرف چودہ دن رہ گئے ہیں اور آتھم ہر طرح بخیر و عافیت ہے چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں ۔

مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب السلام علیکم و رحمتہ اللہ عنایت نامہ معہ کارڈ پہنچا ۔ اب تو صرف چند روز (چودہ روز) پیش گوئی میں

رہ گئے ہیں۔ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو امتحان سے بچا دے۔ شخص معلوم (آتھم) فیروز پور میں ہے اور تندرست دفعہ ہے خدا تعالیٰ اپنے ضعیف بندوں کو ابتلا سے بچا دے۔ آمین ثم آمین۔ مولوی صاحب کو بھی لکھیں کہ اس دعا میں شریک رہیں۔ والسّلام

(خاکسار غلام احمد از قادیان ۲۲ر اگست ۱۸۹۴ء)

یہاں تک کہ آخری دن آگیا۔

بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مجھ سے اور میاں حامد علی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (تعداد یاد نہیں رہی ......) لے لو اور ان پر فلاں سورت کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو۔ (وظیفے کی تعداد بھی یاد نہیں) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورت بھی یاد نہیں رہی۔ مگر اتنا یاد ہے کہ وہ چھوٹی سی سورت تھی .... ہم نے یہ وظیفہ ساری رات صرف کر کے ختم کیا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے .... اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب

میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینک دیا۔ اور جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہ دیکھا۔

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ ۱۵۹)

ان تمام حیلوں، دعاؤں اور ذلیفوں کے باوجود آتھم صحیح وسالم باقی رہا۔ ۶ ستمبر کی صبح کو عیسائیوں اور دیگر فرقوں نے امرتسر، لدھیانہ اور بعض دیگر شہروں میں وہ جلوس نکالے۔ وہ وہ نعرے کسے۔ اس قدر گالیاں دیں ایسے ایسے پوسٹر چسپاں کیے کہ خدا کی پناہ۔ عیسائی تو رہے ایک طرف۔ خود مسلمانوں نے بڑا ہلڑ مچایا۔ جا بجا منظوم و منثور اشتہارات چسپاں کیے۔ چند اشتہارات کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

اوّل[1]: "........... مرزا قادیانی تمام مخلوق کی نظروں میں .... رسوا ہوا .... حکیم نور الدین کہاں ہیں .... خواجہ صاحب لاہوری کہاں ہیں۔ سچ ہے وَلَو تَقَوَّلَ عَلَینَا ...." (امرتسر کے مسلمانوں کا اشتہار مورخہ ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء)

---

[1] ہمیں ان اشتہارات کے نقل کرنے میں روحانی کوفت ہوئی۔

دوم - ہوا بحث نصاریٰ میں یہ آخر
مسیحائی کا یہ انجام مرزا
زمین و آسمان قائم ہیں لیکن
ترے وہ ٹل گئے احلام مرزا

سوم - غضب تھی تجھ پہ ستمگر چھٹی ستمبر کی
نہ دیکھی تو نے نکل کر چھٹی ستمبر کی
ذلیل و خوار ندامت سے منہ چھپاتے تھے
ترے مریدوں پہ محشر چھٹی ستمبر کی

عیسائیوں کی طرف سے بھی بڑی تعداد میں دل آزار پوسٹر شائع ہوئے

مثلاً:- اوّل - ایسی مرزا کی گت بنائیں گے
سارے الہام بھول جائیں گے
خاتمہ ہوئے گا نبوت کا
پھر فرشتے کبھی نہ آئیں گے

دوم - پنجۂ آتھم سے مشکل ہے رہائی آپ کی
توڑ ہی ڈالیں گے وہ نازک کلائی آپ کی
جھوٹے ہیں باطل ہیں دعوے قادیانی کے سبھی
بات سچی ایک بھی ہم نے نہ پائی آپ کی

خوب ہے جبریل اور الہام والا وہ خدا
آبرو سب خاک میں کیسی ملائی آپ کی

سوم: اب دام مکر اور کسی جا بچھائیے
بس ہو چکی نماز مصلے اٹھائیے

وغیرہ وغیرہ

ہم نے ان اشتہارات میں سے نسبتاً مہذب اقوال انتخاب کیے ہیں ورنہ ان میں مغلظات کا وہ ہجوم ہے کہ نقل کرنے بھی حجاب آتا ہے۔ ان اشتہارات سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ آتھم اور اس کے فریق نے پیشگوئی کی شرط رجوع الی الحق کو پورا نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے طغیان و تمرّد پہ ڈٹے ہوئے تھے اور انہوں نے ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء کو جناب مرزا صاحب اور خدا و جبریل کی انتہائی توہین کی نہ صرف ۶ ستمبر کو بلکہ عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل لکھتا رہا۔ اس کی ایک نہایت زہریلی کتاب "خلاصہ مباحثہ" جس میں تثلیث پہ پُرزور دلائل ہیں، توحید کا مضحکہ اڑایا گیا ہے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسی گئی ہیں، اسی زمانے (پندرہ ماہ) کی تصنیف ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں کون کہہ سکتا ہے کہ آتھم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا اور عاجز انسان کو خدا بنانے سے باز آگیا تھا اگر نہیں کیا تھا اور یقیناً نہیں کیا تھا۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ "بسزائے موت ہاویہ" میں کیوں نہیں گرا۔ آخر یہ پیشگوئی اللہ کی طرف سے تھی یہ کسی انسان کا افترا نہیں تھا اور جناب مرزا صاحب نے اللہ جل شانہ

کی قسم کھا کر فرمایا تھا ۔

" وہ ضرور ایسا کرے گا ۔ ضرور کرے گا ۔ ضرور کرے گا ۔

زمین آسمان ٹل جائیں ۔ پر اس کی بات نہ ٹلے گی ۔

مرزا صاحب نے اس سوال کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں ۔

مثلاً ۔ ○ اوّل ۔ کہ خدا اپنے وعدے کو توڑ سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں

چونکہ سزا دینا یا سزا کا وعدہ کرنا خدا تعالیٰ کی ان صفات میں

داخل نہیں ۔ جو امُّ الصفات ہیں ۔ کیونکہ دراصل اس نے انسان کے لیے

نیکی کا ارادہ کیا ہے ۔ اس لیے خدا کا وعید بھی جب تک انسان زندہ ہے اور

اپنی تبدیلی کرنے پر قادر ہے ۔ فیصلہ ناطقہ نہیں ہے ۔ لہٰذا اس کے برخلاف

کرنا کذب یا عہد شکنی میں داخل نہیں ہے ۔

(انجام آتھم حاشیہ صنا)

○ دوم ۔ کہ تو آتھم بظاہر زندہ تھا لیکن دراصل مر چکا تھا ۔

آتھم نے اپنی کمال سراسیمگی سے پیشگوئی کی معیاد میں

دنیا پر ظاہر کر دیا ۔ کہ وہ پیشگوئی کی عظمت سے سخت خوف میں پڑ گیا اور

اس کے دل کا آرام جاتا رہا ۔ اکثر وہ روتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ وغیرہ

آتھم صاحب موت سے پہلے ہی مر گئے اور ہماری سچائی کے پوشیدہ ہاتھ

نے ایسا انہیں دبایا ۔ کہ گویا وہ زندہ ہی قبر میں داخل ہو گئے ۔

(انجام آتھم صلا)

○ سوم ۔ کہ خدا تعالیٰ نے اک نئے الہام کے رُو سے آتھم کو مہلت دے

دی تھی۔

انوار الاسلام صـ۲ میں اس الہام

اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ

" کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے ہم و غم پر اطلاع پائی اور اس کو مہلت دی۔"

(حاشیہ انجام آتھم صـ۲۲)

لیکن "انوار الاسلام" ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء کی تصنیف ہے اور پیش گوئی کی میعاد ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک تھی۔ ایک ماہ بائیس دن گزر جانے کے بعد مہلت دینے کا مطلب؟ مزہ تو تب تھا کہ میعاد سے پہلے الہام مہلت نازل ہوتا تاکہ ۶ ستمبر والے طوفانِ بدتمیزی سے تو نجات ملتی۔

• چہارم۔ سبب اس پیشگوئی کرنے کا یہی تھا کہ اس (آتھم) نے اپنی کتاب اندرونہ بائیبل میں آنحضرت صلعم کا نام دجال رکھا تھا۔ سو اس کو پیش گوئی کرنے کے وقت قریباً ستر آدمیوں کے رُو برُو سنا دیا گیا تھا کہ تم نے ہمارے نبی کو دجّال کہا تھا۔ سو تم اگر اس لفظ سے رجوع نہیں کرو گے تو پندرہ ماہ میں ہلاک کیے جاؤ گے۔ سو آتھم نے اسی مجلس میں رجوع کیا اور کہا کہ معاذ اللہ میں نے آنجناب کی شان میں ایسا لفظ کوئی نہیں کہا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور زبان منہ سے نکالی اور لرزتی ہوئی زبان سے انکار کیا جس کے نہ صرف مسلمان

گواہ بلکہ چالیس سے زیادہ عیسائی بھی گواہ ہوں گے۔ پس کیا یہ رجوع نہ تھا۔ (اعجاز احمدی صـ۲-۳ تصنیف ۱۹۰۲ء)

یہ جواب بوجوہ محلّ نظر ہے۔

• اوّل — اگر آتھم نے واقعی اس جلسے ہی میں (جہاں پیشگوئی سنائی گئی تھی۔) رجوع کر لیا تھا۔ تو پھر آپ پندرہ ماہ تک مضطرب کیوں رہے۔ منشی رستم علی کے خط میں اظہار پریشانی کیوں کیا؟ آخری دن وہ چنے قادیان کے اندھے کنوئیں میں کیوں پھینکے۔ آتھم کو "دراصل مردہ" کیوں قرار دیا۔ اور ۲۲ ستمبر ۱۸۹۴ء کو یہ کیوں اعلان کیا۔

"ماسوا اس کے بعض اور عظیم الشان نشان اس عاجز کے معرض امتحان میں ہیں جیساکہ منشی عبداللہ آتھم امرتسری کی نسبت پیشگوئی جس کی میعاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک ہے۔"

(شہادت القرآن صـ۸۰)

جب رجوع ہو گیا تو پیش گوئی وہیں ختم ہو گئی۔

• دوم — اگر رجوع سے مراد صرف لفظ دجّال سے رجوع تھا تو پیش گوئی میں بھی اس کی وضاحت فرمائی ہوتی۔

"حق" کا لفظ اس قدر وسیع ہے کہ کائنات کی کروڑوں سچائیاں اس کے دامن میں سمائی ہوئی ہیں۔ اتنے وسیع لفظ سے صرف ایک سچائی مراد لینا ایک ایسا تکلف ہے جس کا جواز ایک زبردست قرینہ کے بغیر نکل ہی نہیں سکتا۔ پیشگوئی میں۔

"جو فریق عمداً .... عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے ..

...... ہاویہ میں گرایا جائے گا۔"

کے الفاظ صریحاً تثلیث و توحید کا مفہوم دے رہے ہیں دجّال کا نہ تو یہاں ذکر ہے اور نہ کسی لفظ سے یہ اشارۃً بھی سمجھا جاتا ہے پھر ہم اس تاویل کو کیسے قبول کریں۔

• پنجم کہ پیش گوئی میں پندرہ ماہ کی میعاد تھی ہی نہیں۔ میں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمیوں کے رُو برُو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔

"سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔"

(ضمیمہ تحفۂ گولڑویہ صنا تصنیف ۱۹۰۲ء)

پیش گوئی میں پہلے اور پیچھے کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں تو صرف اتنا ہی ہے، کہ جھوٹا۔

(پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔)

• ششم کہ ہاویہ سے مراد موت نہیں بلکہ دماغی بے چینی تھی جس میں آتھم پورے پندرہ ماہ گرفتار رہا۔ اور اس طرح پیش گوئی پوری ہو گئی۔

اور توجہ سے یاد رکھنا چاہیے کہ ہاویہ میں گرائے جانا جو اصل الفاظِ الہام ہیں۔ وہ عبداللہ آتھم نے اپنے ہاتھ سے پورے کیے اور جن مصائب میں اس نے اپنے تئیں ڈال لیا اور جس طرز سے مسلسل

گھبراہٹوں کا سلسلہ ان کے دامن گیر ہو گیا اور ہول اور خوف نے اس کے دل کو پکڑ لیا۔ یہی اصل ہاویہ تھا۔

(انوار الاسلام ص۵)

پیش گوئی کے الفاظ ذرا سامنے رکھیے۔

" ہاویہ میں گرایا جائے گا ــــــــ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔"

تو گویا آتھم اصل ہاویہ میں گرا دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا تھا۔ لیکن آپ اعجاز احمدی (ص۲) میں فرماتے ہیں۔

" سو آتھم نے اسی مجلس میں رجوع کیا۔"

اگر وہ حق کی طرف رجوع کر چکا تھا۔ تو پھر اسے " اصل ہاویہ" میں کیوں گرا دیا گیا۔ اور اگر نہیں کیا تھا۔ تو زندہ کیوں رہا؟

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

کیا اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ذلت ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ پورا نہ ہوا۔

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص۲۷)

۳۔ پسرِ موعود

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو جناب مرزا صاحب نے الہام ذیل شائع فرمایا۔

خدائے رحیم و کریم .... نے مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا .... تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ترکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا .... اس کا نام عمنوایل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے .... وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا .... اپنے مسیحی نفس سے .... بہتوں کی بیماری کو صاف کرے گا ...... علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ فرزندِ دلبندِ گرامی ارجمند۔ مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعُلا۔ کان اللّٰہ نَزَّلَ مِنَ السّمَاء .... زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت حاصل کریں گی۔

(تبلیغ رسالت ج۔ اوّل صد ۵۸)

• پسرِ موعود کب پیدا ہو گا؟ فرمایا

الیسا لڑکا بموجب وعدہُ الٰہی نو برس کے عرصہ تک (یعنی

۲۰ فروری ۱۸۹۵ء تک ضرور پیدا ہوگا۔)
(اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء تبلیغ رسالت ج اوّل صٓ)

تاریخ اور ضرور کا لفظ نوٹ فرما لیجئے۔

۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو ایک اور اشتہار کے ذریعے اعلان فرمایا۔

جناب الٰہی میں توجہ کی گئی۔ تو آج ۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو .... اب ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔ اس کے بعد یہ الہام ہوا۔

"انہوں نے کہا۔ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں؟

چونکہ یہ عاجز ایک بندۂ ضعیف .... ہے اس لیے اسی قدر ظاہر کرتا ہے۔ جو منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے۔"

(تبلیغ رسالت ج۔ اوّل صٓ)

اس اشتہار میں ایک مدتِ حمل (یعنی نو ماہ کے اندر) تک ایک لڑکا (خواہ وہ پسرِ موعود ہو یا کوئی اور) پیدا ہونے کی بشارت درج تھی لیکن مئی ۱۸۸۶ء میں ایک لڑکی پیدا ہوگئی۔

جب ۷ ، اگست ۱۸۸۷ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اسے پسرِ موعود سمجھ کر اس کا نام بشیر احمد رکھا اور اعلان کیا ۔

اے ناظرین ! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لیے میں نے اشتہار ۸ ، اپریل ۱۸۸۶ء میں پیش گوئی کی تھی اور خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر اپنے ، کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا ۔ آج ۱۶ ، ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ ہجری مطابق ۷ ، اگست ۱۸۸۷ء میں بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولودِ مسیح پیدا ہو گیا ۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک ۔ اس لڑکے کا نام بشیر احمد رکھا گیا ۔

(تبلیغ رسالت ج ۔ اوّل ص ۹۹)

اس اشتہار کی خط کشیدہ سطور کو دیکھیے اور پھر ۸ ، اپریل کے اشتہار کو پڑھیے ۔ وہاں "دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے" کا اشارہ تک نہیں ملے گا ۔

بہر حال یہ لڑکا ۴ ، نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گیا اور جناب مرزا صاحب نے مولوی نور الدین صاحب کو لکھا ۔

مخدومی و مکرمی مولوی نور الدین سلمہٗ اللہ تعالیٰ

السّلام علیکم و رحمتہ اللہ

میرا لڑکا بشیر احمد تئیس روز بیمار رہ کر آج بقضائے ربّ عزّ و جل انتقال کر گیا ۔ انا للہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس واقعہ سے جس قدر مخالفین کی

زبانیں دراز ہوں گی اور موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

(مکتوبات احمدیہ ج پنجم نمبر ۲ مؤلفہ یعقوب علی عرفانی)

اس واقعہ پر ملک میں ایک سخت شور اٹھا اور کئی خوش اعتقادوں کو ایسا دھکا لگا کہ وہ پھر نہ سنبھل سکے۔ حضرت صاحب نے لوگوں کو سنبھالنے کے لیے اشتہاروں اور خطوط کی بھرمار کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ میں نے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا کہ یہی وہ لڑکا ہے۔۔۔۔ میرا یہ خیال تھا کہ شاید یہی وہ موعود لڑکا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص ۸۷)

"جس قدر خدا نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے۔۔۔۔ تیرہ سو برس میں کسی شخص کو بجز میرے آج تک یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱)

اور بار بار فرمایا کہ مجھ پر وحی بارش کی طرح برستی ہے حیرت ہے کہ اس وحی نے پندرہ ماہ میں آپ کو یہ بھی نہ بتایا کہ بشیر احمد عنقریب فوت ہو جائے گا۔ اس لیے یہ پسر موعود نہیں۔ آخر وہ بارش کی طرح برسنے والی وحی کیا کرتی رہتی تھی۔

۴۔ دسمبر ۱۸۸۸ء کو پھر فرمایا۔

۲۰۔ فروری ۱۸۸۱ء کے اشتہار میں جو بظاہر ایک لڑکے کی بابت پیشگوئی کی گئی تھی در حقیقت دو لڑکوں کی بابت پیشگوئی تھی۔ ایک وہ جو

فوت ہو چکا ہے ایک وہ جو آئندہ تولد ہو گا۔

(مرزا صاحب کا خط بنام حکیم نورالدین صاحب

مندرجہ رسالہ تشحیذ الاذہان نمبر ۱۰ جلد ۲ ص۴۱)

۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو شنبہ کے روز آپ کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بشیر اور محمود رکھا گیا لیکن یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ بشیرِ موعود ہے یا کوئی اور۔ فرماتے ہیں۔

"تعجب نہیں کہ یہی لڑکا موعود لڑکا ہو۔ ورنہ وہ بفضلہ تعالیٰ دوسرے وقت پر آئے گا۔" (ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۲ / م۵ ص۱۱۶)

کیونکہ فیصلہ نہ کر سکے اس لیے کہ اصل پیش گوئی میں ایک فقرہ یہ بھی تھا۔ "وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔"

یعنی تین بھائیوں کے بعد آئے گا۔ میعادِ الہام (۲۰ فروری ۱۸۹۵ء) گذر گئی لیکن آپ بدستور منتظر رہے ۱۸۹۷ء میں ارشاد ہوا۔

"ایک اور الہام جو ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا وہ یہ ہے کہ خدا تین کو چار کرے گا۔ اس وقت ان تین لڑکوں کا جو اب موجود ہیں نام و نشان نہ تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اب صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والا ہو گا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم تصنیف ۱۸۹۷ء ص۱۵)

پیشگوئی سے پورے سوا تیرہ برس بعد ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو آپ کے ہاں

ایک اور فرزند کی ولادت ہوئی۔ جس پر بے حد مسرتیں منائی گئیں۔ اور آپ نے پورے وثوق سے اعلان فرمایا۔

میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے۔ اس کی نسبت پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی .... سو خدا نے میری تصدیق اور تمام مخالفین کی تکذیب کے لیے اسی پسر چہارم کی پیشگوئی کو ۱۴ جون ۱۸۹۹ء میں جو مطابق ۴ صفر ۱۳۱۷ھ تھی۔ بروز چہار شنبہ (پیشگوئی میں درج تھا دو شنبہ مبارک دو شنبہ ـــــــــ (برق) پورا کر دیا۔

(تریاق القلوب ص ۴۳)

پیشگوئی میں " دو شنبہ " کا دن درج تھا اس کی تشریح یوں فرمائی۔

چوتھے لڑکے (مبارک احمد) کا عقیقہ پیر کے دن ہوا۔ تا وہ پیشگوئی پوری ہو .... کہ دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔

(تریاق القلوب ص ۱۸)

مبارک احمد کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس لڑکے نے پیدائش سے پہلے یکم جنوری ۱۸۹۷ء ساڑھے انتیس مہینے پہلے، میں بطور الہام یہ کلام مجھ سے کیا .... " مجھ میں اور تم میں ایک دن کی میعاد ہے .... " یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد میں ہی باتیں کیں۔ لیکن اس لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں۔ اور پھر بعد اس کے ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو وہ پیدا ہوا۔ (تریاق القلوب ص ۴۱)

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ جب ولادت سے ساڑھے اُنتیس ماہ پہلے وہ لڑکا پیٹ میں تھا ہی نہیں۔ تو اس نے پیٹ سے باتیں کیسے کیں؟

آٹھ سال بعد

اگست ۱۹۰۷ء میں مبارک احمد تپ میں گرفتار ہو گئے۔ بیماری بڑھ گئی۔ تو نو دن کے بعد جناب مرزا صاحب پر وحی نازل ہوئی۔

"قبول ہو گئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔"

(اخبار بدر ۲۹ اگست ۱۹۰۷ء)

لیکن

"حکیم نورالدین صاحب .... نے نبض پہ ہاتھ رکھا تو چھوٹ چکی تھی۔ انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا حضور کستوری لائیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام چابی لے کر قفل کھول ہی رہے تھے کہ مبارک احمد فوت ہو گیا۔" (خطبہ میاں محمود احمد صاحب الفضل ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۲ء)

ابھی قادیان ماتم کدہ بنا ہوا تھا کہ جبرئیل پھر ایک بشارت لے کر آ گیا۔

جب مبارک احمد فوت ہوا۔ ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے یہ الہام کیا۔

اِنا نبشرک بغلامٍ حلیم ینزل منزل المبارک ؕ یعنی ایک حلیم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہو گا۔ اور اس کا قائم مقام اور اس کا شبیہ ہو گا۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ دشمن خوش ہو۔

اس لیے اس نے بمجرد وفات مبارک احمد کے ایک دوسرے لڑکے کی بشارت دی۔ تا یہ سمجھا جائے کہ مبارک احمد فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے
(اشتہار مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء تبلیغ رسالت ج دہم ص ۱۳۲)

لیکن:

ساڑھے پانچ ماہ بعد جناب مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا اور ۱۹۰۴ء (ولادتِ دختر) کے بعد آپ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

آپ نے دیکھ لیا کہ اس پیش گوئی کے ساتھ تین ضمنی پیش گوئیاں بھی تھیں۔

۱۔ بڑی پیشگوئی — پسرِ موعود کے متعلق

۲۔ ضمنی (۱) اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں لڑکے کی بشارت لیکن لڑکی کا پیدا ہونا۔

(۲) مبارک احمد کی بیماری میں وہ الہام کہ "قبول ہو گئی ۔۔۔ بخار ٹوٹ گیا"۔

(۳) وفاتِ مبارک کے بعد غلام حلیم کی بشارت۔

کیا یہ چاروں پیش گوئیاں پوری ہو گئیں؟ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں جو شخص تحدی کے طور پر ۔۔۔۔۔۔ پیش گوئی اپنے دعویٰ کی تائید میں شائع کرتا ہے، اگر وہ جھوٹا ہے، تو خدا کی غیرت کا ضرور یہ تقاضا ہونا چاہیے، کہ ابداً ایسی مرادوں سے اس کو محروم رکھے۔
(ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۲ ص ۹۰)

۴۔ طاعون اور قادیان

جب اس صدی کے آغاز میں طاعون نے ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا، تو جناب مرزا صاحب نے مختلف پیشگوئیاں شائع کیں۔ مثلاً

• ۱۔ جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دُور نہ ہوگی۔ (دافع البلاء ص۵)

• ۲۔ اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا۔۔۔۔ قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ (دافع البلاء ص۵)

" طاعون دنیا میں اس لیے آئی ہے کہ خدا کے مسیح موعود سے نہ صرف انکار کیا گیا، بلکہ اس کو دُکھ دیا گیا۔۔۔۔۔ یہ طاعون اس حالت میں فرو ہوگی۔ جب لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کر لیں گے۔"

(دافع البلاء ص۸-۹)

" طاعون دنیا میں گو۔۔۔۔۔۔ ستر برس تک رہے قادیان اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رہے گا، کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔ (دافع البلاء ص۱۰)

• ۳۔ جو شخص مجھے نہیں مانتا، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ طوفان میں اپنے تئیں ڈال رہا ہے اور کوئی بچنے کا سامان اس کے

پاس نہیں۔ سچا شفیع میں ہوں۔ (دافع البلاء صـ ۱۳)

۴۔ میں نے خدا سے ایک گروہ انسانوں کے لیے جو میرے قول پر چلنے والے ہیں۔ عذابِ طاعون سے بچنے کے لیے خوشخبری پائی ہے۔ (کشتی نوح صـ ۹)

۵۔ آج سے ایک مدت پہلے وہ خدا ۔۔۔۔۔۔ جس کے علم اور تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اس نے مجھ پر وحی نازل کی کہ میں ہر ایسے شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو اس گھر کی چاردیواری میں ہو گا۔ بشرطیکہ ۔۔۔۔۔ سلسلۂ بیعت میں داخل ہو۔ (کشتی نوح صـ ۲)

اس پیش گوئی کے اجزا یہ ہیں۔

- اوّل۔ کہ قادیان طاعون کی بیماری سے محفوظ رہے گا۔
- دوم۔ کہ آپ کے گھر کی چاردیواری میں طاعون داخل نہیں ہو گا۔
- سوم۔ کہ آپ کے پیرو محفوظ رہیں گے۔
- چہارم۔ کہ آپ کو نہ ماننے والے طاعون کا شکار ہو جائیں گے۔
- پنجم۔ کہ طاعون اس وقت تک دور نہ ہو گا جب تک لوگ خدا کے فرستادہ اور رسول کو نہ مان لیں۔

یہ ہیں پیش گوئی کے اجزائے خمسہ جن کو آپ نے بار بار مختلف پیرایوں میں پیش فرمایا۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ یہ پانچ پیش گوئیاں کس حد تک پوری ہوئیں۔

• اوّل ۔ کیا قادیان طاعون سے محفوظ رہا؟

مرزا صاحب ایک اعلان میں فرماتے ہیں ۔

"آجکل ہر جگہ مرض طاعون زور پر ہے ۔ اس لیے اگرچہ قادیان میں نسبتاً آرام ہے ۔ لیکن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(اخبار البدر ۔ قادیان ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲ء)

نسبتاً سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان محفوظ نہیں تھا اس اعلان سے آٹھ ماہ پہلے "البدر" کے مدیر نے لکھا تھا ۔

قادیان میں جو طاعون کی چند وارداتیں ہوئی ہیں ۔ ہم افسوس سے بیان کرتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ اس نشان سے ہمارے منکر اور مکذب کوئی فائدہ اٹھاتے اور خدا کے کلام کی قدر اور عظمت اور جلال ان پر کھلتی ۔ انہوں نے پھر سخت ٹھوکر کھائی ۔

(البدر ۔ ۲۴ اپریل ۱۹۰۲ء)

(البدر کا مدیر دنیا میں صرف ایسے احمق انسان دیکھنا چاہتا ہے کہ جب کوئی الہامی پیش گوئی غلط ثابت ہو تو ان کا ایمان "خدائی کلام کی عظمت وجلال" پر اور بڑھ جائے ۔

اسی مدیر نے تین ہفتے بعد لکھا ۔

"قادیان میں طاعون حضرت مسیح علیہ السّلام کے الہام کے ماتحت اپنا کام برابر کر رہی ہے ۔" (البدر ۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۲ء)

اپریل ۱۹۰۴ء میں قادیان کا سکول طاعون کی وجہ سے بند کر دیا گیا ۔

اور سرکاری روزنامچے میں (ملاحظہ ہو۔ اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۷ رمئی ۱۹۰۴ء) صرف مارچ اور اپریل ۱۹۰۴ء میں ۳۱۴ اموات درج ہوئیں جو قادیان میں طاعون سے واقع ہوئی تھیں۔ قادیان کی آبادی ان دنوں اٹھائیس سو نفوس پر مشتمل تھی۔ لوگ گھبرا کر گاؤں چھوڑ گئے تھے اور تمام قصبہ سنسان ہو گیا تھا خود جناب مرزا صاحب اس حقیقت کا یوں اعتراف فرماتے ہیں۔

"طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون کا زور تھا میرا لڑکا بیمار ہو گیا۔" (حقیقۃ الوحی ص۸۴ نیز ص۲۵۳)

• دوم۔ کیا آپ کے گھر کی چار دیواری محفوظ رہی؟

بڑی غوثاں (شاید ملازمہ) کو تپ ہو گیا تھا اس کو گھر سے نکال دیا ہے۔ لیکن میری دانست میں اس کو طاعون نہیں ہے۔ احتیاطاً نکال دیا ہے ماسٹر محمد دین کو تپ ہو گیا اور گلٹی نکل آئی۔ اس کو بھی باہر نکال دیا ہے۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ میں تو دن رات دعا کر رہا ہوں۔ اور اس قدر زور اور توجہ سے دعائیں کی گئیں کہ بعض اوقات میں ایسا بیمار ہو گیا کہ یہ وہم گذرا کہ شاید دو تین منٹ جان باقی ہے اور خطرناک آثار ظاہر ہو گئے۔

مکتوب مرزا صاحب بنام نواب محمد علی خاں محررہ ۱۱ اپریل ۱۹۰۴ء مندرجہ مکتوبات احمدیہ ج پنجم ص۱۱۵)

تو گویا چار دیواری بھی محفوظ نہ رہی اور جناب مرزا صاحب بعالم پریشانی "پورے زور اور توجہ سے" دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ کس مقصد کے

لیے؟ طاعون کے بڑھنے یا گھٹنے کے لیے؟ سیاق و سباق سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتمۂ طاعون کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔

لیکن۔

"میں نے طاعون پھیلنے کی دعا کی ہے سو وہ دعا قبول ہو کر ملک میں طاعون پھیل گئی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۲۴)

مبارک وہ خدا ہے جس نے دنیا میں طاعون کو بھیجا تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم بڑھیں اور پھولیں (یعنی لوگ طاعون سے بچنے کے لیے آپ کی بیعت میں داخل ہوں اور ہمارے دشمن نیست و نابود ہوں۔)

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۳۱)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون آپ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اور آپ دنیا کی تباہی و بربادی پہ بہت خوش تھے۔ اس لیے کہ طاعون آپ کے عظیم الشان نشانات میں سے ایک نشان تھا۔

دنیا میں ایک نذیر آیا، اور دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ خدا اس کو قبول کرے گا اور زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا ....

.... زور آور حملوں سے مراد طاعون ہے۔

(ملفوظات احمدیہ حصہ ہفتم ص۵۲۲)

یہ طاعون آپ کی دعا کا نتیجہ "مبارک خدا" کی طرف سے اشاعتِ اسلام کے لیے ایک وسیلہ اور صداقتِ رسول کو ظاہر کرنے کے لیے ایک زور آور حملہ تھا۔ اس لیے ہر خیر خواہ اسلام کا یہ فرض تھا کہ وہ اس عظیم الشان نشان

کو قائم و دائم رکھنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا اور اگر کوئی شخص رفع طاعون کے وسائل اختیار کرتا تو اس کے خلاف جہاد کرتا لیکن نہ جانے یک بیک کیا ہوا کہ جناب مرزا صاحب انگریزی حکومت (دجّال) کی خدمت میں بدیہائے تشکر پیش کرنے لگے۔

شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ عالیہ انگریزی نے اپنی رعایا پر رحم کر کے دوبارہ طاعون سے بچانے کے لیے ٹیکہ کی تجویز کی۔ اور بندگان خدا کی بہبودی کے لیے کئی لاکھ روپیہ کا بوجھ اپنے سر ڈال لیا۔ درحقیقت یہ وہ کام ہے۔ جس کا شکر گذاری سے استقبال کرنا دانشمند رعایا کا فرض ہے۔ (کشتی نوح ص۱)

جناب نے "دانشمند رعایا" کا فرض تو بتا دیا کہ وہ ٹیکہ کی تجویز اور بندگانِ خدا کی بہبودی پر "گورنمنٹ عالیہ کا شکریہ ادا کرے۔ لیکن یہ نہ فرمایا۔ کہ اس کارِ دیہ آپ کی ہستی گرامی کے متعلق کیا ہو کہ جن کی دعا سے ملک میں طاعون پھیلا۔

"تا کہ میرے دشمن نیست و نابود ہوں۔"

سنا ہے کہ انبیاء تمام کائنات کے لیے رحمت بن کر آتے ہیں۔ اُن کا کوئی دشمن نہیں ہوا کرتا۔ وہ سب کا بھلا چاہتے ہیں، وہ سب سے محبت کرتے ہیں، وہ سب کو گلے لگاتے ہیں۔

مَیں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ مَیں بنی

نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے. بلکہ اس سے بڑھ کر۔ (اربعین ملا صہ)

کیا مہربان والدہ اپنے بچوں کو طاعون میں پھنسانے کے لئے دعائیں کیا کرتی ہے؟ اور ان کے "نیست و نابود" ہوتے پہ خوش ہوتی ہے؟ اگر آپ حقیقتاً دنیائے انسانی پہ والدہ سے زیادہ مہربان تھے تو پھر یہ کیوں کہا۔

" مبارک ہے وہ خدا جس نے دنیا میں طاعون بھیجا۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔ تاکہ ہم بڑھیں اور پھولیں اور ہمارے دشمن نیست و نابود ہوں۔۔۔۔۔۔"

• سوم۔ کیا آپ کے پیرو محفوظ رہے؟

(نہیں)

: ا۔ ماسٹر محمد دین (گھر میں جو رہتا تھا تو پیرو ہی ہوگا) کو گلٹی نکلی۔

• ۲۔ آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ آپ کے پیرو بھی طاعون کا شکار ہوئے۔ ہماری جماعت سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہو جانا بھی ایسا ہی ہے. جیسا کہ آنحضرت صلعم کے بعض صحابہ لڑائی میں شہید ہوئے تھے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۱۳۱)

اگر ایک آدمی ہماری جماعت میں مرتا ہے تو بجائے اس کے سو یا زیادہ آدمی ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۱۳۱)

کیوں داخل ہوتا ہے؟ اس کی وجہ حکومت ہند کی زبانی سنیئے۔

"One great stimulus for conversion has been the assertion of the founder that all those owing allegiance to him would escape the scourge of Plague. But after a certain period of immunity, the Ahmadies began to succumb to the disease like others & the faith in the efficacy of the Prophet's declaration was somewhat shaken."

(کتاب مردم شماری برائے سال ۱۹۱۱ء ص ۱۶۹)

(قبول احمدیت کی بڑی وجہ بانی احمدیت کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کے پیرو طاعون سے محفوظ رہیں گے لیکن حفاظت کے لیے ایک عارضی وقفہ کے بعد احمدی بھی باقی آبادی کی طرح طاعون کا شکار ہونے لگے اور لوگوں کا اعتقاد رسول قادیان کے اعلان کے متعلق متزلزل ہو گیا۔)

• چہارم، کیا آپ کو نہ ماننے والے طاعون کا شکار ہو گئے؟ دعوے تو یہی تھا۔

" سوائے عزیزو! اس (طاعون) کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں کہ اس مسیح کو سچے دل اور اخلاص سے قبول کر لیا جائے۔

(دافع البلا صفحہ ۱۱۲)

اس وقت تقریباً چالیس ہزار انگریز افسر ہندوستان میں موجود تھے۔

وہ سب کے سب مسیح موعود کے منکر تھے کیا وہ تمام طاعون سے ہلاک ہو گئے تھے؟ کیا ہندوستان میں احمدیوں کے بغیر کوئی اور متنفس باقی نہیں رہا تھا۔ اگر نہیں رہا تھا تو ۱۹۱۱ء کی کتاب مردم شماری میں چھ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ مسلمان اور ۲۸ کروڑ دیگر اقوام کیسے درج ہو گئی ہیں۔

• پنجم۔ کیا واقعی طاعون اس وقت تک دُور نہیں ہوا تھا جب تک لوگوں نے خدا کے فرستادہ کو مان نہ لیا؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں کتاب مردم شماری کی پھر ورق گردانی کرنی پڑے گی۔

احمدیوں کی تعداد

جب ۱۹۰۱ء کی مردم شماری قریب آئی تو جناب مرزا صاحب نے اعلان کے ذریعے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ کتاب مردم شماری میں اپنے آپ کو احمدی درج کرائے اور ساتھ ہی حکومت سے درخواست کی۔

"ہم ادب سے اپنی معزز گورنمنٹ میں درخواست کرتے ہیں کہ اسی نام (احمدی) سے اپنے کاغذات اور مخاطبات میں اس فرقہ کو موسوم کرے یعنی مسلمان فرقہ احمدیہ۔"

(اشتہار مجریہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء مندرجہ تریاق القلوب ص۴۲۹)

کتاب مردم شماری کے اوراق الٹنے سے پہلے یہ دیکھ لینا نامناسب نہ ہو گا کہ خود مرزا صاحب کا اندازہ تعداد جماعت کے متعلق کیا تھا۔

• ا۔ ۱۸۹۷ء میں فرمایا۔

"۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ جماعت بہ نسبت تمہاری جماعتوں کے تھوڑی سی اور **فئہ قلیلہ** ہے۔ اور شاید اس وقت چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہو گی۔" (انجام آتھم ص۶۴)

۲۔ یہی سال (۱۸۹۷ء) اور یہی کتاب

"(مولوی عبدالحق کے ساتھ) مباہلہ سے پہلے میرے ساتھ شاید تین چار سو آدمی ہوں گے۔ اور اب آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ وہ لوگ ہیں جو اس راہ میں جانفشاں ہیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۲۶)

۳۔ وہی سال اور وہی کتاب

"۔۔۔۔۔۔۔۔ (اللہ نے) ہماری قبولیت زمین پر پھیلائی اور ہماری جماعت کو ہزار تک پہنچایا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص۵۸)

تو گویا ۱۸۹۷ء میں احمدیوں کی تعداد پہلے چار پانچ ہزار۔ پھر آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ اور اس کے بعد صرف ایک ہزار تھی۔

۴۔ ۱۸۹۹ء میں

"میری جماعت کے لوگ دس ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہوں گے۔"

(حاشیہ ضمیمہ نمبر ۳ تریاق القلوب ص۲۹۳)

۵۔ ۱۹۰۲ء میں

"آج کی تاریخ تک یہ جماعت (احمدیہ) برٹش انڈیا میں ایک لاکھ سے بھی کچھ زیادہ ہے۔"

(کشتیِ نوح ص۷)

• ۶۔ ۱۹۰۶ء میں

ان دنوں میں دس آدمی بھی میری بیعت میں نہ تھے۔ مگر آج خدا کے فضل سے تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۰)

• ۷۔ ۱۹۰۷ء میں

"اور سب بیعت کرنے والے چار لاکھ کے قریب ہوں گے۔"

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۶)

• ۸۔ مئی ۱۹۰۸ء میں رحلت سے دو روز پہلے

"یاد رہے کہ ہماری احمدی جماعت چار۔لاکھ سے کچھ کم نہیں ہے۔"

(پیغام صلح صفحہ ۱۳)

لیکن

کتابِ مردم شماری برائے سال ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۶۹ بتاتی ہے کہ طاعون کے بعد ۱۹۱۱ء میں احمدیوں کی تعداد صرف اٹھارہ ہزار چھ سو پچانوے (۱۸۶۹۵) تھی۔ اور کل پنجاب کی آبادی ایک کروڑ پچانوے لاکھ اناسی ہزار چھیالیس (۱۹۵,۷۹,۰۴۶) یعنی طاعون کے بعد بھی صرف پنجاب میں مسیح موعود کے منکر ایک کروڑ پچانوے لاکھ ساٹھ ہزار باقی تھے اور طاعون ختم ہوگیا۔ حالانکہ خدا نے صریحاً فرمایا تھا۔

"یہ طاعون اس حالت میں فرو ہوگی۔ جب کہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کرلیں گے۔" (دافع البلاء صفحہ ۹)

۵۔ الہامِ عمر

جناب مرزا صاحب نے الہام عمر کو اپنی تصانیف میں سو مرتبہ سے زیادہ دہرایا ہے۔

ثمانین حولاً او قریباً من ذالک او تزید علیہ

اور اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔

" تیری عمر اسی برس کی ہوگی۔ یا دو چار کم۔ یا چند سال زیادہ "
(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صہ ۲۹)

اس کی مزید تشریح یوں فرمائی ہے۔

فبشرنا ربنا بثمانین سنۃ او ھم اکثر عددا
(مواہب الرحمان صہ ۲۱)

(اللہ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیری عمر اسی برس یا کچھ زیادہ ہوگی)

اوّل تو یہ الہام ہی عجیب ہے۔ اسی برس۔ دو چار کم۔ یا چند سال زیادہ کیا اللہ مستقبل کے واقعات سے بے خبر ہے؟ کیا الہام نازل کرتے وقت اسے معلوم نہیں تھا کہ آپ کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوگی۔ کیا اللہ کو آپ کی تاریخ ولادت بھول گئی تھی؟ اگر یاد تھی اور تاریخ وفات بھی معلوم تھی تو پھر الہام میں یہ اظہار تجاہل " دو چار کم یا چند سال زیادہ " کیوں؟ جس شخص کو اپنے مرحوم بیٹے کی تاریخ ولادت و وفات ہر دو معلوم ہوں۔ اور جمع و تفریق کا قاعدہ بھی جانتا

ہو۔ وہ کبھی نہیں کہے گا کہ میرے بیٹے کی عمر بیس برس یا دو چار کم یا چند سال زیادہ تھی۔ یہ اشتباہ و تجاہل اسی شخص کے بیان میں ہو سکتا ہے۔ جو تاریخ ولادت و وفات ہر دو سے ناواقف ہو۔ اور یا اس قدر ان پڑھ ہو کہ سالِ وفات میں سے سنینِ حیات تفریق کر کے حاصل نہ بتا سکتا ہو۔ پھر عجیب تر یہ کہ تشریح الہام" اسّی برس یا کچھ زیادہ" کا تو ذکر ہے لیکن" دو چار کم" کا کوئی ذکر نہیں چاہیئے۔ اس بیش و کم کو چھوڑیئے اور" اسّی" کو پیش نظر رکھیے کہ الہام کا مرکزی عدد یہی ہے۔

جناب مرزا صاحب نے اپنی تصانیف میں تاریخ ولادت کہیں ذکر نہیں فرمائی۔ صرف اتنا بار بار فرماتے ہیں کہ میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوا تھا۔ اور نہ آپ کے سوانح نگاروں نے یہ تکلیف کی کہ سول سرجن گورداسپور کے دفتر سے آپ کی تاریخ ولادت معلوم کر لیتے۔ اتنے بڑے روحانی رہنما کے مریدوں کا یہ تساہل قابل افسوس ہے۔

"میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں سولہ برس کا یا سترھویں برس میں تھا۔"

(کتاب البریہ ص ۱۳۴)

کیا کوئی حساب دان یہ بتا سکتا ہے کہ آپ ۱۸۵۷ء میں کس حساب سے سولہ برس کے تھے؟ خیر اسے چھوڑیئے۔ صرف سالِ ولادت یاد رکھیئے۔ اور سال وفات یعنی ۱۹۰۸ء سے اسے منہا کر دیجئے۔

۱۹۰۸	۱۹۰۸
۱۸۴۰	۱۸۳۹
۶۸	۶۹

باقی بچے ۶۸ یا ۶۹ اب دیکھیئے اس الہام کو تیری عمر اسّی سال ہو گی۔ یا دو چار کم یا چند سال زیادہ۔

لیکن یہاں تک تو پورے ۱۱/۱۲ برس کم ہیں۔

"پھر اگر ثابت ہو۔ کہ میری سو پیشگوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی ہو تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔"

(حاشیہ اربعین نمبر ۴ صفحہ ۳۰)

۶۔ امراضِ خبیثہ سے حفاظت کا وعدہ

"اس (خدا) نے مجھے براہین میں بشارت دی۔ کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۳۰)

"خبیث عارضہ" سے مراد کوئی مزمن یا مہلک بیماری ہی سکتی ہے مثلاً دائمی دل دھڑکن۔ دِق۔ خون کا دباؤ۔ ذیابیطس۔ امراض طوائف خانہ جنون مرگی طاعون۔ ہیضہ۔ برص۔ دائمی خارش وغیرہ۔

"بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کو پہلی دفعہ دوران سر اور ہسٹریا کا دورہ بشیر اوّل کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے شروع ہو گئے۔" (سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ ۱۳)

مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب کو موروثی نہ تھا، بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا۔

(رسالہ ریویو قادیان بابت اگست ۱۹۲۶ء)

" حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے اپنی بیماری دق کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بیماری آپ کو حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم کی زندگی میں ہو گئی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس بیماری میں آپ کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ "

(حیات احمد جلد دوم نمبر اوّل صفحہ ۷۹ مؤلفہ یعقوب علی)

میں ایک دائم المرض آدمی ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیشہ سر درد اور دورانِ سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے اور دوسری بیماری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لیے جب زینہ چڑھ کر اوپر جاتا ہوں۔ تو مجھے اپنی ظاہری حالت پر امید نہیں ہوتی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں زندہ رہوں گا۔

(ضمیمہ اربعین نمبر ۳-۴ صفحہ ۵)

۷۔ الہامِ ثلج

ثلج عربی زبان میں برف کو کہتے ہیں۔ جب مرزا صاحب کے الہاماتِ زلزلہ کی وجہ سے بعض لوگوں میں بے چینی سی پھیل گئی۔ تو اللہ نے یہ الہام نازل کیا۔ " پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن اور اس کی تشریح یوں فرمائی۔"

" دوسرے معنی اس کے عربی میں اطمینان قلب حاصل کرنا ہے ......گذشتہ دنوں میں زلزلوں کی نسبت کج طبع لوگوں نے شبہات بھی پیدا کئے تھے اور ثلج طبع یعنی کلی اطمینان سے محروم ہو گئے تھے۔ اس لیے بہار کے موسم میں ایک ایسا نشان ظاہر ہو گا۔ جس سے ثلج قلب ہو جائے گا۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ ۳۱)

کون سا موسم بہار؟

حقیقت الوحی کا تتمہ جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے ۱۹۰۷ء کے اوائل میں لکھا جا رہا تھا بظاہر موسم بہار سے ۱۹۰۷ء ہی کا موسم ہو سکتا ہے لیکن نہیں۔ آپ اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

" بہار جب دوبارہ (یعنی ۱۹۰۸ء میں) آئے گی تو ایک اور زلزلہ آئے گا۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ ۹۵)

اور چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

"پھر بہار جب بار سوم (یعنی ۱۹۰۹ء میں) آئے گی تو اس وقت اطمینان کے دن آجائیں گے۔ اور اس وقت تک خدا کئی نشان ظاہر کرے گا۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۰۱)

تو واضح ہو گیا کہ الہام ثلج کا تعلق ۱۹۰۹ء کے موسم بہار سے تھا۔ لیکن آپ کا انتقال مئی ۱۹۰۸ء میں ہو گیا۔ تو کیا ۱۹۰۹ء کی بہار میں کوئی ایسا نشان نازل ہوا تھا۔ جو اطمینانِ قلب کا موجب بنا ہو؟ اس سوال کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ جناب مرزا صاحب اس پیشگوئی کو بھی فروری ۱۹۰۷ء میں پورا کر گئے تھے۔ وہ کس طرح؟ فرماتے ہیں۔

یہ پیش گوئی (ثلج والی) ــــــــــ صفائی سے پوری ہو گئی یعنی جب عین بہار کا موسم آیا۔ اور باغ پھولوں اور شگوفوں سے بھر گئے تب ـــــــــ کشمیر اور یورپ ـــــــ کے ملکوں میں برف باری (ثلج = برف) حد سے زیادہ ہوئی ـــــ چنانچہ آج ہی ۲۵ فروری ۱۹۰۷ء کو خط ـــــ کشمیر سے آیا ہے کہ ان دنوں ـــــ برف ـــــ تین گز تک زمین پر چڑھ گئی ہے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲۹)

یہ خط کشمیر سے چار پانچ روز پہلے یعنی ۲۰ فروری کو چلا ہو گا۔ کیا ۲۰ فروری کو عین بہار کا موسم ہوتا ہے اور باغ پھولوں اور شگوفوں سے بھر جاتے ہیں۔ قارئین کرام! آپ بیسیوں موسم بہار دیکھ چکے ہیں۔ کیا آپ نے آج تک ۲۰ فروری کو بھی کوئی بہار دیکھی ہے؟ حافظے پر زور ڈالیے اگر یاد نہیں رہا تو اگلی

بیس فروری کا انتظار فرمایئے۔ اور اچھی طرح گھوم دیکھئے کہ کیا بیس فروری کو پنجاب میں کہیں بہار ہوتی ہے؟
اور وہ معمّہ تو بدستور حل طلب رہا کہ جس الہام کا تعلق تیسری بہار (۱۹۰۹ء) سے تھا وہ پہلی بار میں کیسے پورا ہو گیا؟

۸۔ میاں منظور محمد کے گھر لڑکا

نوٹ:۔ از مسیح موعود
" بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد کے گھر میں محمدی بیگم (زوجہ منظور محمد) کا ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کے نام یہ ہوں گے بشیر الدولہ۔ عالم کباب۔ شادی خان۔ کلمۃ اللہ خان۔"
(البشریٰ از بابو منظور الٰہی ج دوم ص۱۱۶)
لیکن ہوا یہ کہ لڑکے کی جگہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو ایک لڑکی پیدا ہو گئی۔ اس پر جناب مرزا صاحب نے لکھا۔
وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونہ قیامت ہو گا جلد آنے والا ہے۔ اس کے لیے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد لدھیانوی کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہو گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر بعد اس کے میں نے دعا کی کہ اس زلزلہ نمونہ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے ۔ ۔ ۔ ۔

خدا نے دعا قبول کر کے زلزلہ کسی اور وقت پہ ڈال دیا ہے اس لیے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی۔ چنانچہ پیر منظور محمد کے گھر میں ۱۷ر جولائی ۱۹۰۶ء کو بروز سہ شنبہ لڑکی پیدا ہوئی۔

(حقیقتہ الوحی حاشیہ ص۱۰۵)

یاد رکھیے کہ لڑکا پیدا ہونے میں تاخیر ہوئی تھی۔ پیدائش منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

لیکن

کچھ عرصہ بعد محمدی بیگم کا انتقال ہو گیا۔ اور اس "عالم کباب" کے عالم وجود میں آنے کے تمام امکانات ہی ختم ہو گئے۔ اس "حادثہ" پر البشریٰ کا مصنف لکھتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ پیشگوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہو گی۔ گو حضرت اقدس نے اس کا وقوعہ محمدی بیگم کے ذریعہ سے فرمایا تھا مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہے اس لیے اب تخصیص نام نہ رہی۔ بہر صورت یہ پیش گوئی متشابہات سے ہے۔"

(البشریٰ از بابو منظور الٰہی ج۔ دوم ص۱۱۶)

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

"بد خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محکِ امتحان نہیں ہو سکتا۔"

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت ج اوّل ص۱۱۸)

۹۔ کنواری اور بیوہ

جناب مرزا صاحب پر ایک الہام نازل ہوا تھا۔

بکرٌ و ثیب

(کنواری بیوہ)

الہام کے معنی ملہم ہی سمجھ سکتا ہے۔

"ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور نہ کسی کا حق ہے جو اس کے مخالف کہے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صث)

۱۸۹۹ء کے اواخر میں آپ نے اس الہام کی تشریح یوں فرمائی۔

خدا کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا ایک بکر (کنواری) ہوگی اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا پورا ہو گیا۔ اور اس وقت بفضلہ چار پسر اس بیوی سے ہیں اور بیوہ کے الہام کا انتظار ہے۔

(تریاق القلوب تصنیف دسمبر ۱۸۹۹ء صـ۳۴)

یہ انتظار تا دمِ واپسیں جاری رہا۔ اور کوئی بیوہ آپ کے نکاح میں نہ آئی۔ اس پر بابو منظور الٰہی نے لکھا۔

یہ الہام اپنے دونوں پہلوؤں سے حضرت اُم المومنین (نصرت

جہاں بیگم صاحبہ) کی ذات میں پورا ہوا۔ جو بکر آئیں اور ثیب (بیوہ) رہ گئیں۔ (مجموعہ الہامات ص۳۸)

بابو صاحب کی خدمت میں صرف اتنی ہی گذارش ہے کہ۔

"ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ کسی کا حق ہے۔ جو اس کے مخالف کہے۔"

۱۰۔ بعض بابرکت عورتیں

جناب مرزا صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار نکالا تھا۔ اس کے متعلق بعد میں فرماتے ہیں۔

اس عاجز نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے ایک اشتہار میں یہ پیش گوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی۔ کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہو گی۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل ص۸۹)

اس اشتہار کے وقت آپ کے ہاں دو بیویاں موجود تھیں۔ فضل و سلطان کی والدہ۔ جسے بعد میں طلاق ہو گئی۔ اور نصرت جہاں بیگم صاحبہ جو موجودہ امام جماعت جناب میاں محمود احمد صاحب کی والدہ تھیں۔ نصرت بیگم صاحبہ کے بعد کسی اور عورت سے آپ کا نکاح نہیں ہوا۔

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

میری تائید میں خدا کے کامل اور پاک نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں اور اگر ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے تمام گواہ اکٹھے کیے جائیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ساٹھ لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔

(اعجاز رضوی ص۱)

آپ کی بعض پیشگوئیاں پوری ہوئیں جن میں سے اہم لیکھرام اور احمد بیگ کی وفات میعاد معینہ میں ہے۔ بعض مناظرین نے انہیں بھی جھٹلانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے دلائل اطمینان بخش نہیں اور ہمیں ان سے اتفاق نہیں گو اس حقیقت سے یقیناً اتفاق ہے کہ صرف پیشگوئی دلیل نبوت نہیں بن سکتی۔ جناب مرزا صاحب نے نعمت اللہ کی پیشگوئی کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔ نیز عبدالحکیم کی پیشگوئی آپ کی وفات کے متعلق پوری ہوئی۔ اور یورپ کے مشہور منجم سنیرو کی تو تمام پیشگوئیاں پوری نکلیں۔

ملاحظہ ہو اس کی مشہور کتاب

"بشاراتِ عالم"

لیکن ان میں سے کوئی بھی نبی نہیں تھا۔

(نواں باب)

الہامات

میں جب آپ کے الہامات پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو مختلف قسم کی حیرانیاں مجھے گھیر لیتی ہیں۔

- اول۔ اللہ کی ازل سے یہ سنت رہی ہے کہ وہ انبیاء پہ ان کی اقوام کی زبان میں وحی نازل کرتا رہا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ (قرآن)

(ہم نے ہر رسول پر صرف اس کی قوم کی زبان میں وحی نازل کی تھی)

یہاں حصر ہے "صرف قوم کی زبان میں" اور رسالت کی طویل تاریخ میں ایک بھی مستثنیٰ موجود نہیں۔ اگر کوئی ہے تو بتائیے۔ لیکن چودھویں صدی میں اللہ نے اپنی یہ عادت فوراً بدل ڈالی۔ اور جناب مرزا صاحب پر جو پنجابی نژاد تھے عموماً عربی الہامات اتارنا شروع کر دیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ قوم کی زبان پنجابی تھی۔ عربی سمجھنے والے لاکھ میں دو بھی نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ دھڑا دھڑ عربی میں الہامات نازل کر رہا تھا۔

اس کی وجہ جناب مرزا صاحب یوں بیان فرماتے ہیں۔

یہی (عربی) ایک پاک زبان ہے۔ جو پاک اور کامل اور علوم عالیہ کا ذخیرہ

اپنے مفردات میں رکھتی ہے۔ اور دوسری زبانیں ایک کثافت اور تاریکی کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے وہ اس قابل ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل اور محیط کلام ان میں نازل ہو۔

(آریہ دھرم حاشیہ ص۸)

" تسلیم کرلیا کہ عربی ایک پاک اور کامل زبان تھی۔ اور دوسری زبانیں کثیف و تاریک ہونے کی وجہ سے ہرگز اس قابل نہیں تھیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل و محیط کلام ان میں نازل ہوتا۔"

لیکن

پھر یہ کیا بات ہے کہ اسی خدا نے دیگر کثیف و تاریک زبانوں میں بھی سیکڑوں الہامات آپ پر نازل کئے جن سے آپ کی تصانیف لبریز ہیں سمجھ میں نہ آیا کہ اللہ کو کونسی مجبوری پیش آئی تھی کہ اس نے ایک کامل اور پاک زبان کو چھوڑ کر تاریک و کثیف زبانوں میں بھی بولنا شروع کر دیا۔ اگر حقیقتاً باقی تمام زبانیں کثیف و تاریک تھیں۔ تو پھر آپ نے پوری بہتر کتابیں کثیف اردو میں کیوں لکھیں ہزارہا اشعار کثیف فارسی میں کیوں تصنیف فرمائے اور زندگی بھر پنجابی جیسی تاریک زبان کیوں بولتے رہے۔

• دوم، مزید حیرت اس امر پر ہے کہ آپ کے الہامات میں عموماً قرآنی آیات ہیں جن میں کہیں کہیں کوئی نیا پیوند لگا ہوا ہے۔ یہ قرآنی آیات دوبارہ کیوں اتاریں۔ کیا یہ قرآن سے غائب ہو چکی تھیں یا اللہ کے پاس عربی الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا؟

• سوم ۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ یہ پیوند فصاحت کے لحاظ سے قرآنی آیات کے ہم سطح نہیں ۔ مثلاً ۔

هُوَ الَّذِی اَرسَل رَسُولَهٗ بِالهُدٰی وَدِینِ الحق وتهذیب الاخلاق ؕ

"یہ تہذیب الاخلاق" کا جوڑ کس قدر غیر قرآنی و اجنبی ہے ۔

انت مِنّی بمنزلةِ وَلَدِی ؕ

(تو میرے بیٹے کی جا بجا ہے)

یہ منزلت کا استعمال خالص پنجابی قسم کا ہے ۔ اس الہام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولاد بھی ہے ۔ اسے اپنی اولاد سے گہری محبت ہے اور وہ مسیح موعود سے کہہ رہا ہے کہ مجھ کو تجھ سے اتنی محبت ہے جتنی اپنے بیٹے سے ۔ اللہ کی کوئی اولاد نہیں ۔ جب مشبہ بہ ہی مفقود ہے تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوئی ۔ اس کی مثال یوں ہے کہ زید عمر سے کہے ۔

"میں تجھے اتنا ہی پسند کرتا ہوں ۔ جتنا اپنی تیسری آنکھ کو ۔"

تیسری آنکھ ہوتی ہی نہیں ۔ اس لیے یہ تشبیہ غلط ہے ۔

عربی زبان میں مؤنث و مذکر کے لیے جدا جدا افعال ہیں ۔ اگر مخاطب مرد ہو تو کہیں گے قل (کہہ) مؤنث ہو تو قولی ۔ اِفعَل (تو مرد یہ کام کر) اِفعَلی (تو عورت یہ کام کر)

لیکن ایک الہام میں یہ تمیز قائم نہیں رکھی گئی ۔ قرآن کی ایک آیت تھی ۔

یا آدم اسکن

آدم مرد تھا۔ اس کے لیے اسکن ہی صحیح تھا۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے ایک الہام میں مخاطب عورت ہے۔ اور فعل مذکر۔

یا مریم اسکن

مریم مؤنث ہے۔ اس لیے اسکنی چاہیے تھا۔ اگر یہ دو فقرے

• ا۔ ماسی خدا بخش روٹی کھا رہی ہے۔

• ۲۔ بہن زینت بیگم چلا گیا ہے۔

غلط ہیں۔ تو پھر "یا مریم اسکن" کیونکہ صحیح ہوا۔

میرے سامنے اس وقت اس طرح کی بے قاعدگیوں اور بوالعجبیوں کی ستر سے زیادہ مثالیں پڑی ہیں جنہیں میں خوفِ طوالت سے نظر انداز کرتا ہوں۔

• چہارم۔ جب کفار نے حضور علیہ السّلام سے معجزات طلب کیے تو آپ نے فرمایا۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۝ (قرآن)

کہ مَیں تو صرف انسان ہوں اور رسول بھی۔ مطلب یہ کہ میرا کام ابلاغِ وحی ہے۔ کرامات و معجزات دکھانا نہیں سارے قرآن کو الحمد سے والناس تک پڑھ جائیے۔ حضور علیہ السّلام نے کہیں بھی اپنی رسالت کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اور نہ کوئی تحدی کی۔ اگر کہا تو صرف اتنا ہی۔ کہ

"مَیں ولادت سے تمہارے درمیان رہ رہا ہوں۔

میری زندگی پہ نظر ڈالو۔"

یا یہ کہ

"اگر اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک ہے تو ایک سُورہ ہی بنا لاؤ۔"

لیکن دوسری طرف جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف۔

- ۱۔ اثباتِ نبوت
- ۲۔ نشانات
- ۳۔ بشارات شکستہ کی تاویلات
- ۴۔ انعامی اشتہارات
- ۵۔ اور تازہ پیش گوئیوں

سے لبریز ہیں۔ رسول کا کام ابلاغ رسالت ہے نہ کہ بشارات و تاویلات میں الجھ کر رہ جانا۔

- پنجم۔ بائبل میں گذشتہ انبیاء کے چھیاسٹھ صحائف شامل ہیں۔ پھر بدھ۔ زرتشت۔ کرشن اور سقراط کی تعلیمات بھی دنیا میں

موجود ہیں۔ ان سب کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ کو ان میں از ابتداء تا انتہا بلند اخلاقی ہدایات۔ سیاسی ضوابط اور معاشی فلاح کے لیے بے بہا گر ملیں گے۔ یہی حال قرآن حکیم کا ہے۔ آپ اس میں عبادات۔ اقتصادیات۔ سیاسیات اور مطالعہ کائنات پر مکمل۔ روشن اور لافانی ہدایات پائیں گے۔ یہاں پیش گوئیوں کا جھگڑا نہیں۔ تاویلات کا خرخشہ نہیں انعامی اشتہارات کا چرچا نہیں۔ قیصر و کسریٰ کی

خوشامد نہیں۔ کچھ بھی نہیں صرف انسانی اصلاح سے کام ہے وبس اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب کے الہامات میں "جو بیس اجزا پہ مشتمل ہیں"۔ حیاتِ انسانی کا کوئی لائحہ عمل نہیں ملتا۔ ان میں نہ صوم وصلوٰۃ کا ذکر ہے۔ نہ حج و زکوٰۃ کا۔ نہ مسائل نکاح وطلاق کا۔ نہ وراثتِ ارضی و تمکّن فی الارض کا۔ نہ جہاد وصدقات کا۔ نہ حلال وحرام کا (اِلّا ماشاءَ اللہ) ان میں ہے کیا؟ ستّر فی صدی مسیح موعود کی تعریف۔

تو میرا بیٹا ہے۔ میری نسل تجھ سے شروع ہوگی۔ تیری عمر اسّی کے قریب ہوگی۔ میں اپنی نعمتیں تم پہ مکمل کردوں گا۔ فتح قریب ہے تم کامیاب رہوگے اور اعدا ذلیل ہوں گے۔ تم ہمارے ہاں بہت بلند ہو۔ تم مسیح ابن مریم ہو۔ تم پہ یاموںی (؟) نہیں ہوسکتا خدا تجھے بچائے گا۔ ہم نے تجھے کوثر دیا۔ تم پہ ہماری برکات نازل ہوں گی۔ تم الخلیفۃ السلطان ہو۔ تمہیں ملکِ عظیم دوں گا۔ اور باقی بشارات وغیرہ۔ تاریخ انسانی کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ نے ایک رسول بھیج کر الہام کی ساری مشینری اس کے اوصاف تراشنے پہ لگادی۔ اور مخلوق کو وہ بالکل بھول گیا۔

یہ تو جناب مرزا صاحب کی نوازش خاص سمجھئے کہ آپ نے اپنے کچھ اوقات اصلاح اخلاق کے لیے بھی وقف فرمائے اور چند صفحات تطہیر اخلاق پر بھی لکھ ڈالے ورنہ خدا نے تو ۱۸۶۵ء سے لے کر ۱۹۰۸ء

تک شاید ہی کوئی الہام اصلاحِ خلق کے لیے نازل کیا ہو۔

ششم۔ جناب مرزا صاحب کا اردو اسلوب تحریر مولویانہ تھا ان معنوں میں کہ روانی و سلاست کا خیال قطعاً نہیں رکھتے تھے علمائے مکاتیب کی طرح بھاری بھاری الفاظ، توالیٔ اضافات کے ساتھ استعمال فرماتے تھے حشو و زوائد سے اجتناب نہیں کرتے تھے (تفصیل آگے) حروفِ عطف کی بھرمار سے جملے کا حلیہ بگاڑ دیتے تھے اجزائے جملہ کو شاذو نادر ہی صحیح مقامات پہ رہنے دیتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ بعض اوقات ناکافی الفاظ کی وجہ سے بات مہمل سی ہو جاتی تھی۔

حیرت ہے کہ یہی تمام اوصاف ان الہامات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اردو۔ فارسی یا انگریزی میں آپ پہ نازل ہوئے۔ ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔ "آسمان سے بہت دُود اترا ہے محفوظ رکھ۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲)

دُود = دھواں۔

۱۔ یہاں یہ دُود کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اردو کے سادہ سے جملے میں فارسی کا یہ بھاری بھرکم لفظ گویا صحنِ چمن میں بھینسا باندھ دیا گیا۔ اور زیادہ عجیب یہ کہ دھواں ہمیشہ آسمان کی طرف جاتا ہے اور یہاں آنے کی خبر دی گئی ہے۔ "اسے محفوظ رکھ" کیا مطلب؟

۲۔ "بہت سے سلام میرے تیرے پہ ہوں۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲)

یہ مضمون بہتر صورت میں بھی ادا ہو سکتا تھا۔ مثلاً

" تجھ پہ لاکھوں سلام

" تجھ پہ میرا سلام   وغیرہ

فقرے کی موجودہ بناوٹ کافی مضحکہ خیز ہے

" بہت سے " یہاں " سے " کا کونسا موقعہ ہے ؟

" میرے سلام " کی جگہ " سلام میرے " کیوں ؟ تقدیم مضافِ الیہ کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

" تجھ پہ " کی جگہ " تیرے پہ " مہمل ہے " تیرا " ضمیر اضافت ہے اس کے ساتھ مضاف الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً تیرا کمرہ۔ تیری کتاب۔ تیرے بھائی وغیرہ۔ اہل زبان نے " تیرے نفس " اور " میرے نفس " کے لیے " تجھ " اور " مجھ " کے الفاظ رائج کر رکھے ہیں۔ اس لیے

یہ غلط ہیں	اور یہ صحیح ہیں
• ۱۔ وہ میرے کو کہتا تھا۔	• ۱۔ وہ مجھ کو کہتا تھا۔
• ۲۔ وہ تیرے کو بلاتا ہے۔	• ۲۔ وہ تجھ کو بلاتا ہے۔
• ۳۔ میں نے قلم تیرے کو دے دیا تھا۔	• ۳۔ میں نے قلم تجھ کو دے دیا تھا۔
• ۴۔ تیرے پہ سلام۔	• ۴۔ تجھ پہ سلام۔

مان لیا کہ مرزا صاحب اچھی اردو نہیں جانتے تھے لیکن اللہ کو کیا ہو گیا

تھا کہ اس نے بھی غلط زبان کا استعمال شروع کر دیا تھا۔
نہ صرف غلط بلکہ بعض اوقات مہمل بھی

الہامات غلط زبان میں

(۱)

(براہین ص ۴۸۰)

آخری فقرے کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

"خدا کے کام بدل نہیں سکتے۔"

(مکتوبات احمدیہ ج اول ص ۶۸)

(۳) (حقیقۃ الوحی ص ۳۰۳)

(۴)

(براہین حاشیہ ۳ ص ۵۵۶)

(۵) (براہین ح۔ در ح ۳ ص ۴۷۹) (جھگڑالو)

(۶) (براہین ح۔ در ح ۳ ص ۴۸۴)

ہے کوئی فقرہ درست ان الہامات میں ؟ یہ خدا کا کلام ہے اور کس قدر مقام حیرت ہے۔ کہ خدا انگریزی نہیں جانتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچویں جماعت کے کسی بچے کی انگریزی ہے۔

" سیرت المہدی میں " درج ہے۔

جناب مرزا صاحب نے سیالکوٹ کی محرری کے زمانے میں ایک نائٹ سکول میں انگریزی کی صرف ایک دو ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

ملخص (حصہ اوّل ص ۱۳۷)

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

" یہ بالکل لغو اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو۔ اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔"

(چشمۂ معرفت ص ۲۰۹)

عجیب الہامات

• ۱۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

"میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا۔"

(البشریٰ ج ۲ ص ۷۹)

• ۲۔ "تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ بزدلی سے ہیں۔"

(انجام آتھم ص ۵۵)

• ۳۔ "بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۴۳)

• ۴۔ حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔

(ٹریکٹ ۳۴ اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمدؐ)

• ۵۔ (براہین احمدیہ ص ۲۴۰)

• ۶۔ "ڈگری ہو گئی ہے مسلمان ہے۔"

(براہین ج ۵ ص ۵۲۳)

• ۷۔ "اے ازلی ابدی خدا بیڑیوں کو پکڑ کے آ۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳)

• ۸۔ ”زندگی کے فیشن سے دُور جا پڑے ہیں۔“

(حقیقۃ الوحی صـ۱۰۴)

• ۹۔ ”خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔۔
۔۔۔۔۔۔۔ ایک آدمی میرے پاؤں چوم رہا تھا اور میں
کہہ رہا تھا کہ میں حجرِ اسود ہوں۔“

(اربعین نمبر ۴ حاشیہ صـ۱۶)

• ۱۰۔ ”۵ مارچ ۱۹۰۵ء کو خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنا
نام ٹیچی ٹیچی بتایا۔“

(حقیقۃ الوحی صـ۳۳۲)

”اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے ایک کا نام خیراتی تھا۔“

(حیات النبی ج اوّل صـ۹۵)

”۲۴ فروری ۱۹۰۵ء کو حالتِ کشفی میں جب کہ حضور کی طبیعت
ناساز تھی ایک شیشی دکھائی گئی جس پر لکھا تھا خاکسار پیپرمنٹ۔“

(مجموعہ الہامات و مکاشفات صـ۳۸ وحی مقدس)

• ۱۱۔ ”دس دن کے بعد میں موج دکھاتا ہوں۔“

(براہین ج دوم ح نمبر ۳ صـ۲۶۹)

مہمل الہامات

۱۔ "خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔"

(حقیقۃ الوحی ص۹۶)

۲۔ "بڑے تھوڑے دن رہ گئے ہیں، اس دن خدا کی طرف سے سب پر اداسی چھا جائے گی، یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ پھر تیرا واقعہ ہوگا۔ تمام عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷۔۱۰۸)

۳۔ فی شائل مقیاس۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۰۸)

۴۔ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ ایلی اوس

(براہین ص۵۱۲)

۵۔ "ربنا عاج۔ ہمارا رب عاجی ہے۔"

(براہین ج۔ دو۔ ح م ۳ ص۵۲۳)

۶۔ اشکر نعمتی رایت خدیجتی۔

(میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو دیکھ لیا۔)

(براہین ص۵۵۸)

۷۔ ھو شعنا نعسا

(براہین ج۔ دو ح م ۳ ص۵۵۶)

۸۰۔ پریشن۔ عمر۔ پیراطوس یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس۔

(مکتوبات احمدیہ جلد اوّل ص ۶۱)

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

"خدا تعالےٰ کا کلام لغو باتوں سے مُنزّہ ہونا چاہیے۔"

(ازالہ اوہام ج۔ اوّل ص ۱۵۵)

(دسواں باب)

وُسعتِ علم

جناب مرزا صاحب بار بار فرماتے ہیں کہ میری معلومات خدائی ہیں اور میں نے علم براہ راست اللہ سے حاصل کیا ہے۔

"سمیتک المتوکل وعلمناہ من لدنا علماً ؕ"

(اے احمد! میں نے تیرا نام متوکل رکھا۔ اور تجھے اپنی طرف سے علم سکھایا۔)

(ازالہ ص ۶۹۷)

وَعَلَّمَنِي من لدنه واكرم ؕ (خطبہ الہامیہ ص ۱۶۳)

(اللہ نے مجھے اپنی طرف سے علم سکھایا اور عزت دی)

وَهَبَ لی علوماً مقدسة نقية ومعارف صافية جلية

وعلمني ما لم يعلم غيري من المعاصرين ؕ

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۷)

(اللہ نے مجھے پاک مقدس علوم نیز صاف و روشن معارف عطا کیے اور وہ کچھ سکھایا۔ جو میرے سوا کسی اور انسان کو اس زمانے میں معلوم نہ تھا۔)

آیئے۔ ذرا "ان صاف و روشن معارف" کا جائزہ لیں۔

۱۔ سیرت مقدسہ کا ہر طالب العلم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدِ محترم آپ کی ولادت سے چند ماہ پہلے ایک تجارتی سفر میں فوت ہو گئے تھے اور آپ کی والدۂ ماجدہ کا انتقال پورے چھ برس بعد ہوا تھا لیکن جناب مرزا صاحب اپنی آخری تحریر میں فرماتے ہیں۔ " تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلعم وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد ہی فوت ہو گیا۔ اور ماں صرف چند ماہ کا بچہ چھوڑ کر مر گئی تھی۔"

(پیغام صلح ص ۱۹ - ۲۰)

مت بھولیے کہ یہ مرزا صاحب کی آخری تحریر تھی۔ جو انہتر برس کے علمی مطالعہ کا نچوڑ تھی۔ پھر تحریر بھی اس ہستی کے متعلق جن کا ذکر ہر زبان پہ اور چرچا ہر گھر میں ہے۔ اور واقعہ بھی ایسا جسے ہمارے لاکھوں واعظین تیرہ سو برس سے گلی گلی سنا رہے ہیں۔ اور جس سے ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آگاہ ہیں۔ حیرت ہے کہ جناب مرزا صاحب تاریخ نبوی کے اس مشہور ترین واقعہ سے بھی بے خبر نکلے۔

۲۔ خوارزم شاہی خاندان جس کا پایۂ تخت خیوہ یا خوارزم (روسی ترکستان) تھا۔ ۴۷۰ھ (۱۰۷۷ء) میں برسر اقتدار آیا۔ اور ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) تک زندہ رہا۔ یہ کل آٹھ بادشاہ تھے پہلا انوشتگین۔ اور آخری جلال الدین منکبرنی۔

(طبقات سلاطین اسلام از لین پول
مترجمہ عباس اقبال ایرانی ص ۱۶۱)

اسلام کا مشہور حکیم بوعلی بن سینا ۳۷۰ھ (۹۸۰ء) میں پیدا ہوا اور ۴۲۸ھ (۱۰۳۷ء) میں خوارزم شاہیوں کے ظہور سے بیالیس برس (قمری) پہلے فوت ہو گیا تھا۔

(تاریخ الحکما القفطی باب الکنیٰ)

لیکن :-

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

"اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

(مجموعہ الہامات و مکاشفات از منظور الٰہی ص ۴۴۹)

جناب میاں محمود احمد صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت مرزا صاحب کی کتب بھی جبریلی تائید سے لکھی گئیں"

(الفضل ۱۰ جنوری ۱۹۴۱ء)

یعنی جبرائیل علیہ السلام بھی تاریخ کے معمولی معمولی واقعات سے بے خبر تھے۔

۲ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی خبر دی گئی ہے۔

خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی۔ کہ هذا خلیفة الله المهدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے۔ جو ایسی کتاب میں درج ہے۔ جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

(شہادت القرآن ص ۴۱)

اُٹھائیے بخاری۔ اور از اوّل تا آخر ہر سطر پڑھ جائیے یہ حدیث نہیں ملے گی۔

" میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے۔ جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے "

(ازالہ ص ۵۶۳)

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اللہ نے حکم دیا تھا اگر قوم میں کوئی جھوٹا نبی پیدا ہو جائے۔ تو اسے قتل کر دو۔

لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔

(استثنا باب ۱۸ آیت ۲۰)

لیکن جناب مرزا صاحب دلیل افترا کے سلسلے میں اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

لیکن وہ نبی جو ایسی شرارت کرے کہ کوئی کلام میرے نام سے کہے جو کہ میں نے اس کا حکم نہیں دیا۔ کہ لوگوں کو سناتا اور وہ جو کلام

کرے دوسرے موعود کے نام پر وہ نبی مر جائے گا۔"

(ضمیمہ اربعین ۳-۴ ص ۹)

کجا یہ حکم کہ "قتل کیا جائے"۔ اور کجا یہ خبر کہ "مر جائے گا"۔ بائبل کے تمام تراجم جو آج تک دنیا میں ہو چکے ہیں، ملاحظہ فرمایئے، یہ ترجمہ کہیں نہیں ملے گا۔ جناب مرزا صاحب عبرانی زبان سے ناآشنا تھے اور بائبل کے تراجم افراد نے نہیں بلکہ عبرانی علما کی پوری جماعتوں نے برسوں میں کیے تھے ان لوگوں نے ہر ہر لفظ کی پوری چھان بین کی تھی۔ ان کے ترجمہ کو مسترد کرنے کے لیے زبردست لغوی دلائل کی ضرورت ہے۔ جو مرزا صاحب نے پیش نہیں فرمائے اور بغیر از سند نیا ترجمہ پیش کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا ترجمہ قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

"وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ۝"

(مسیح موعود کوئی بات اپنے پاس سے نہیں کہتا۔ بلکہ اس کا کلام خدائی وحی ہے۔) (اربعین نمبر ۳ ص ۳۹)

۶۔ "جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اس کی بیرونی حالت گویا حسن میں رشکِ یوسف تھی اور اس کی بیرونی حالت اپنی شوکت سے اسکندریہ رومی کو شرمندہ کرتی تھی۔"

(شہادت القرآن ص ۱۳)

یونان کے مشہور فاتح کا نام اسکندر تھا۔ اسکندریہ نہیں تھا۔ اسکندریہ مصر کا مشہور شہر ہے۔ جو بحرہ روم کے ساحل پر جس کی بنا اسکندر اعظم نے

[illegible]

[illegible] بلکہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا نے میرے [illegible] ڈالا ہے

(پیغام صلح ص ۳۲)

۷۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

" سارے قرآن میں ایک دفعہ بھی ان کی خارق عادت زندگی اور ان کے دوبارہ آنے کا ذکر نہیں "

(آسمانی فیصلہ ص ۵)

" قرآن مجید میں آنے والے مجدد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں "

(شہادت القرآن ص ۹۵)

اور پھر فرماتے ہیں :-

" لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا۔ تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لیے فتوے دیئے جائیں گے۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۲۱)

قرآن میں ایسی پیش گوئی کہاں ہے۔ دو سو سے زیادہ مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔ ایک لفظ تک مسیح و علماء کے تصادم کے متعلق میری نظر سے نہیں گزرا۔ کیا کوئی احمدی عالم کوئی ایسی پیشگوئی دکھا کر میری جہالت کو رفع فرمائیں گے ؟

علماء نے اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ رحم سے نیچے رحم کے سامنے ایک انڈا (انگریزی میں اووم کہلاتا ہے) منتظر رہتا ہے جونہی مخالطت کے وقت ماء الحیات کا کوئی ذرہ (جسے انگریزی میں سپرم کہتے ہیں) اس انڈے سے مل جاتا ہے تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط پکڑ لیتے ہیں پھر سرک کر رحم میں چلے جاتے ہیں۔ رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ولادت تک کوئی سپرم قطعاً رحم میں داخل نہیں ہو سکتا یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

لیکن

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

الله تعالیٰ فرماتا ہے واولات الاحمال ۔۔۔ ۔۔۔

یعنی حمل والی عورتوں کی طلاق کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کے بعد طلاق کے دوسرا نکاح کرنے سے دست کش رہیں۔ اس میں یہی حکمت ہے اگر حمل میں نکاح ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوسرے کا بھی نطفہ ٹھہر جائے اس صورت میں نسب ضائع ہوگی۔ اور یہ پتہ نہیں لگے گا کہ وہ دونوں لڑکے کس کس باپ کے ہیں۔ (آریہ دھرم صفحہ ۲۱)

اگر بالفرض حمل کی حالت میں بھی "نطفہ ٹھہر جائے"۔ اور پہلے حمل پر چار ماہ گزر چکے ہوں، دو ماہ کے بعد دوسرا حمل ٹھہر جاتا ہے تو ایک ماہ کے بعد چوتھا دور ہے بچہ نو ماہ کے بعد پیدا ہو جائے ہوں سال سال بچے جنتی رہے

۹۔ ایک اور دلچسپ بات سنیے :۔

"اور موتی کا کیڑا بھی ایک عجیب قسم کا ہوتا ہے اور بہت نرم ہوتا ہے اور لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں"

(چشمہ معرفت ص۳۲۷)

ہے کوئی گوہر شناس جو اس نکتہ کی تائید کرے؟

۱۰۔ ہم نے تو سن رکھا ہے کہ تیتر، بٹیر، و بطخ وغیرہ کا گوشت بڑا لذیذ اور صحت افزا ہوتا ہے لیکن آپ فرماتے ہیں۔

"بٹیر کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔"

(سیرۃ المہدی حصہ دوم ص۱۳۲)

کیا کوئی ماہر طب اس پہ روشنی ڈالیں گے؟

۱۱۔ آپ کا چوتھا فرزند مبارک احمد ۴ صفر ۱۳۱۷ھ کو بروز چہار شنبہ پیدا ہوا تھا۔ اس کی پیدائش پہ فرماتے ہیں۔

"اور جیسا کہ وہ چوتھا لڑکا تھا۔ اسی حساب سے اس نے اسلامی مہینوں میں سے چوتھا یعنی صفر اور ہفتہ کے دنوں میں چوتھا دن یعنی چہار شنبہ اور دن کے گھنٹوں میں سے بعد از دوپہر چوتھا گھنٹہ لیا۔"

(تریاق القلوب ص۴۱)

اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے جس کا دوسرا مہینہ ہے صفر لیکن آپ اسے چوتھا قرار دیتے ہیں۔ پھر اسلامی ہفتہ شنبہ سے شروع ہو کر جمعہ پہ ختم ہوتا ہے۔

۱ ، ۲ ، ۳ ۔ ۴ ، ۵ ، ۶ ۔ ۷

شنبہ ۔ یک شنبہ ۔ دوشنبہ ۔ سہ شنبہ ۔ چہار شنبہ ۔ پنجشنبہ ۔ جمعہ

اور چہار شنبہ پانچواں دن ہے لیکن آپ اسے چوتھا کہتے ہیں۔

" میں زمین کی باتیں نہیں کہتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا نے میرے منہ میں ڈالا ہے ۔"

(پیغام صلح صفحہ ۳۲)

۱۲ ۔ اب ایک طبی نکتہ سنیئے ۔

" روزہ رکھو ۔ کہ وہ خصی کر دیتا ہے ۔"

(آریہ دھرم صفحہ ۲۳)

اور یہ بھی کہ ۔

" میں بغیر خدا کے بلائے بول نہیں سکتا اور بغیر اس کے دکھائے دیکھ نہیں سکتا ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷۸)

(بارھواں باب)

نبی فصیح البیان ہوتا ہے

تجربہ شاہد ہے کہ وہی فلسفی، حکیم ادیب یا شاعر قبولیت عامہ حاصل کرتا ہے جس کا انداز بیان بہت شستہ، برجستہ، سلیس اور بلند ہو۔ مولانا آزاد کی "آب حیات" سعدی کی گلستاں اور حریری کی مقامات اسی لیے مقبول ہوئیں کہ یہ کتابیں فصاحت و بلاغت کا شاہکار تھیں۔

خود اپنے زمانے میں دیکھیے۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ علامہ نیاز فتحپوری ڈاکٹر احتشام حسین۔ احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی۔ علامہ مشرقی، جگر مراد آبادی جوش ملیح آبادی۔ مولانا ظفر علی خان۔ امتیاز علی تاج وغیرہم کو دنیائے علم و ادب میں اسی لیے مقام بلند حاصل ہے کہ ان کی انشا ادب، ترنم اور برجستگی کا دلنوازا امتزاج ہے انسان فطرتاً حسن پسند واقع ہوا ہے۔ حسن کے مظاہر بے شمار ہیں یہ فضائیں، یہ گھٹائیں یہ دریا یہ چشمے، یہ نغمے، یہ زمزمے یہ رنگین پھول یہ ملیح چہرے یہ گنگناتے ہوئے شعر یہ لہراتے ہوئے جملے سب حسن کے نشیمن ہیں تاریخ کو دیکھیے

لہ عربی زبان میں فصاحت و بلاغت الگ الگ وصف ہیں ہم نے اس کتاب میں اس امتیاز کو نظر انداز کر دیا ہے۔ (مصنف)

... خطیب در کامیاب ہو جس کی تقریر میں ہم آہنگ اور تحریر میں موسیقی ہو۔ جون آف آرک کی آتش بیانی نے سارے فرانس میں آگ لگا دی تھی۔ ہٹلر کی بلند تقریروں نے جرمنی کو فولادی چٹان بنا دیا تھا۔ چرچل کے حیات انگیز خطبوں نے جنگِ عظیم (۱۹۳۹ ۔ ۱۹۴۵) کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔ علامہ اقبال کی اعجاز سرائی نے دس کروڑ مسلمانوں میں آزادی کی آگ بھڑکا دی تھی اور قائدِ اعظم کی آتش نوائی نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کو جنم دیا تھا۔ بات میں روانی و برجستگی نہ ہو تو قطعاً کوئی نہیں سنتا خواہ آپ قرآن کا ترجمہ ہی کیوں نہ سنا رہے ہوں۔

فصاحت ایک نہایت کمیاب جوہر ہے جو کروڑوں میں سے ایک کو ملتا ہے۔ ہند و پاک کے پچاس کروڑ نفوس پہ نظر ڈالیے اور فرمائیے کہ ان میں فصیح البیان ادیب و خطیب کتنے ہیں۔ شاید آپ پچاس نام بھی نہ بتا سکیں یہی حال دیگر ممالک کا ہے۔

فصاحت ایک ایسی طاقت ہے جس نے دنیا میں ہزارہا انقلاب بپا کیے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے اسلامی انقلاب پہ نگاہ ڈالیے یہ کس کا اعجاز تھا کہ شتربان جہاں بان بن گئے تھے اور ان منتشر قطروں میں سمندروں کا جلال پیدا ہو گیا تھا۔ صرف فصیح و بلیغ قرآن کا جس کا ہر لفظ بجتا ہوا ساز تھا اور ہر دل گداز بات حضور علیہ السّلام کے منہ سے نکل کر سیدھی دلوں میں جا بیٹھتی اور روح میں ایک آگ بھڑکا دیتی تھی۔ اگر قرآن جوہر فصاحت سے عاری ہوتا تو شاید کوئی کان اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا یہ قرآن کی ندرت اور موسیقی کا اثر تھا کہ چند آیات سن کر نجاشی کے نسار آنسوؤں سے

بھاگ گئے تھے ۔ فاروق کی تیغ خوں آشام دفاع اسلام کے لیے بے سام ہو گئی تھی ۔ اور قیصرِ روم نے مایوس ہو کر کہا تھا ۔

" اگر عربوں کی حالت وہی ہے جو اے قاصد تم نے بیان کی ہے تو سن لو کہ وہ بہت جلد اس زمین کے مالک بن جائیں گے ۔ جو آج میرے قدموں کے نیچے ہے ۔ "

داناؤں سے سنا ہے کہ قلم تلوار سے بڑی طاقت ہے لیکن کونسا قلم ، وہ قلم جو پھول برسانے پہ آجائے تو صحراؤں کو رشکِ ارم بنا دے اور شعلے برسانے لگے تو فضاؤں میں چنگاریاں دہکنے لگیں نہ وہ قلم جو بلند سے بلند تخیل کے پیٹ میں چھرا بن کر پیوست ہو جائے ۔

فصاحت کیا ہے یہ ایک طویل بحث ہے مختصراً یہ کہ الفاظ میں ترنم ہو بندشوں میں چستی ہو ۔ تحریر میں روانی ہو ۔ کلام حشو و زوائد سے پاک ہو خلاف محاورہ نہ ہو ۔ الفاظ موضوع کے مطابق ہوں ۔ اگر خطیب کسی مجمع کو جانبازی کا سبق دے رہا ہے تو اس کے کلام میں زور ، تسلسل ، ہیبت اور جلال ہو ۔ اگر کربلا کا منظر کھینچ رہا ہے تو رقت ، سوز اور گداز ہو ۔ ڈھیلی بندشیں اور سست ترکیبیں بات کو نیم جان بنا دیتی ہیں اور مخاطب کو مضمحل ۔ ذوقؔ و غالبؔ نے بارہا ایک ہی مضمون پر قلم اٹھایا ۔ چونکہ ذوقؔ بے حد بد ذوق تھا ۔ اس لیے اس کا ہر تخیل منہ کے بل گرا ۔ اور غالبؔ اپنے حسنِ مذاق ، حسنِ تخیل اور حسنِ بیان کی بدولت ادب پرستوں کا معبود بن گیا ۔ فلسفۂ زندگی پہ دونوں طبع آزمائی کرتے ہیں ۔ ذوقؔ کہتا ہے ؎

ذوقؔ اس بحرِ فنا میں کشتیِ عمرِ رواں
جس جگہ جاکر لگی ڈوبی کنارہ ہوگیا

بحرِ زندگی " بحرِ فنا " کہنا ۔ جس جگہ جاکر " میں میں جمع جمع کردینا ۔ ڈوبی کو " ڈوبی " باندھنا " بن گیا " کی جگہ ہوگیا لانا اور صرف ایک شعر میں " اس " " رواں " اور " جاکر " جیسے میں زوائد (فاالتو الفاظ) بھر دینا بد مذاقی کی انتہا ہے دوسری طرف غالبؔ زندگی کو ایک ایسے " رخشِ سرکش " سے تشبیہ دیتا ہے جو سرپٹ بھاگا جارہا ہے ۔ دہشت زدہ سوار کے ہاتھ باگ پر نہیں اور نہ پاؤں رکاب میں ہیں ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس سوار کی منزل کہاں ہوگی ۔ اور انجام کیا ۔

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

کسی فلسفی سے پوچھئے کہ زندگی کی کتنی صحیح تصویر کھینچی ہے اور کسی ادیب سے پوچھئے ۔ کہ زورِ بیان اور رفعتِ تخیل کے لحاظ سے یہ کتنا فصیح شعر ہے ۔ تو ہم کہہ یہ رہے تھے کہ دنیا میں وہی ادیب وخطیب کامیاب رہتا ہے جو وصفِ فصاحت کا حامل ہو ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اعجازِ فصاحت عطا کیا تھا جناب مرزا صاحب بھی فصاحت و بلاغت کی انقلابی طاقت سے آگاہ تھے اور اسی لیے بار بار فرماتے ہیں ۔

" فصار عونی فی فصاحۃ البیان ۔ "
(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ)

(اللہ نے اپنے فضل سے مجھے فصیح البیان بنایا۔)

"اِنَّمَا اُوْتِیْتُ بِالْاٰیَاتِ وَالْقُوَّۃِ الْقُدْسِیَّۃِ وَحُسْنِ الْبَیَانِ"

(خطبہ الہامیہ ص۲۴)

(اللہ نے مجھے نشانات دیے۔ نیز قوت قدسیہ اور حسن بیان کی نعمت عطا کی۔)

کلامٌ اُفصحت من لدن رب حکیم ۔

(حقیقۃ الوحی ص۱۰۲)

(میرے کلام کو رب حکیم نے فصیح بنایا)

جناب مرزا صاحب کے ارشادات پانچ زبانوں میں ملتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی اور پنجابی۔ پنجابی میں صرف ایک آدھ الہام ہے انگریزی اقوال صفحات گذشتہ میں درج ہو چکے ہیں۔ عربی زبان میں آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ خطبہ الہامیہ۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر۔ اعجاز المسیح اور چند دیگر قصائد و مقالات۔ آپ عربی زبان میں مہارت رکھتے ہیں۔ قلم برداشتہ لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں چونکہ کسی غیر زبان پر پوری قدرت حاصل کرنا دشوار ہے اس لیے یہاں بھی لغزشیں پائی جاتی ہیں کہیں فعل و فاعل میں تطابق نہیں کہیں ضمیر و مرجع میں ہم آہنگی نہیں۔ اور کہیں پنجابی محاورات کو عربی میں منتقل کر دیا ہے یہ اغلاط کم سہی لیکن موجود ضرور ہیں۔ تفصیل کا انتظار فرمایئے۔

آپ کا فارسی کلام ہزارہا اشعار پر مشتمل ہے رنگ استادانہ ہے۔ مشکل زمینوں میں کامیابی سے اشعار کہتے ہیں مضمون تصوف یا عشق رسول

ہے ۔ اور کہیں کہیں ایسے اشعار بھی آجاتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے ۔ بعض اشعار میں اقبال کا رنگ اور فلسفہ جھلکتا ہے ۔ مثلاً

از یقین ہا می نماید عالمے
کاں نہ بیند کس بعد عالم ہمے
(براہین)

(یقین سے وہ عالم پیدا ہو جاتا ہے جس کی مثال سو دنیاؤں میں نہیں مل سکتی) (ایضاً)

چو شام پُر غبار و تیرہ حال عالمے بینم
خدا یروسے فرود آرد دعاہائے سحرگاہم
(براہین)

(غبار آلود شام کی طرح دنیا تاریک ہو رہی ہے خدا ان ظلمتوں پر میری دُعاہائے سحر نازل کرے)

زبان و تخیل کے لحاظ سے خوب شعر ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ غیر زبان میں لکھتے وقت اغلاط سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے ۔ آپ کا فارسی کلام بھی لغزشوں سے خالی نہیں ۔ باقی رہا آپ کا اردو کلام ۔ تو اس پر ہم قدرے بسط کے ساتھ نظر ڈالنا چاہتے ہیں ۔

۱۔ محلِّ الفاظ

دائرہ ذیل میں چند الفاظ بے ترتیبی سے بھرے ہوئے ہیں۔

- محمود
- خالد لاہور
- گیا سے
- ملنے

ان الفاظ کو کئی طرح ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

- ۱۔ خالد لاہور سے گیا ملنے محمود
- ۲۔ لاہور خالد سے ملنے گیا محمود
- ۳۔ گیا لاہور سے ملنے محمود خالد سے

قس علیٰ ہذا۔ اور یہ سب صورتیں غیر فصیح کہلائیں گی اس لیے کہ اجزائے جملہ اپنے محل پر نہیں۔ اردو میں فعل آخر میں ہوتا ہے۔ فاعل پہلے اور دیگر متعلقات بعد میں۔ چونکہ ملنا "لاہور میں پہنچنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس لیے لاہور کا ذکر پہلے آنا چاہیے۔ تو ان الفاظ کی صحیح ترتیب یہ ہو گی۔

محمود خالد سے لاہور ملنے گیا

'لاہور' کے بعد 'میں' اور 'ملنے' کے بعد 'کے لیے' ایجاز (اختصار) کی خاطر حذف کر دیئے گئے۔ کہ ایجاز جانِ فصاحت ہے۔

دُوسری مثال :- "مارا محمود کو میں نے ۔"

اس جملے میں "مارا" فعل ہے۔ جس کا صحیح مقام آخر میں ہے "مَیں" فاعل ہے اور "محمود" مفعول۔ فاعل مفعول سے پہلے ہونا چاہیے۔ اس لیے جملے کی صحیح صُورت یہ ہے۔

"مَیں نے محمود کو مارا۔"

صحت فصاحت کی بنیاد ہے اگر کسی فقرے میں قواعد کی اغلاط موجود ہوں تو وہ فصیح ہو ہی نہیں سکتا۔ ان الفاظ پر غور فرمائیے۔ فلاسفہ۔ فلاطونی۔ گروہ۔ خیر محض علم۔ صرف۔

سب کے سب فصیح الفاظ ہیں۔ ان کی ترتیب اس طرح بھی ہو سکتی ہے۔ "فلاسفہ کا فلاطونی گروہ صرف علم کو خیر محض سمجھتا ہے۔

اور اس طرح بھی :-

"فلاسفہ کے فلاطونی گروہ صرف علم کو خیر محض سمجھتے ہیں۔"

پہلا جملہ فصیح ہے اور دوسرا غیر فصیح۔ اس لیے کہ دوسرے میں جمع و مفرد اور مؤنث و مذکر کی تمیز قائم نہیں رکھی گئی۔

تو گویا فصاحت کے لیے ضروری ہے کہ کلام اغلاط سے مبرّا ہو اور ہر لفظ اپنے صحیح مقام پر ہو۔ جب ہم جناب مرزا صاحب کی تحریرات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو اندازاً پچاس فیصد ایسے جملے ملتے ہیں۔ جن کی ترتیب فطری نہیں۔ چند امثلہ ملاحظہ ہوں۔

۰ ۱ :- اور ایک جماعت محققین کی بھی یہی معنی آیت موصوفہ بالا

کے یہی ہے۔ (ازالہ ص۴۲۶)

اردو میں مضاف الیہ ہمیشہ پہلے آتا ہے لیکن یہاں مضاف ایک جماعت پہلے ہے۔ اسی طرح "یہی معنے" (مضاف) "آیت موصوفہ" (مضاف الیہ) سے پہلے مذکور ہوا۔ "موصوفہ" میں "بالا" کا مفہوم موجود ہے اس لیے "بالا" زائد ہے۔ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

"اور محققین کی ایک جماعت بھی آیتِ موصوفہ کے یہی معنے لیتی ہے"

"خدا تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل وفاداری کا تعلق ہوتا ہے۔"

(ازالہ ص۴۴۶)

"کو" علامتِ مفعول ہے نہ کہ نشانِ اضافت۔ اس لیے یہاں "کا" چاہیے۔ "کے ساتھ" کی جگہ "سے" کافی ہے۔

۲۰۔ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کے بعض سادات کرام کے کشفِ لطیف پہ بنیاد معلوم ہوتی ہے۔

(ازالہ ص۴۵۷)

"اصل بات" کے ساتھ "معلوم ہوتی ہے" بے معنی ہے کیونکہ وہ مظہر یقین ہے اور یہ مجزا اشتباہ۔ باقی فقرہ مہمل ہے "بنیاد" مضاف ہے اور روایات مضاف الیہ۔ دونوں میں سات الفاظ حامل ہیں۔ یہ انفصال علمائے فصاحت کے ہاں ناروا ہے۔ جملے میں "کے لیے" کی تکرار ذوق خراش ہے فقرہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ شیعی روایات کی بنیاد بعض سادات کرام کے
کشفِ لطیف پہ رکھی گئی ہے۔

۳۔ کہ میری اس تجویز کے موافق جو میں نے دینے چندہ کے
لیے رسالہ مذکورہ میں لکھی ہے۔ (ازالہ ص ۴۷۴)
ملاحظہ کی یہ ترکیب "دینے چندہ کے لیے"

گو جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں اس طرح کی ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔ لیکن ہم صرف انہی امثلہ پہ اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ ثقیل الفاظ

جس طرح ایک ساز سے دو قسم کے سُر نکلتے ہیں۔ لطیف و ثقیل اسی طرح الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ہلکے اور بھاری۔ یا یوں سمجھیے کہ بعض الفاظ مترنم ہوتے ہیں۔ جیسے تبسم۔ روان۔ عیاں دواں۔ قائم دائم وغیرہ۔ اور بعض غیر مترنم مثلاً کچھوا۔ بُڈھو۔ اگاڑی پچھاڑی۔ پنگڑ۔ بھوت۔ بھبوکا۔ لگڑ بگڑ وغیرہ دیدہ سے نین۔ محبت سے پریم۔ کشتی سے نیا۔ سمندر سے ساگر۔ پہاڑ سے کوہ قطرے سے بوندی۔ عشق سے پیت اور معشوق سے پیتم۔ ہلکے اور سُریلے الفاظ ہیں۔ ادیب کا فرض ہے کہ وہ تحریر میں ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کرے

اور ثقیل و کثیف الفاظ سے بچے" علما و حکما اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔"

اس مضمون کو ایک مولانا صاحب یوں ادا فرماتے ہیں۔

علمائے محققین و حکمائے مدققین و حاملین علم المعرفت و الیقین و دانایانِ اسرار شرع متین پہ یہ حقیقت غامضہ کالشمس واضح و مبرہن ہے۔

یہ تو خیر گذری کہ مولانا نے الفاظ کو اپنے صحیح مقامات پہ رہنے دیا ورنہ وہ ملغوبہ تیار ہوتا کہ عمر بھر سمجھ میں نہ آتا۔

لطیف و مترنم الفاظ کا انتخاب، ذوق سلیم کا کام ہے۔ ادبی مذاق جتنا بلند ہوگا۔ انتخاب اتنا ہی اچھا ہوگا۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ایسے ہلکے پھلکے شیریں اور متبسم الفاظ چنتے ہیں کہ صفحۂ قرطاس دامانِ گل فروش بن جاتا ہے یہی حال ندیم و اختر شیرانی کا ہے میں ان کی نظمیں پڑھتا ہوں تو یوں محسوس کرتا ہوں، گویا غم کی دیوی ستار بجا رہی ہے اور فضائیں نغمے انڈیل رہی ہیں، کیا یہی کیف و سرور جناب مرزا صاحب کے ہاں بھی موجود ہے؟ نہیں، وہاں ادبی رنگینیاں نام کو نہیں۔ وہی علمائے مکاتب کا کھردرا شائل لمبے لمبے غیر مربوط جملے اور ثقیل الفاظ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

جب ہم اپنے نفس سے بکلی فنا ہو کر دردمند دل کے ساتھ لا یدرک وجود میں ایک گہرا غوطہ مارتے ہیں۔ تو ہماری بشریت الوہیت کے دریا میں پڑنے سے عندالعود کچھ آثار و انوار اس عالم کے ساتھ لے آتی ہے۔

(ازالہ ص ۲۳۱)

ان کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی جاتی ہے جو تکبر اور نحوست اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بخل اور تنگدلی سب دور کی جاتی ہے اور انشراح صدر اور بشاشت عطا کی جاتی ہے۔

(ازالہ ص ۴۴۵)

"اور نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ اور بچار اور مشق اور مغز زنی اور استعمال قواعد مقررۂ صناعتِ منطق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل علمیہ اس کو مستحضر ہو گئے ہیں۔"

(براہین ص ۱۴۴)

آپ کا اسلوب بیان از سرتاپا شستہ بند شوں، غیر مربوط جملوں اور ثقیل ترکیبوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ ہے۔

۳۔ تکرارِ الفاظ

علمائے فصاحت کا یہ فیصلہ ہے کہ ایک ہی لفظ کا بار بار اعادہ کلام کو پایہ فصاحت سے گرا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ لطیف المذاق شعراء ایک غزل میں کسی قافیہ کو دوبارہ نہیں باندھتے اور جہاں تک ممکن ہو کسی جملے میں ایک ہی لفظ کے اعادہ سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ ہاں بعض مقامات پر ترنم یا ندرت پیدا کرنے کے لیے ایک لفظ کو دہرایا جاتا ہے، مثلاً:-

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں (غالب)

برسات کا ایک منظر ملاحظہ ہو :-

مستیٔ سیمیں ہر سُو لرزاں — پتی پتی کیف بداماں
ہلکی ہلکی بوندیں برسیں — گلشن گلشن نغمے رقصاں

سبزہ اُبھرا دھانی دھانی
دنیا ہے رنگین کہانی

مہکی مہکی آئی ہوائیں — بہکی بہکی چھائی گھٹائیں
دہکا دہکا رنگِ گلستاں — بھیگی بھیگی مست فضائیں

ذرّہ ذرّہ محوِ تبسم
فطرت میں نغموں کا تلاطم

(مصنف کے دورِ شاعری کی یادگار)

رخت بہ کاشمر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببیں لالہ چمن چمن نگر (اقبال)

یوں کہہ لیجئے کہ تکرار کی دو صورتیں ہیں۔ ملیح و قبیح۔ اقتباساتِ ذیل میں تکرار کی کونسی قسم ہے۔ فیصلہ آپ پہ چھوڑتا ہوں۔

بوڑھے ہو کر پیرانہ سالی کے وقت میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(دیباچہ براہین ص ب)

بڑھاپا اور پیرانہ سالی مترادف ہیں ۔ اردو میں "وقت" کے ساتھ "میں مقدر ہوتا ہے ۔

"دوپہر کے وقت" ۔ شام کے وقت" صحیح ہے ۔ اور "دوپہر کے وقت میں" غلط ہے ۔

"ائمہ اربعہ کی شہادت گواہی دے رہی ہے ۔"

(تحفہ گولڑویہ ص ۹)

شہادت کے معنی بھی گواہی ہیں ۔

چنیں زمانہ چنیں دوریں چنیں برکات
تو بے نصیب روی وہ چہ ایں شقا باشد

(تریاق ص ۷)

چنیں کی گردان ملاحظہ ہو ۔

"درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں ۔ جو ایک لایدرک بھید کے طور پر جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

(ازالہ ص ۴۴)

"لایدرک بھید کے معنی ہی ہیں ۔ وہ راز جس کی تہ تک انسانی عقل نہ پہنچ سکے ۔ تو پھر" جس کی تہ تک انسان کی عقل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

کی ضرورت؟

اگر کئی مرکباتِ عطفی ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ تو صرف آخری معطوف سے پہلے واؤ لاتے ہیں۔ مثلاً:-

"میں نے بازار سے کتاب، قلم، پنسل، چاقو اور دوات خریدی۔"

لیکن جناب مرزا صاحب "اس سنتِ حسنہ" کو خاطر میں نہیں لاتے براہین کا وہ جملہ پھر پڑھیے اور گنیے کہ ایک فقرے میں اور کا کتنی مرتبہ اعادہ ہوا۔

" اور تیز بباعث ہمیشہ کے سوچ بچار اور مشق اور مغزرانی اور استعمال قواعد مقررۂ صناعت منطق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل نقلیہ اس کو مستحضر ہو گئے ہیں۔

۴۔ توالی اضافت و توصیف

یہ ایک فنی اصطلاح ہے۔ توالی کے معنی ہیں تسلسل اور تواتر۔ ادب اردو میں یہ سنت قائم ہو چکی ہے کہ نثر میں ایک سے زیادہ اضافت یا توصیف روا نہیں۔ "اوراقِ تاریخ، فضائے گردوں اور لالہ صحرا" تو درست ہیں۔ لیکن اوراقِ تاریخ عصرِ کہن۔ فضائے نیلفامِ گردوں اور لالہ تنہائے صحرا درست نہیں۔

وجہ یہ کہ دوہری اضافت ثقیل ہوجاتی ہے اور مذاقِ سلیم پہ گراں گزرتی ہے جناب مرزا صاحب اس پابندی سے بھی آزاد ہیں۔ ان کے کلام میں توالی اضافات کا عیب از اوّل تا آخر پایا جاتا ہے۔ صرف چند مثالیں حاضر ہیں۔

• ۱۔ وہ لوگ کیسے بدفہم ہیں جو ایسے ذریعۂ کاملہ وصولِ حق سے اپنے تئیں مستغنی سمجھتے ہیں۔

(ازالہ صـ۴۲۰)

• ۲۔ "مگر اب بوجۂ احاطۂ جمیع ضروریات تحقیق و تدقیق اور اتمامِ حجت کے ......" براہین۔ ابتدا عنوان (مسلمانوں کی حالت اور اسلام کی غربت)

• ۳۔ "تا امتِ موسویہ اور امتِ محمدیہ میں از روئے موردِ احسانات حضرتِ عزت ہونے کے پوری پوری مماثلت ثابت ہوجائے۔

(ازالہ صـ۴۴۶)

۵۔ حشو و زوائد

ہر شخص جانتا ہے کہ کھانا منہ کا فعل ہے۔ چلنا پاؤں کا۔ سننا کان کا اور دیکھنا آنکھ کا۔ اس لیے یہ کہنا کہ :۔

• ۱۔ زید منہ سے کھا رہا ہے۔

۲۔ کانوں سے سُن رہا ہے۔

۳۔ اور پاؤں سے چل رہا ہے۔

درست نہیں۔ ان جملوں میں "منہ سے کانوں سے اور پاؤں سے" فالتو الفاظ ہیں۔ اسی طرح اس جملے میں۔

"اس کے پاؤں میں تو بس خدا جانتا ہے۔ کہ ایک چکر سا ہے۔"

"تو بس خدا جانتا ہے کہ ایک چکر سا ہے۔" سب بیکار اور زائد الفاظ ہیں۔

ذوقؔ کے اس شعر میں:۔

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

"طبیعی" اور "گزار" فالتو ہیں۔

جناب مرزا صاحب کے کلام میں حشو و زوائد کی وہ بھرمار ہے کہ اگر ایسے تمام جملے جمع کر دیئے جائیں۔ تو دس ضخیم مجلّدات تیار ہو جائیں۔ یہاں صرف چند مثالیں حاضر ہیں:۔

۱۔ سو بعد اس کے قرآن قیامت کے آنے پر اپنے اعجازی بیانات اور تاثیراتِ احیائے موتےٰ سے دلیل محکم قائم کر رہا ہے۔ (ازالہ صـــــ ۴۲۷)

اس میں فالتو الفاظ یہ ہیں:۔

۱۔	سو بعد اس کے کہ	ایک لفظ "جب" کافی تھا۔
۲۔	اپنے اعجازی بیانات	"اپنے" بیکار ہے۔ "اعجازی بیانات

اور تاثیرات احیائے موتے | اور تاثیرات احیائے موتے
مہمل و بے ربط ہونے کے علاوہ
توالی اضافات سے بھی داغدار ہیں۔

---

۰ ۲۔ اجماع ان امور پر ہوتا ہے جن کی حقیقت بخوبی سمجھی گئی اور دیکھی گئی اور دریافت کی گئی۔ اور شارع علیہ السّلام نے ان کے تمام جزئیات سمجھا دیئے۔ دکھا دیئے. سکھلا دیئے۔

(ازالہ صـ۴۲۷)

خط کشیدہ جملے بیکار ہیں۔" ان کے تمام جزئیات" جزئیات "مونث ہے۔ اس لیے کی چاہیے۔ یہ جزئیات دکھانا اور سکھلانا مہمل ہے۔

---

۰ ۳۔ پھر جب ہم اس آیت پر نظر ڈالیں کہ جو اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ (ازالہ صـ۴۲۷)

کیا کوئی آیت ایسی بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو تو پھر "کہ جو اللہ جل شانہ قرآن میں فرماتا ہے" کی ضرورت؟

یہ ابتدا میں "پھر" کی کیا حاجت تھی اور یہ "کہ جو" کا "گلجوڑ" کا خوب ہے اسم موصول (جو آدمی جس کتاب وغیرہ) سے پہلے کہ کا استعمال معیوب ہوتا ہے۔ "ڈالیں" کی جگہ "ڈالتے ہیں" چاہیے۔ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا ہو سکتا تھا۔

ہم جب اس آیت پہ نظر ڈالتے ہیں تو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "

" اگر کشتی دین کی ان کی نظر کے سامنے ساری کی ساری ڈوب جائے ۔"

(براہین دیباچہ ب)

اغلاط کی تفصیل :۔

۱۔	کشتی دین کی	دین کی کشتی چاہیے ۔
۲۔	کی نظر	زائد
۳۔	ساری کی ساری	بیکار" ڈوبنے" کا مفہوم ہی یہی ہے کہ کوئی چیز پانی میں چھپ جائے ۔

۶۔ محاورہ

محاورہ اہل زبان کی بول چال اور اسلوب بیان کا نام ہے جس کی پابندی لازمی ہے ۔ اہل زبان " غم کھانا " کہتے ہیں ۔" غم پینا " نہیں کہتے ۔

اسی طرح :۔

۱۔	نقل اتارنا	صحیح ہے اور	نقل کھینچنا	غلط ہے
۲۔	بات کاٹنا	" " "	بات چیرنا	" "
۳۔	ٹھوکر کھانا	" " "	ٹھوکر پینا	" "
۴۔	تین پانچ کرنا ۔	" " "	تین سات کرنا	" "

۵۔	لنگوٹی میں پھاگ کھیلنا	صحیح ہے اور	پتلون میں پھاگ کھیلنا غلط ہے			
۶۔	دل لگی	″	″	″	آنکھ لگی	″ ″
۷۔	دل میں چور بیٹھنا	″	″	″	دل میں ڈاکو بیٹھنا	″ ″
۸۔	دھونس دینا	″	″	″	دھونس مارنا	″ ″
۹۔	کانوں کان خبر نہ ہونا	″	″	″	کانوں کانوں خبر نہ ہونا	″ ″
۱۰۔	کس باغ کی مولی	″	″	″	اور کس باغ کا کدو	″ ″

جناب مرزا صاحب محاورہ کے بھی پابند نہیں ہیں۔ مثلاً :۔

۱۔ ایسے لوگوں کی اندرونی حالت ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی مفلسی ظاہر کرتی ہے۔ (ازالہ ص ۴۴۲)

محاورہ ہے "کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا" یعنی سوال کرنا۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر مفلسی ظاہر کرنا" بے معنی ہے۔

۲۔ فارسی میں ایک محاورہ ہے "دروغ بافتن" اور اردو کا محاورہ ہے "جھوٹ گھڑنا" جھوٹ بنانا یا جھوٹ کے پل باندھنا"۔

لیکن جناب مرزا صاحب ایک نیا محاورہ پیش فرماتے ہیں۔

"یہ دروغ سب سے فروغ اسی حد تک بنایا گیا تھا۔"

(ازالہ ص ۵۲۶)

دروغ بننا کوئی محاورہ نہیں۔

۳۔ اردو میں ذرا اور ذرّہ دو علیحدہ لفظ ہیں۔

ذرا، تھوڑا۔ کم۔ ایک لمحہ

ذرا ٹھہرو تو سہی۔

ذرا ہوش میں آؤ۔

ذرا عقل کے ناخن لو۔

ذرّہ جمع ذرّات۔ اجزائے غبار۔

ذرّہ بے مایہ۔ ذرّۂ خاک

ذرّہ بھر

اس فرق کو سمجھنے کے بعد اب یہ فقرہ دیکھیئے:۔

قرآن کریم نے حضرت مسیح کے وفات کے منکروں کو ایسی ترک دی ہے۔ کہ اب وہ ذرّہ نہیں ٹھہر سکتے۔

"وفات" مذکر ہے یا مؤنث اسے جانے دیجئے۔ صرف یہ دیکھیئے کہ آخری جملے میں "ذرّہ" کا مفہوم کیا ہے اور اس کا یہ استعمال کہاں تک صحیح ہے؟

۴۔ "لگ جانا" ایک عام فعل ہے جس کے مفہوم سے ہر کوئی واقف ہے، مثلاً نظر لگ جانا۔ بیماری لگ جانا۔ کپڑے کو مٹی لگ جانا۔ کیڑا لگ جانا۔ یہ محاورات اردو اور پنجابی دونوں میں استعمال ہوتے ہیں اور انہیں سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی ایک وحی میں اس لفظ کا استعمال کچھ اس طرح ہوا ہے کہ کچھ بھی پلے نہیں پڑتا۔

اللہ فرماتا ہے:۔

" میری رحمت تجھ کو لگ جائے گی۔ اللہ رحم کرے گا۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۷)

کیا رحمت کوئی بیماری ہے۔ جس سے محفوظ رہنے کی بشارت دی جا رہی ہے یا دھمکایا جا رہا ہے۔ کہ اے میرے نبی! تو اس وقت میری رحمت سے بچ نہیں سکتا۔ البتہ! آخر میں تم پہ رحم کیا جائے گا۔

اس طرح کے کئی اور الہام بھی ہیں۔ جن کی زبان غلط ہے۔

مثلاً:۔

" پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن۔"

لفظ " ثلج" اردو میں قطعاً استعمال نہیں ہوتا۔ پھر ثلج یعنی برف آتی نہیں۔ بلکہ برستی ہے مزید یہ کہ برف باری سردیوں میں ہوتی ہے نہ کہ بہار میں۔ ایامِ بہار میں برف پگھلنے لگ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وجہ سے فضائیں سرد ہو جائیں اور بہار میں بھی ایک آدھ دن برف برسنے لگے۔ لیکن بہار کے دن برف باری کے نہیں۔ بلکہ برف گدازی کے دن ہوتے ہیں۔ اس لیے اس الہام کی زبان خلافِ محاورہ اور مضمون خلافِ حقیقت ہے۔

یا یہ الہام:۔

ــــہ تو در منزلِ ما چو بار بار آئی
خدا ابرِ رحمت بباریدیا نے

(حقیقۃ الوحی ص۲۷۷)

پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔ وزن قائم رکھنے کے لیے "بار بار" کو "بربار" پڑھنا ہوگا۔ جو صریحاً غلط ہے۔

جس طرح خود مرزا صاحب کی زبان ڈھیلی ڈھیلی۔ خلافِ محاورہ عموماً غلط اور کہیں کہیں مہمل بھی ہے۔ یہی حال آپ کے الہامات کا ہے اس سے ایک غیر جانبدار نقاد صرف ایک ہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ الہامات و مقالات سب ایک ہی دماغ کی پیداوار ہیں۔

۷۔ فارسی توصیف و اضافت و حروفِ فارسی

فارسی مرکب توصیفی میں موصوف پہلے ہوتا ہے۔ مثلاً:۔
بادِ خنک۔ گلِ سُرخ۔ زلفِ دراز۔ آبِ شیریں اور مرکبِ اضافی میں مضاف پہلے۔ مثلاً:۔

گلِ لالہ۔ سروِ چمن۔ شاخِ گل۔ نوائے عنادل۔

قاعدہ:۔ فارسی توصیف و اضافت صرف فارسی یا عربی الفاظ میں ہو سکتی ہے۔ اگر ایک لفظ ہندی ہو۔ یا دونوں۔ تو اس صورت میں ہندی توصیف و اضافت سے کام لینا پڑے گا۔ اردو میں صفت پہلے ہوتی ہے۔ مثلاً:۔ ٹھنڈا پانی۔ اونچا پیڑ۔ رسیلی آنکھیں اور مرکب اضافی میں مضاف الیہ پہلے۔ مثلاً:۔ رام کا بن۔ تاج کا ہیرا۔ مور کی کلغی۔

اگر مرکب کا ایک جزو یا دونوں اجزا ہندی ہوں۔ تو ان میں فارسی توصیف و اضافت جائز نہیں۔

اس لیے

۱۔ پائے خر	صحیح ہے اور	لتِ گدھا	غلط ہے
۲۔ گلِ آب	" " "	پھولِ گلاب	" "
۳۔ ورقِ گل	" " "	ورق سونا	" "
۴۔ آبِ خنک	" " "	پانی ٹھنڈا	" "
۵۔ آدمِ دراز	" " "	آدمِ لمبا	" "
۶۔ یومِ مبارک	" " "	دن مبارک	" "

یہی حال فارسی حروف کا ہے۔ کہ وہ بھی فارسی الفاظ پہ داخل ہوتے ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ روز بروز	صحیح ہے اور	دن بدن	غلط ہے
۲۔ شب و روز	" " "	رات و دن	" "
۳۔ از روز تا شب	" " "	از دن تا رات	" "
۴۔ علی الاعلان	" " "	علی الڈھنڈی	" "
۵۔ بغند	" " "	بہ ہٹ	" "
۶۔ ازراہِ کرم	" " "	ازراہ کرپا	"
۷۔ برائے فروخت	" " "	برائے بیچنا	"

ان مقدمات کے بعد جناب مرزا صاحب کے اقوالِ ذیل ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ "۔۔۔۔۔۔ ہر ایک دانا کی نظر میں قابل ہنسی ہے۔"
(ازالہ ص ۸۷)

قابل عربی ہے اور ہنسی ہندی

۲۔ ایک نشان آسمان کا لے لیں۔ یعنی مہینہ رمضان کا خسوف و کسوف۔
(تحفہ گولڑویہ ص ۶۲)

مہینہ ہندی ہے اور رمضان عربی

۳۔ خدا نے بے باپ پیدا ہونے میں حضرت آدم سے حضرت مسیح کو مشابہت دی۔
(تحفہ گولڑویہ ص ۱۱۵ حاشیہ)

۴۔ گورنمنٹ محسنہ انگریزی کو بے وقت یہ خلاف واقعہ خبر کر دی۔
(تریاق ص ۳۴۸)

گورنمنٹ۔ انگریزی۔ محسنہ۔ عربی۔

۵۔ اگر کسی فارسی یا عربی لفظ کی جمع ہندی طریقے پہ بنائی جائے۔ مثلاً مسجد سے مسجدوں اور کتاب سے کتابوں۔ تو ایسی جمع اردو کا لفظ تصور ہوگی اور فارسی توصیف و اضافت یہاں بھی ناجائز ہوگی۔ اس لیے محراب مساجد درست ہے اور محراب مسجدوں غلط

لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

"قلتِ بارشوں سے تو صرف غیر نہری فصلوں کا نقصان مقصود ہے۔۔۔۔۔۔"
(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۴)

"یہ حصہ تو کثرت بارشوں کے متعلق ہے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صـ ۴۴)

۸۔ تذکیر و تانیث

ہر زبان میں بعض اشیاء مذکر ہوتی ہیں اور بعض مؤنث اور تحریر و تقریر میں اس امتیاز کو قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے چند سال ہوئے مجھے ایک پٹھان لیڈر کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔ اس کی زبان کچھ اس قسم کی تھی۔

"خوچہ قائد اعظم کہتی ہے کہ وہ کشمیر کی خاطر لڑے گی۔ ہمارا یہ بادشاہی نہ اپنا ہے۔ ہم اس پہ خود بیٹھ کر سوچے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔"

فہمیدہ لوگ اس تقریر پہ ہنس رہے تھے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ فاضل مقرر نرو مادہ میں تمیز کرنا نہیں جانتا تھا۔ جناب مرزا صاحب کی تصانیف میں بھی یہ امتیاز بہت کم قائم رکھا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

○ ۱۔ صرف دو سبیل ہیں۔ تیسرے کوئی سبیل نہیں۔ (ازالہ صـ ۵۴۱)

سبیل مؤنث ہے۔

○ ۲۔ بعض نے تیرے کلام کے تبینات .... تیرے کلام کے دلالات ...." (ازالہ صـ ۵۶۰)

تبینات مؤنث ہے اور خدا جانے یہ دلالات کیا چیز ہے؟

○ ۳۔ صحیح حدیث سے مسیح کی ظہور کا کوئی زمانہ ......" (ازالہ صـ ۵۶۸)

ظہور۔ مذکر ہے ۔

۴۔ اور جیسی موسوی شریعت کا ابتدا موسیٰ سے ہوا ۔

(ازالہ ص۶۴۸)

جیسے چاہیئے۔ ابتدا مؤنث ہے ۔

۵۔ آیات معجزے تو آنحضرت صلعم کے وقت مبارک سے ہی ظاہر ہونے شروع ہوگئی تھیں۔ (ازالہ ص۶۸۲)

آیات مؤنث ہے۔ لیکن فعل آدھا مذکر ہے اور آدھا مؤنث ۔

۶۔ اگر قیمت پیشگی کتابوں کا بھیجنا منظور نہیں ۔

(دیباچہ براہین ص ج)

قیمت مؤنث ہے ۔

۷۔ اس کی مرض انتہا کو پہنچ گئی۔ (براہین ج۔ دوح ص۲۲۷)

مرض مذکر ہے ۔

۸۔ زبان خدا کے ہاتھ میں ایک آلہ ہوتا ہے جس طرح اور جس طرف چاہتا ہے ۔ اس آلہ کو یعنی زبان کو پھیر دیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ الفاظ اور کے ساتھ اور لیک جلدی نکلتے ہیں۔

(براہین ج۔ دوح ص۴۷۹/۲)

زبان مؤنث ہے۔ خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم میری سمجھ سے بالاتر ہے ۔

۹۔ پھر ایسے معتقد ہوگئے جس کا حد انتہا نہیں۔ (ازالہ ص۱۰۰)

حد مؤنث ہے ۔

• ۱۰۔ اور دوسرے کی انتظار ہے۔ (تحفۂ گولڑویہ ص۱۸)

انتظار مذکر ہے۔

• ۱۱۔ مَیں خدا کا چراگاہ ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۵)

چراگاہ مؤنث ہے۔

• ۱۲۔ درد گر رہی تھی (حقیقۃ الوحی ص۲۴۵)

درد مذکر ہے۔

• ۱۳۔ یہ ایک ایسا قرارداد ہے (چشمۂ معرفت ص۹)

قرارداد مؤنث ہے۔

• ۱۴۔ جس قدر انسانی روح اپنے کمالات ظاہر کر سکتا ہے۔
(چشمۂ معرفت ص۱۰)

روح مؤنث ہے۔

• ۱۵۔ اگر ان میں ایک ذرّہ تقویٰ ہوتی۔ (آسمانی فیصلہ ص۴)

تقویٰ مذکر ہے۔

• ۱۶۔ بہشت ایسا ہے۔ (شہادت القرآن ص۵۲)

بہشت مؤنث ہے۔

۹۔ جمع و مفرد

اگر فاعل جمع ہو تو فعل کا جمع ہونا ضروری ہے لیکن جناب مرزا صاحب اس پابندی کے بھی قائل نہیں تھے۔ امثلہ ذیل میں خط کشیدہ الفاظ کو دیکھیے۔

۱۔ اب جس قدر میں نے پیشگوئیاں بیان کی ہیں ۔۔۔۔۔ صدق یا کذب کے آزمانے کے لیے یہی کافی ہے۔

(ازالہ ص ۶۲۵)

۲۔ ایک مکھی کے خواص اور عجائبات کی قیامت تک تفتیش ۔۔۔۔۔ کرتے جائیں تو وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

(ازالہ ص ۶۷)

۳۔ خدا کے ماموریں کے آنے کے بھی ایک موسم ہوتے ہیں۔

(اربعین ۳ ص ۱۷)

۱۰۔ الفاظ کا غلط استعمال

جناب مرزا صاحب نے بعض مقامات پر الفاظ کا غلط استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:

۱۔ صرف کوّے کی طرح یا بھیڑی کی مانند ایک نجاست کو ہم

حلوا سمجھتے رہیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صرف لونبڑی کی طرح داؤ پیچ بہت یاد ہوں گے ۔ (ازالہ ص ۴۲۱)

اردو میں بھیڈی اور لونبڑی کی جگہ بھیڑ اور لومڑی استعمال ہوتے ہیں۔ بھیڈی کوئی لفظ ہی نہیں یہاں لونبڑا ایک لفظ ہے جس کے معنی فیروز اللغات میں لمبا یعنی دراز قد دیئے ہوئے ہیں ۔

۲ ۔ ان کو ان اعمال صالحہ کے بجالانے کی قوت دی جاتی ہے جو دوسرے ان میں کمزور ہوتے ہیں ۔ (ازالہ ص ۴۴۵)

یہاں 'جو' بے محل ہے ۔

۳ ۔ ان میں ایک ہیبت بھی ہوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ ایک خاص طور پر ان کے ساتھ ہوتا ہے ۔

(ازالہ ص ۴۲۷)

ایک خاص طور پر ۔ مطلب ؟

۴ ۔ جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ درحقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے ۔ جس کی کم و بیش دور دور تک روشنی پہنچتی ہے ۔ (ازالہ ص ۴۲۹)

خط کشیدہ حصص بے معنی ہیں ۔

۵ ۔ اردو کے مرکب توصیفی میں موصوف مفرد یا جمع ، صفت مفرد ہی رہے گی ، مثلاً چھوٹی کتاب ۔ چھوٹی کتابیں ۔ سبز ٹہنی ۔ سبز ٹہنیاں ۔ جنگلی لڑکی ۔ جنگلی لڑکیاں ۔ لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔

"......... (یہ پادری) کافرستان کے وحشی لوگوں اور افریقہ کے جنگلیوں آدمیوں کے پاس جاتے ہیں۔" (ازالہ ص۴۹)

• ۶۔ تو پھر روح اس جسم میں آگئی جو بطور بیکار چھوڑا گیا تھا۔ (ازالہ ص۵۴۱)

• ۷۔ "میں اپنے چند موہومی بزرگوں کی بکر کو کسی جانب میں چھوڑ نہیں چاہتا۔ (ازالہ ص۵۴۳)

خدا جانے یہ موہومی کیا چیز ہے اور یہ موہومی بزرگ کون ہوتے ہیں؟

• ۸۔ "اور زندگی کے جوشوں کی وجہ سے لفظوں پہ بڑا زور دیا جاتا ہے۔" (ازالہ ص۵۹۵)

جوشوں کی جگہ جوش چاہیے۔

• ۹۔ اب جو یہودیت کی صفتوں کا عام وبا پھیل گیا ہے۔ اور......... نصاریٰ کو اپنے مشرکانہ خیالات میں بہت سے کامیابی ہوئی ہے۔ (ازالہ ص۱۵)

اردو میں لفظ صفت عموماً مدح۔ خیر اور خوبی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں نتائج چاہیے۔ نیز وبا و کامیابی مؤنث ہیں۔

• ۱۰۔ لاطائل (بے سود) ایک عربی مرکب ہے جو فارسی و اردو دونوں میں استعمال ہوتا ہے ایسے مرکبات کی ہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی ناروا ہے، مثلاً۔ ہم لاطائل کو بغیر طائل یا سوائے طائل میں نہیں بدل سکتے اسی طرح قالوا بلیٰ کی جگہ قالوا نعم، الستُ بربکم کی جگہ الستُ بخالقکم

نہیں کہہ سکتے۔ یہ مرکباب اپنی عربی ہیئت کے ساتھ اردو میں استعمال ہو رہے ہیں لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

"......کا مفصل حال معلوم کرنا طولِ بلا طائل ہے۔"

(ازالہ ص ٦٧٢)

"... منی اور طبعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں ......"

([illegible] ٦٠٩)

تحقیق کی جمع تحقیقات ہے۔ جمع الجمع بنانے کی ضرورت؟

• ١٢۔ مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا۔

(ازالہ ص ٦٨٤)

کیا سمجھے؟

• ١٣۔ جب دجال کے زمانہ میں دن لمبے ہو جائیں گے ......تو تم نے نمازوں کا اندازہ کر لیا کرنا۔

(ازالہ ص ٦٨٧)

• ١٤۔ اگرچہ یہ بات قابلِ تسلیم ہے جو ہر سال میں ہماری قوم کے ہاتھ سے بے شمار روپیہ بنام نہاد خیرات و صدقات کے نکل جاتا ہے۔

(دیباچہ براہین ص ب)

جو اور میں کا استعمال غلط ہے اور بنام نہاد مہمل ہے۔

• ١٥۔ دوسرے تو السیادل د دماغ ہی نہیں رکھتے جو اس کی فلاسفری تقریر کو سمجھ سکے۔

(براہین ص ١٩٥)

۰ ۱۶۔ ۵ اب سال سترہ بھی صدی سے گذر گئے
تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے
(ضمیمۂ تحفہ گولڑویہ صلا[41])

سترہ (۱۷) تشدید کے بغیر ہے۔

۰ ۱۷۔ ع چھوڑتے ہو دیں کو اور دنیا کو کرتے ہو پیار۔
(زلزلہ کی پیش گوئی حقیقۃ الوحی)

دین میں اعلانِ نون ضروری ہے۔ پیار کی یا غیر محفوظ ہوتی ہے۔ اور تقطیع کے وقت پیار صرف پار رہ جاتا ہے لیکن یہاں محفوظ ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

تقطیع۔ اُن کُ آتا۔ ہَ پار پر غُص صہ
فاعِ لاتن مفاعِلُن فعِلُن
مجھ کُ غُص صے۔ پ پار آ تا ہے
فا۔ ع لاتن مفاعِلُن فعِلُن

دیکھا آپ نے کہ یا ہر دو مصرعوں میں غیر محفوظ ہے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے مصرعہ میں محفوظ ہے۔

۰ ۱۸۔ اور چونکہ نور افشاں کے صاحبِ راقم نے ......" (براہین ح ۲ درح صفحہ ۲۴۹)
یہ صاحبِ راقم کیا چیز ہے؟

۱۱۔ مہمل

جناب مرزا صاحب کے ہاں مہمل جملوں کی بھی کمی نہیں۔ اقتباسات ذیل میں خط کشیدہ سطور ملاحظہ فرمائیے۔

• ۱۔ مگر یہ دنیوی پیشگوئیاں تو ابھی مخفی امور ہیں جن کی شارح علیہ السلام نے اگر کچھ شرح بھی بیان کی تو ایسی کہ جو استعارہ کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۲۷)

• ۲۔ اور ان کامل لوگوں کی روح کو خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ وفاداری کا ایک راز ہوتا ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۴۶)

• ۳۔ تیری ذریت کو بڑھائے گا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتدا قرار دیا جائے گا۔

(ازالہ صفحہ ۶۳۴)

• ۴۔ اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں۔

(ازالہ صفحہ ۲۶۶)

• ۵۔ اس قدر عرض کرنا اپنے بھائیوں کے دین اور دنیا کی بہبودی کا موجب سمجھتا ہوں کہ اگرچہ گورنمنٹ کی رحیمانہ نظر مسلمانوں کی شکستہ حالت بہرحال قابلِ رحم ٹھہرے گی۔

(براہین۔ اسلامی انجمنوں کی خدمت میں ضروری التماس الف)

۶۔ اسی سال میں بہت سے اور لوگوں نے بھی امتحان دیا۔۔۔۔
۔۔۔۔ مجھ کو خواب آئی۔ کہ ان سب میں سے صرف اس شخص
مقدم الذکر کا پاس ہوگا۔ اور دوسرے سب امیدوار فیل ہو جائیں
گے۔ (براہین ح۔ د۔ ح ص۲۵۶)

۷۔ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اسرار و عجائبات ہر
ہیں۔ دجال معہود کی طبائع کی بناوٹ اس کے برابر نہیں۔
(تحفہ گولڑویہ ص۳۳)

۸۔ جناب مرزا صاحب کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پوچھو غافلو ہو
گئے ہیں اس کا موجب میرے جھٹلانے کے دن جب سے
میرے ہوش غم سے دیں کے ہیں جاتے رہے طور دنیا کے
بھی بدلے ایسے دلوانے کے دن۔

(نظم آغاز حقیقتہ الوحی)

یہ تھیں چند مثالیں اس کلام کی جس کے متعلق مرزا صاحب نے فرمایا تھا

کلامٌ اُفصِحَتْ مِن لدُن ربٍّ حکیم ۃ

(میرے کلام میں اللہ نے فصاحت بھر دی ہے۔)

یہ دعوے کہاں تک درست ہے۔ اس کا فیصلہ میں قارئین کرام
کے ادبی ذوق پہ چھوڑتا ہوں۔

عربی اغلاط

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ کہ جناب مرزا صاحب کو عربی لکھنے میں بڑی قدرت حاصل تھی۔ تاہم ان کا عربی کلام لغزشوں سے پاک نہیں تھا۔ آپ کی عربی تحریرات دو قسم کی ہیں۔ الہامی و غیر الہامی ۔ الہامی تحریرات میں سے اہم یہ ہیں ۔

- ۱۔ عربی الہامات
- ۲۔ تفسیر سورۂ فاتحہ
- ۳۔ قصیدۂ اعجازیہ
- ۴۔ خطبۂ الہامیہ

الہامات براہِ راست اللہ کی طرف سے نازل ہوتے تھے اور باقی تین کے متعلق آپ کا یہ دعوےٰ ہے کہ یہ خدائی نشان ہیں جو روح القدس کی مدد سے ظہور پذیر ہوئے ۔

چونکہ ہمارے قارئین کو عربی صرف و نحو سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم اختصار سے کام لیں گے۔ اور صرف چند اغلاط پر مجملاً بحث کریں گے ۔

۱۔ الہامات

۱۔ عربی میں مؤنث و مذکر کے لیے ضمائر جدا جدا ہیں۔ مثلاً :۔
غائب کی ضمیریں یہ ہیں۔

مذکر :۔	هُوَ	هُمَا	هُمْ
	(وہ ایک مرد)	(وہ دو مرد)	(وہ سب مرد)
مؤنث :۔	هِیَ	هُمَا	هُنَّ
	(وہ ایک عورت)	(وہ دو عورتیں)	(وہ سب عورتیں)

جس طرح اردو میں بعض بے جان اشیاء مذکر ہیں اور بعض مؤنث۔ مثلاً :۔ پہاڑ مذکر ہے اور ندی مؤنث۔ یہی حال عربی زبان کا ہے۔ عربی میں ارض و سما مؤنث ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے لیے ضمیر مؤنث استعمال ہو گی۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے ایک الہام میں ان دونوں کے لیے ضمیر مذکر استعمال ہوئی ہے جو صریحاً غلط ہے۔

السماءُ وَالارضُ مَعَكَ كما هُوَ معی ۔

(اے احمد! آسمان و زمین تیرے ساتھ ہیں۔ جس طرح کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔)

دوسرا کمال یہ کیا۔ کہ دو اشیاء کی طرف ضمیر مفرد راجع کر دی۔ حسب قواعد هُمَا چاہیے۔

۲۰۔ اَنَّا اٰتَیۡنٰکَ الدُّنۡیَا

(ہم نے تم کو دنیا دے دی)

چونکہ یہاں ایک خدائی نعمت و عطا کا ذکر ہے اس لیے اعطیناک زیادہ مناسب تھا۔ گو قواعد کے لحاظ سے آتیناک بھی صحیح ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ الہام کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ساری دنیا جناب مرزا صاحب کے حوالے کر دی تھی؟ آپ کو علم ہے کہ جناب مرزا صاحب چند ایکڑ زمین کے مالک تھے و بس جہاں تک روحانی تسخیر کا تعلق ہے گذشتہ اٹھاسی برس میں صرف چند ہزار افراد آپ پر ایمان لائے۔ اگر یہ مطلب ہو کہ آگے چل کر تمام دنیا احمدیت قبول کر لے گی تو میرا اندازہ یہ ہے کہ اضافہ کے امکانات بہت کم ہیں۔ وجہ یہ کہ عصر حاضر میں اقدار حیات بدل گئی ہیں آج وہی پیغام اور وہی فلسفہ کامیاب ہو سکتا ہے جو آدم جدید کو تازہ الجھنوں مثلاً سرمایہ و مزدور، آمریت، جمہوریت، اشتراکیت، ملوکیت، روابط بین الملی، جمعیت اقوام یا جمعیت آدم، قیام امن، ورلڈ فیڈریشن وغیرہ سے نکال کر ہر مشکل کا ایک قابل قبول حل پیش کر سکے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں نہ کوئی فلسفہ ہے اور نہ انسانِ جدید کے لیے کوئی پیغام۔ آپ کی بہتر تصانیف میں۔

۱۔ وفات مسیح پر بحث ہے۔

۲۔ اپنی نبوت پر دلائل ہیں۔

۳۔ الہامات کا ذکر ہے۔

۴۔ آتھم اور محمدی بیگم کا جھگڑا ہے۔

نشانات کا تذکرہ ہے۔

اور انہی مضامین کا بار بار اعادہ ہے۔ آپ پر بیس اجزا" الہامات بھی نازل ہوئے تھے۔ لیکن ان میں کوئی پیغام موجود نہیں، صرف مسیح موعود کے مناقب ہیں و بس۔ اس کائنات میں بقائے اصلح کا آئین نہایت باقاعدگی سے کارفرما ہے۔ یہاں وہی فلسفہ زندہ رہ سکتا ہے جو دوسرے فلسفوں سے زیادہ طاقتور ۔۔۔ ۔۔۔ اور ابن آدم کے لیے زیادہ مفید ہو۔ ایک وقت تھا کہ ابن العربی غزالی اور ابن الرشد کا فلسفہ دل و دماغ پہ قابض تھا۔ وہ زمانہ گزر چکا۔ اگر آج ابن الرشد پھر پیدا ہو جائے اور چلا چلا کر اپنا فلسفہ پیش کرے تو امید نہیں کہ ایک کان بھی اس کی طرف متوجہ ہو۔ بحر زندگی میں افکار نو کی لہریں ہر دم اٹھتی رہتی ہیں جس طرح مظاہر کونی میں زندگی، طفولیت و شباب کی منازل طے کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اسی طرح افکار بھی کچھ مدت تک بہار شباب دکھانے کے بعد مر جاتے ہیں۔ اور نئے افکار ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ آج تصوف کا دور نہیں مناظروں کا زمانہ نہیں، مذہبی فرقہ بازی کا عہد گزر چکا۔ اور کلام و اعتزال کے چرچے ختم ہو گئے۔ آج اگر کوئی شخص ان لاشوں میں پھر جان ڈالنا چاہے تو کامیاب نہیں ہوگا۔ جناب مرزا صاحب کا تمام زور قلم یا تو اثبات نبوت پہ صرف ہوا یا دیگر مذاہب کی تردید پہ اور یا ایک ایسے اسلام کی ترویج میں جس پہ تصوف و خانقاہیت کا رنگ غالب تھا۔ ظاہر ہے کہ اس متاع کے خریدار آج تقریباً نایاب ہو چکے ہیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ احمدیت میں نہ وہ جاذبیت موجود ہے۔ جو دل و دماغ پہ قابض ہو سکے۔ نہ وہ توانائی جو غیر اسلامی

افکار کو شکست دے سکے۔ نہ وہ حرارت، جو عروقِ مُردہ میں خونِ حیات دوڑا سکے۔ نہ وہ قوت جو حمام و کبوتر کو شاہین بنا سکے اور نہ وہ ہمت جو دارا و قیصر کو دعوتِ مبارزہ دے سکے۔

جرمنی کے نازیوں کا امتیازی وصف ایک عظیم ترین قوم بننا تھا۔ لینن کے پیرو خونی انقلاب بپا کرنے پہ ادھار کھائے ہوئے تھے اور خاکساروں کا مقصد نظامِ کہن کو الٹنا تھا۔ یہ تمام گروہ جذبہ جانفروشی سے سرشار ہونے کے علاوہ بڑے منظم، بلند ہمت اور جفاکش تھے۔ ان گروہوں کے امتیازی اوصاف تنظیم و جانبازی تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ احمدیوں کے امتیازی اوصاف کیا ہیں؟ کیا ان میں علم زیادہ ہے؟ کیا ان کی اخلاقی سطح زیادہ بلند ہے؟ کیا بوہروں کی طرح ان کے پاس دولت زیادہ ہے؟ کیا اس جماعت میں محققین و موجدین کی تعداد زیادہ ہے؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں اور دیگر مسلمانوں سے وہ کسی طرح بھی ممتاز نہیں۔ تو پھر لوگ کیوں اس جماعت میں داخل ہوں اور جناب مرزا صاحب کو کس مقصد کے لیے نبی تسلیم کریں؟

آخرت سنوارنے کے لیے! خود مرزا صاحب سو سے زیادہ مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ نزولِ مسیح کی پیشگوئی کا کفر و اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور میرا منکر خطاکار ہے کافر نہیں۔ خلافت ارضی حاصل کرنے کے لیے؟ آپ جہاد ہی کے قائل نہیں خلافت کیسے ملے گی۔ وحدتِ فکر و نظر کے لیے؟ خود آپ کی تحریروں میں یہ چیز موجود نہیں۔ آپ ۱۹۰۲ء تک اپنی نبوت کا انکار کرتے رہے اور پھر ختم نبوت کا انکار۔ آپ انگریز کو بیک وقت دجال بھی کہتے رہے

اور ساتھ ہی اپنی جماعت کو اطاعت دجّال کی تعلیم بھی دیتے رہے اسی تصادم سے تنگ آکر جناب میاں محمود احمد صاحب نے فرمایا تھا کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تمام تحریرات منسوخ ہیں اور انہی متصادم اقوال کا نتیجہ وہ تصادم تھا جو احمدی جماعت میں پیدا ہوا۔ اور لاہوری احمدی قادیانی بھائیوں سے الگ ہو گئے تو پھر یہ فکری توحید آپ کے پیروؤں میں کیسے پیدا ہو سکتی ہے ترک ماسوا اللہ کے لیے ؟ میری ناقص رائے میں یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ آپ کے ۳۵ سالہ الہامات اور تیس سالہ تحریرات کا مرکزی خیال اللہ نہیں بلکہ آپ کی ذات ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آپ نے چند صفحات اخلاقیات کے لیے بھی وقف کیے تھے۔ لیکن ان کا تناسب سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں۔ آپ کی تمام تصانیف صرف اثبات نبوت ذکر نشانات تاویلات بشارات اور قدحِ اعداء سے مملو ہیں۔ خدا کا ذکر بھی ہے لیکن اس خدا کا جس نے قادیان میں رسول بھیجا۔ جس نے اپنے رسول کو تین لاکھ نشانات سے نوازا۔ جس نے احمد بیگ، لیکھرام اور چراغدین کو موت کے گھاٹ اتارا۔ جس نے صداقت رسول کے لیے زلزلے اور وبائیں بھیجیں۔ جس نے جہانگیر و عالمگیر کے شکوہ و جلال کا وارث۔ گورنمنٹ محسنہ انگریزی کو بنایا۔ اور جس نے وفاتِ مسیح و مثیل مسیح کے اسرار اپنے رسول پر منکشف کیے اس خدا کا کہیں ذکر نہیں۔ جس نے اہل ایمان کو لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ اور اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۵ کی بشارات سنائی تھیں۔ جس نے جنات ارضی و سماوی کے وعدے کیے تھے جس نے قوت و ہیبت کے سامان فراہم کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس نے جنت شمشیر کے سائے میں رکھ دی تھی۔

اور جس کے قرآن میں محکوم مسلمان کا تصور تک موجود نہیں۔

ماحصل یہ کہ یہ الہام آتیناک الدُّنیا (ہم نے تمہیں دنیا دے دی) مادّی لحاظ سے غلط ہے اور روحانی لحاظ سے ابھی پورا نہیں ہوا۔ اور نہ آئندہ اس کی تکمیل کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔

۳۔ طاعون کے زمانے میں قادیان کے متعلق یہ الہام نازل ہوا تھا۔

(لَو لَا الاکرام لھلک المقام)

(اگر تیری عزت منظور نہ ہوتی تو یہ مقام قادیان تباہ ہو جاتا۔)

اِکرام کے معنی ہیں "عزت کرنا"۔ تیری عزت قطعاً نہیں "تیری" کے لیے عربی میں "ک" ہے اگر ہم یہاں ک محذوف تصور کر لیں تو پھر عبارت یوں ہوگی۔ لولا الا اکرامکَ جو صریحاً غلط ہے۔ اس لیے کہ اکرام مضاف ہے اور مضاف پر ال داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ال کو بھی حذف کر دیں تو فقرہ بنے گا۔ لولا اکرامُکَ۔ جس کے معنی ہوں گے "اگر تیرا عزت کرنا نہ ہوتا" ظاہر ہے کہ اس فقرے میں بھی کوئی مفہوم موجود نہیں۔

علاوہ ازیں مقام کے لفظی معنی ہیں۔ وہ جگہ جو دو پاؤں کے نیچے ہو یا وہ جگہ جہاں آپ دورانِ سفر میں قیام کریں۔ مستقل جائے قیام کو بیت یا دار کہتے ہیں۔ لغت کے لحاظ سے ہر جگہ مقام کہلاتی ہے۔ لیکن اصطلاحاً عرب کسی بستی کو مقام نہیں کہتے۔ اس کے لیے قریہ کا لفظ ہے۔ پھر اہلِ عرب کی لُغت میں ہلاکت کا لفظ جاندار اشیاء کے لیے مخصوص ہے۔ انسان، جانور اور پرندے ہلاک ہوتے ہیں نہ کہ پتھر دریا، صحرا اور درخت۔ جب عرب یہ کہتے ہیں کہ فلاں

بستی ہلاک ہوگئی تو ان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس گاؤں کی اینٹیں اور مکان فوت ہوگئے ہیں۔ بلکہ یہ کہ بسنے والے تباہ ہوگئے ہیں۔ عربی ادب میں

هلك القریٰ (بستیاں ہلاک ہوگئیں) تو ملے گا لیکن هلك المقام

کہیں نظر نہیں آئے گا۔ مقام کا یہ استعمال خالص ہندی ہے۔

تو گویا اس الہام میں مندرجہ ذیل خامیاں پائی جاتی ہیں۔

- ۱۔ الاکرام کا استعمال غلط اور بے معنی ہے۔
- ۲۔ مقام کا استعمال ہندی ہے۔
- ۳۔ ہلاکت کی نسبت مقام کی طرف عربی محاورہ کے خلاف ہے۔

- ۴۔ ھٰذا ھُوَ الترب الذی لا یعلمون ۵

خط کشیدہ لفظ یا تو تِرب ہے اور یا تُرَّب۔ تِرب کے معنی ہیں توام۔ ہمزاد اور تُرب کے معنی ہیں خاک مٹی۔

اب الہام کا ترجمہ سنیئے۔

یہ وہ ہمزاد یا مٹی ہے۔ جسے لوگ نہیں جانتے۔

مطلب؟

خود جناب مرزا صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

یہ وہ عمل الترب (یعنی مسمریزم) ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو خبر نہیں۔ (ازالہ ص ۱۵۵)

ترجمہ میں تُرب کو عمل الترب بنا دینا لغوی دراز دستی کی انتہا ہے۔

۵۔ اَنتَ مِن ماءِ نا وھُم مِن فشل ۔

فشل کے معنی ہیں بزدلی۔ ترجمہ یہ ہے۔

(اے احمد) تم ہمارے پانی سے ہو۔ اور باقی لوگ بزدلی سے ہیں۔

کیا سمجھے؟

۶۔ وَھٰذا تذکرۃ ۔ (انجام آتھم ص۶۴)

تذکرۃ مؤنث ہے اس لیے ھٰذا کی جگہ ھٰذہ چاہیئے۔

۷۔ اُخطی وَاُصیب ۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۳)

اللہ فرماتا ہے۔

"مَیں خطا بھی کروں گا۔ اور صواب بھی۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۳)

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اللہ خطا کیسے کرتا ہے۔ اس کی تشریح ملاحظہ ہو۔

"کبھی میرا ارادہ پورا ہو گا۔ اور کبھی نہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۳)

عجیب بے بس خدا ہے جس کے ارادے کبھی پورے نہیں بھی ہوتے۔

قرآن میں تو فرمایا۔

فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْد ۔ (اس کے ارادے نہایت جاہ و جلال سے پورے ہوتے ہیں۔)

اور یہاں یہ ضعف و بے چارگی!!

۸۔ ایک مرتبہ آپ کو الہام ہوا۔

نری لی فخذاً الیماً (حقیقتہ الوحی ص ۲۲۲)

اور کچھ دیر کے بعد ایک ایسا بیمار آپ کے ہاں لایا گیا جس کی ران میں درد تھا۔

عربی میں الیم اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسرے کو دکھ دے مثلاً عذابٌ الیم۔ ایسا عذاب جو دوسروں کے لیے تکلیف دہ ہو۔ المنجد میں درج ہے۔

الالیم = المُوجِع

مُوجِع اسم فاعل ہے اَوجَعَ یُوجِعُ سے اور متعدی ہے۔ فعل متعدّی کا اثر ہمیشہ فاعل سے مفعول تک جاتا ہے۔

زید نے عمر کو مارا۔

مار عمر پر واقع ہوئی ہے۔

خالد نے مسافر کو پانی پلایا۔

پینے سے فائدہ مسافر نے اٹھایا۔

تو الیم کے معنی ہوں گے "درد رساں" دوسرے کو دکھ دینے والی اس تحقیق کے رُو سے اس الہام کے معنی یوں ہوں گے۔

"تو ایک درد رساں ران دیکھے گا۔"

یعنی ایسی ران دیکھے گا جو کسی اور کو تکلیف دے رہی ہو گی۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی۔ کہ یُورِک ایسڈ یا بادکی وجہ سے خود ران میں تکلیف ہو رہی تھی۔ نہ یہ کہ ران نے یُورِک ایسڈ کو کسی دکھ میں مبتلا کر رکھا تھا۔

بہرحال الیم کا یہ استعمال صحیح نہیں۔

۹۔ ایک مرتبہ جناب مرزا صاحب درد قولنج سے شفایاب ہوئے۔ تو فوراً یہ الہام نازل ہوا۔

ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بشفاءٍ مثلہٖ
(حقیقۃ الوحی ص ۲۲۵)

(اگر تمہیں اس وحی کے متعلق کچھ شک ہے جو ہم اپنے بندے پہ نازل کر رہے ہیں۔ تو ذرا ایسی شفا تو دکھاؤ۔)

لفظ شفا کے بغیر باقی ساری آیت قرآن سے لی گئی ہے اللہ نے عرب کے فصحا و بلغا کو چیلنج دیا تھا کہ اگر تمہیں قرآن کے الہامی ہونے میں کوئی شک ہے تو ذرا چند ایسی آیات تو بنالاؤ۔ تیرہ سو برس کے بعد اللہ نے وہی چیلنج ان الفاظ میں دہرایا۔

اگر جناب مرزا صاحب کی وحی میں شک ہے تو ایسی شفا لے آؤ۔

وحی سے شفا کا تعلق؟ اچھا تعلق سہی۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج تک کسی غیر رسول کو قولنج سے شفا نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے اور بیسیوں ایسے مریض آپ نے بھی دیکھے ہوں گے تو پھر اس چیلنج کا مطلب؟ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے حضور علیہ السلام نے تمام دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی ایک آیت ہی بنالاؤ۔ تیرہ سو ہتر برس گزر گئے اور کوئی ماں کالال مقابلے میں نہ اترا۔ لیکن دوسری طرف دنیا میں ہر روز قولنج کے سیکڑوں مریض شفایاب ہوتے ہیں۔ یہ عجیب چیلنج ہے۔ جس کی دھجیاں دن میں بیس مرتبہ اڑائی جاتی ہیں۔ فاتوا (لاؤ)

اس فعل انّی اِبنا نًا کا تعلق محسوسات ومشہودات سے ہوتا ہے اور شفا کا تعلق محسوسات سے نہیں۔ شفا اعتدالِ مزاج کا نام ہے اور اعتدال کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ جسم کا گرم و سرد ہونا اعلاماتِ مرض و شفا ہیں۔ خود مرض و شفا نہیں۔ اس لیے اس فعل کا استعمال اس الہام میں صحیح نہیں۔

۹۔ (پہلے ان جملوں کو پڑھیئے۔)

- ۱۔ مَیں نے مغلوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔
- ۲۔ مَیں نے زمانہ حجری کا ارادہ کیا۔
- ۳۔ مَیں نے شام کے وقت کا ارادہ کیا۔
- ۴۔ مَیں نے افغانی حملوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔
- ۵۔ مَیں نے زلزلوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔

کوئی مطلب سمجھ میں آیا؟ اگر آیا ہے تو سمجھا یئے۔ اگر نہیں آیا۔ اور یقیناً نہیں آیا ہوگا۔ تو مت بھولیے کہ آخری فقرہ ایک الہام کا لفظی ترجمہ ہے جو جناب مرزا صاحب پہ نازل ہوا تھا۔

اردتُ زمانَ الزلزلۃ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۱۵۸)

(مَیں نے زلزلوں کے زمانے کا ارادہ کیا) کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ "زلزلوں کے زمانے" میں جانا چاہتے ہیں۔ یا اس زمانے کو کچھ لمبا کرنا چاہتے ہیں یا اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔ آخر جو کچھ کرنا تھا۔ اس کا ذکر تو اس الہام میں آنا چاہیے تھا تاکہ ابہام نہ پیدا ہوتا۔

اسی طرح کے بیسیوں الہامات اور ہیں جن میں سے بعض کی زبان غلط ہے اور بعض مفہوم کے لحاظ سے مہمل ہیں، ہم بخوفِ طوالت انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

تاریخ رسالت میں پہلی مرتبہ

الہام کی طویل تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا۔

- اوّل۔ کہ اللہ نے پنجاب کے ایک رسول پر عربی زبان میں الہامات نازل کیے اور اپنی قدیم سنت (قوم رسول کی زبان میں وحی نازل کرنا) کو ترک کر دیا۔
- دوم۔ کہ اللہ نے تمام کے تمام الہامات اپنے رسُول کی مدح و ثنا تک محدود رکھے۔ اور کوئی اخلاقی۔ سیاسی یا عمرانی ضابطہ نازل نہ فرمایا۔
- سوم۔ کہ اللہ نے انسانوں کو ایک "دجال سیرت" قوم کی غلامی کا درس دیا۔
- چہارم۔ کہ جہاد جیسے اہم اور بنیادی اصولِ حیات کو ختم کر دیا۔
- پنجم۔ کہ اللہ کا ذخیرۂ الفاظ ختم ہو گیا۔ کہیں قرآن کی آیات دوبارہ نازل کر کے کام چلایا۔ کہیں مقامات حریری سے مدد لی (دیکھو سورۂ فاتحہ کی الہامی تفسیر جس میں مقامات حریری و بدیعی کے بیسیوں جملے بالفاظہا موجود ہیں) کہیں شعرائے جاہلیت کے مصرعے اڑا لیے (عفت الدیار محلھا ومقامھا) آپ کا ایک الہام ہے اور یہ سبع معلّقات کے ایک قصیدہ کا پہلا مصرعہ

ہے اور کہیں اِدھر اُدھر سے انسانی اقوال لے لیے۔ مثلاً شکر اللہ سَعْیَہٗ (آپ کا الہام) منتہی الارب میں شکر کے تحت درج ہے۔

ششم، اور سب سے بڑا حادثہ یہ ہوا کہ اللہ غلط سلط اور مہمل زبان بولنے لگا۔ ذرا ورق الٹ کر باب الہامات میں وہ انگریزی الہامات پھر پڑھیے۔ نیز ان اردو الہامات کی زبان بھی ملاحظہ کیجیے۔

"میری رحمت تجھ کو لگ جائے گی۔"

"خاکسار پیپرمنٹ۔"

"عالم کباب کلمتہ اللہ خان۔"

"میں موج دکھاتا ہوں۔"

"خدا کی فیلنگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نے بڑا کام کیا۔"

*"ڈگری ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"شعنا لغسا"

"پرلشن ۔ عمر ۔ براطوس یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس۔"

کیا یہ خدائی زبان ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ اللہ کا کلام سن کر دلوں میں زلزلے اٹھتے تھے آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں پھوٹ نکلتی تھیں، فصحائے عالم اللہ کی اعجاز بیانی پہ دنگ رہ جاتے تھے اور بڑے بڑے سرکش اور اکھڑ کافر بے ساختہ پکار اٹھتے تھے۔

مَاهٰذا قولُ البشرؔ[1] ۔ اور ایک یہ زمانہ ہے کہ اللہ کی زبان سن کر ہنسی آنے لگتی ہے اور ایک مڈل فیل بچہ بھی پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہے کہ میں اس خدا سے اردو اور انگریزی دونوں بہتر جانتا ہوں۔

اگر یقین نہ آئے تو کسی طالب العلم کی انگریزی و اردو تحریر اور یہ اردو و انگریزی الہامات نام بتائے بغیر ماہرین کے پاس بھیج دیجیے اور دیکھیے کہ نمبر کسے زیادہ ملتے ہیں۔

میرا مطلب تنقیص نہیں بلکہ اظہار حیرت ہے کہ اس خدا کو جس کی حیرت انگیز صناعی پہ ارض و سما شہادت دے رہے ہیں، جس کے موقلم سے طرفۃ العین میں لاکھوں بہاریں اور جس کے ساز سے بے شمار نغمے برس پڑتے ہیں۔ یہ کیا ہو گیا۔ کہ اس کے منہ سے فصیح تو رہا ایک طرف کوئی صحیح لفظ بھی مشکل ہی سے نکلتا ہے

---

[1] مشہور تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کعبہ کے قریب ایک گاؤں عکاظ میں ہر سال حج کے دنوں میں ایک میلہ لگتا تھا۔ جس میں شعرائے عرب نظمیں بھی سناتے تھے۔ جو نظم فصاحت و بلاغت اور تخیل کے لحاظ سے بہترین سمجھی جاتی تھی اسے مصری جھلی پہ سونے کے حروف سے لکھوا کر کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ حضور علیہ السلام کی بعثت تک ایسی سات نظمیں آویزاں کی جا چکی تھیں ایک دن حضورؐ حضرت علیؓ کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہوئے حضرت علیؓ نے ان نظموں کے متعلق سارا ماجرا سنایا۔ تو آپ نے ان نظموں کے نیچے سورۂ کوثر لکھوا دی جب وہ میلہ پھر منعقد ہوا۔ اور مشاعرہ کے جج کعبہ میں داخل ہوئے اور ان کی نظر ان آیات پر پڑی تو دنگ رہ گئے۔ وہ قصائد اتار لیے اور آیات کے نیچے لکھ دیا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔"

خطبۂ الہامیہ

۱۔ اَلَّذِیۡنَ اَکَلُوۡا اَعۡمَارَھُمۡ فِی ابۡتِغَاءِ الدُّنۡیَا (ص۳۷)

(جو تلاش دنیا میں اپنی عمر کو کھا گئے۔)

"عمر کھانا" پنجابی محاورہ ہے۔ عربی میں استعمال نہیں ہوتا۔

۲۔ نزولِ مسیح کے مشہور عقیدہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

وھل ھُوَ اِلَّا خروجٌ مِنَ القرآن ...۔ (ص۵۸)

(کہ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف بغاوت ہے۔)

"خروج" جب بغاوت کے معنوں میں استعمال ہو تو اس کے بعد ہمیشہ علیٰ آتا ہے۔ اس لیے مِنَ القرآن صحیح نہیں۔

۳۔ عربی میں سازش اور مکر کے لیے ایک لفظ کید بھی ہے جس کی جمع ہے مکائد۔ ظاہر ہے کہ مکر و سازش انسان کا کام ہے یا شیطان کا۔ زمین۔ پہاڑ یا نار سے کوئی شرارت نہیں کر سکتے۔

لیکن آپ زمین کو بھی مکار سمجھتے ہیں۔

ففریقٌ عُلِمُوا مکائد الارض وفریق اُعطوا ما اعطی الرسل مِنَ الھُدیٰ .... (ص۷۵)

(ایک فریق کو زمین کی مکہ ملے اور دوسرے کو ہدایت نصیب ہوئی)

۴۔ وَتنزل السکینۃُ فی قُلوبہم (ص ۸۳)

تنزل کے بعد علی چاہیے۔

۵۔ فخرج النّصاریٰ مِن دَیرِھم (ص ۱۰۰)

(نصاریٰ اپنے گرجاؤں سے نکلے)

~~گرجاؤں کا ترجمہ دَیر نہیں۔ بلکہ ادیارہ۔ ادیرہ یا دُیورہ ہے۔~~

۶۔ وَارتدُّوا مِنَ الِاسلام (ص ۱۰۸)

عن چاہیئے۔ مِن غلط ہے۔

۷۔ وَیریدُون ان یدسوا الحق فی تراب وَیمزقوا

اذ یالہ کِکلابِ۔ (ص ۱۰۹)

التراب اور الکلاب چاہیئے۔

۸۔ ولا یفکرّونَ فی لَیلِہم وَلا نھارِھم اِنّھم

یسئلوُن (ص ۱۰۹)

(اور وہ لوگ قیامت کی باز پرس سے نہیں ڈرتے۔)

یہاں فکر کا یہ استعمال خالص پنجابی ہے۔ ڈر کے لیے خوف و خشیۃ کی مصادر موجود ہیں۔ اس لیے لایخشون کہیے۔ قرآن میں ہر جگہ فکر غور و خوض اور تدبر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لِقومٍ یتفکّرون، یتفکرون فی خلق السمٰوٰت وغیرہ۔

۹۔ وَلا یبعد منی طرفۃَ عینٍ رحمتُہٗ (ص ۱۱۰)

(اللہ کی رحمت چشم زدن کے لیے بھی مجھ سے جدا نہیں ہوتی۔)

طرفۃ العین کسی کام کی رفتار و سرعت ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً "راکٹ آنکھ جھپکنے کی دیر میں سو میل نکل گیا۔ قرآن میں درج ہے کہ ایک جن ملکۂ سبا کا تخت چشم زدن میں حضرت سلیمان کے پاس لے آیا اس لیے یہاں اس کا استعمال غلط ہے۔

۱۰۔ اِنّ انکاری حسرات علی الذین کفروا ولی واِن اقراری برکاتٌ للّذینَ .... یؤمنون (ص ۱۱۲)

(میرا انکار کفار کے لیے حسرتیں ہیں۔ اور میرا اقرار مومنوں کے لیے برکتیں ہیں۔)

میرا انکار اور میرا اقرار پنجابی عربی ہے "میرے اقرار و انکار" کا مفہوم یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کسی چیز کا اقرار اور کسی کا انکار کر بیٹھے ہیں اور اب فرما رہے ہیں کہ میرا اقرار و انکار.........." علاوہ ازیں انکار مفرد ہے اور حسرات جمع۔ اسی طرح اقرار مفرد ہے اور برکات جمع۔ اسم و خبر میں تطابق

ضروری ہے۔ اس لیے حسرۃً وبرکۃً صحیح ہے۔ اور حسرات وبرکات غلط۔

۱۱۔ زکی مِن آیدی اللّٰہ ۃ (ص ۱۱۶)

مِن کا استعمال خالص پنجابی ہے۔ بایدی اللّٰہ چاہیے۔

۱۲۔ اِن کنتم فی شکٍّ مِن اَمری فامتحنونی (ص ۱۲۸)

(اگر میرے متعلق شک ہو۔ تو میرا امتحان لو۔)

~~یہ امتحان کا استعمال خالص پنجابی و غیر قرآنی ہے۔~~ قرآن اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ابتلا سے کام لیتا ہے۔

۱۳۔ ہم اُردو یا پنجابی میں کہتے ہیں۔

" آپ قرآن پر رحم فرمائیں۔ اور تفسیر کی تکلیف گوارا نہ کریں۔"

اس خالص ہندی محاورہ کو آپ عربی میں یوں منتقل کرتے ہیں۔

فارحموا مسیحاً آخروا قیلوہٗ مِن ھٰذہ العزۃ (ص ۱۴۰)

(تم مسیح پر رحم کرو۔ اور اسے نرہ دل کی عزت سے معافی دو۔)

۱۴۔ فلیبصروا حتّٰی یرجعوا الٰی ربّھم ویطّلعوا علٰی صورھم۔ (ص ۱۶۳)

(وہ انتظار کریں۔ جب خدا کے ہاں جائیں گے تو وہاں شیشے میں اپنا منہ

دیکھ لیں گے۔)

"شیشہ میں منہ دیکھنا" اردو کا محاورہ ہے۔ عربوں کے ہاں اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

۱۵۰۔ چند الہامی اشعار ملاحظہ ہوں۔

ارى سَيلَ افاتٍ قضاها المقدرُ وَفى

الخلقِ سَيّاتٌ تذاعُ وَتنشرُ ؎ (ص۲۰۳)

لفظ سَیّاتٌ ہے (یا مکسور۔ ش مشدد اور ما لعد الف ممدودہ) لیکن اس شعر میں سَیّاتٌ (الف ممدودہ غائب اور یا کو مفتوح باندھا گیا۔ جو غلط ہے۔)

وَ بِلدّينِ الملالٌ اذا ها كلا هِفَ وَدمعى

بذكرِ قصورهِ يتحدّرُ ؎ (ص۲۰۳)

دُوسرا مصرع خارج از وزن ہے۔

ع۔ اَلا اِنّما الايّام رَجعَتْ الى الهُدىٰ (ص۲۰۴)

صحیح لفظ رَجَعَتْ (بفتح جیم ہے) نہ کہ رَجْعَتْ (بہ سکون جیم)

فمُتْ ايها النّارى بنارٍ تسعّرٍ (ص۲۰۴)

ناری غلط ہے۔ نارِیٌّ بہ تشدید یا ہونا چاہیئے۔

قصیدۂ اعجازیہ

یہ ایک الہامی قصیدہ ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار بھی ہے۔ کہ جو شخص اتنی مدت میں ایسا قصیدہ تیار کرے گا اسے یہ رقم بطور انعام دی جائے گی۔ لیکن یہ شرط تھی کہ قصیدہ ساڑھے پانچ سو اشعار کا ہو۔ اور صرف بارہ دن میں مطبوعہ کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے۔ چونکہ ان شرائط کو پورا کرنا انسانی قدرت سے باہر تھا۔ اس لیے کوئی شخص مقابلے میں نہ اترا۔ ہاں بعض شعراء نے اس قصیدے کا جواب ضرور لکھا جن میں سے ایک قاضی ظفر الدین پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور تھے۔ ان کا طویل قصیدہ فصیح عربی زبان میں ہے اور عروض ونحو کی لغزشوں سے معرا ہے۔ لیکن قصیدۂ اعجازیہ کے تقریباً تین درجن اشعار عروضی ونحوی اغلاط سے آلودہ ہیں۔ بطور نمونہ ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں۔

اس قصیدہ کا آخری حرف مجریٰ مرفوع ہے۔

یُحذر ۔ یذکر ۔ یُظھر ۔ وغیرہ

• ۱۔ فاین بھذا الوقت من شان جولر ٭

جولر شان کا مفعول بہ ہے اس لیے منصوب (جولرا) چاہیئے۔

• ۲۔ وکانَ سنا برقٍ من الشمس اظھر

اظھر غلط ہے۔ اس لیے کہ کان کی خبر ہے۔ اظھرا چاہیئے۔

• ۳۔ اکانَ شفیع الانبیا و مُوثر ٭ مُوثر

موثر۔ شفیع پہ معطوف ہے اس لیے مُوثرا چاہیے۔

۴۔ فیاتی من اللہ العلیم مُعلّمٌ
ویَھدی الی اسرارھا و بشّر

اسرارھا کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ اللہ مذکر اور ضمیر مؤنث ہے۔

۵۔ فقلتُ لک الویلات یا ارض جولرا
لعنت بمدعون فانت تدمّرُ ہٗ

ارض مؤنث ہے اور تدمّرُ واحد مذکر مخاطب۔ گویا مؤنث کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کر دیا جو صریحاً غلط ہے۔

یہ بحث خالص فنی قسم کی ہے جس سے قارئین کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

الہامی تفسیر فاتحہ

۱۔ فی سبعین یوماً من شہر الصیام (ص۱)

سبعین = ستر

(ماہ رمضان کے ستر دنوں میں)

یہ کیسا رمضان ہے جس کے ستر دن ہوتے ہیں۔

۲۔ ما قبلوا انی من البخل (ص۳)

بخل کا استعمال خالص پنجابی ہے۔ حسد چاہیئے۔

۳۔ اتخذوا الخفافیش دقراً الجنانھم (ص۳)

لجنانھم پہ لام غلط ہے۔ اس لیے کہ اتخذ دو مفعول چاہتا ہے جنان پہلا مفعول ہے۔ مفعول پہ لام لانا درست نہیں۔

۴۔ یودون ان یسفکوا قائلہ (ص ۱۲)

سفک کے معنی ہیں بہانا۔ گرانا

(وہ چاہتے ہیں کہ قائل کا بہائیں

کیا؛ خون؛ تو پھر قائلہ سے پہلے دَمَ (خون) کا اضافہ فرمایئے۔

۵۔ وَجعل قلمی وکلمی منبع المعارف (ص ۳۰)

منبع غلط ہے منابع چاہیئے۔

۶۔ وایٌ معجزۃٍ وَاٰیَۃً" چاہیئے۔ (ص ۴۵)

۷۔ ومن نوادر ما اعطی لی ما اعطیتُ صحیح ہے۔ (ص ۴۸)

۸۔ وَمثلھا کمثل ناقۃٍ ...... توصل الی دیار المحب من رکبَ علیہ (ص ۷۷)

ناقہ مؤنث ہے اور علیہ کی ضمیر مذکر علیھا چاہیے

۹۔ الزم اللّٰہ کافۃ اھل الملۃ (ص ۸۲)

عربی میں کافہ مضاف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ فقرہ غلط ہے

۱۰۔ وَتلک الجنود نیحاربان ٥ (ص ۲۹)

ینحاربان غلط ہے۔ تنحاربان صحیح ہے۔

۱۱۔ النفس التی سعیٰ سعیھا (ص ۱۲۶)

سعیٰ غلط ہے اس لیے کہ نفس مؤنث ہے سعت چاہیئے۔

۱۲۔ الافلیلٌ الذی ھُوَ کالمعدوم (ص ۱۵۹)

یہاں موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ جو صحیح نہیں۔

۱۳۔ لا توذی اخیک (ص ۱۶۵)

اخیک غلط ہے مفعول ہونے کی وجہ سے اخاک چاہیئے۔

۱۴۔ ثمرات الجنۃ فویلٌ لِلّذی ترکھم (ص ۱۷۰)

ترکھم غلط ہے ثمرات جمع مکسر ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اس لیے ترکھا صحیح ہے۔

۱۵۔ اتظن ان یکون الغیرہٗ (ص ۱۷۱)

غیر پہ الف لام نہیں آسکتا۔

اس تفسیر میں اس قسم کی کم وبیش ایک سو اغلاط موجود ہیں حقیقتاً تاریخ رسالت کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ نے مسیح موعود پہ چار زبانوں میں الہامات اتارے اور ہر زبان میں درجنوں غلطیاں کیں۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ دشمن اس کی غلطیوں پہ ہنس رہے ہیں، وہ آخر تک اپنی ہٹ پہ قائم رہا اور وقتاً فوقتاً غلط الہامات نازل کرتا رہا۔

(بارھواں باب)

مخالفین نبوت سے سلوک

قرآن حکیم میں بار بار حضور علیہ السلام کو ہدایت کی گئی ہے کہ

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ . فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝

(اے رسول! تم مخالفین کے مقابلے میں ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرو کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا مخلص دوست بن جائے۔)

دشمن کو مخلص دوست بنا لینا بڑی مشکل اور کٹھن منزل ہے اور اس منزل کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان دشمن کے اشتعال، سب و شتم، دل آزار اقدامات اور فتنہ و سازش کو قطعاً خاطر میں نہ لائے۔ رفق و ملاطفت کو نہ چھوڑے گالیاں سن کر دعائیں دے اور وقت مصیبت آگے بڑھ کر دشمن کے کام آئے۔ حضور علیہ السلام زندگی بھر اس ہدایت پر عمل پیرا رہے۔ جب اہل طائف کی سنگ باری سے سر دو عالم کے جوتے لہو سے بھر گئے تو آپ کی زبان مبارک پر از طائف تا مکہ (دس میل) یہی دعا جاری رہی۔

رَبِّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

(اے رب! میری قوم کی آنکھیں کھول اور انہیں سیدھی راہ دکھا کہ یہ غریب

سچائی سے نا آشنا ہیں۔)

جنگِ حنین میں جب صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کفار کی بے پناہ تیر اندازی نے قیامت کا سماں باندھ دیا تو رحمتہ للعالمین نے ہجوم مصائب میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ لوگ یہ سمجھے کہ آپ کفار کے لیے کسی فوری عذاب کی دعا مانگیں گے لیکن اس رحمتِ مجسم کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ہ

عہد خلافت میں حضرت علیؓ کہیں جا رہے تھے کہ دور سے ایک خارجی نے دیکھ لیا۔ اور منہ سے اناپ شناپ بکنے۔ جب ساتھیوں نے توجہ دلائی۔ تو مدینۃ العلم نے فرمایا۔

"عرب میں علی نام کے کئی آدمی ہیں۔ کسی اور کو کوس رہا ہوگا۔"

آپ جانتے ہیں کہ اہل مکہ نے حضور علیہ السلام پر انتہائی مظالم توڑے تھے آپ کے پیروؤں کو گرم ریت پر گھسیٹا تھا۔ آپ کو تین برس کے لیے پہاڑوں میں قید کر دیا تھا۔ آپ کو گھر بار سے نکال دیا تھا۔ اور مدینہ پر کئی مرتبہ چڑھائی کی تھی لیکن جب فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کو سزا دینے کا وقت آیا تو آپ نے اعلان فرمایا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ہ

(جاؤ میں نے تمھیں معاف کیا)

حضور علیہ السلام کا یہی وہ خلقِ عظیم تھا۔ جس نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور صحابہ کی یہی وہ تلوار تھی۔ جس نے چالیس ہزار بستیوں اور قلعوں کے

ہمراہ چار کروڑ دلوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔ صحابہ کو ہدایت تھی کہ جاؤ۔ اس قوم کے انبیاء وصحائف کی صداقت کا اعلان کرو۔ ان کے معابد کو مت چھیڑو۔ ان کے معبودوں کو بُرا نہ کہو۔ انہیں مکمل مذہبی ومجلسی آزادی دو۔ ان سے ایسا عادلانہ بلکہ محسنانہ سلوک کرو۔ کہ وہ لوگ تمہیں رحمتِ مجسم سمجھنے لگیں۔

قرآن وحدیث میں از اوّل تا آخر کہیں کوئی بدکلامی یا گالی موجود نہیں۔ حضور علیہ السّلام نے زندگی بھر کسی فرد کی توہین وتحقیر نہیں کی کسی کا ٹھٹھہ نہیں اڑایا۔ کسی کو دجال یا سؤر نہیں کہا۔ اس میں کلام نہیں کہ قرآن عظیم نے بدکاروں کو فاسق وکافر قرار دیا تھا لیکن یہ گالی نہیں تھی۔ بلکہ خالص حقیقت بیانی تھی فاسق کے معنی ہیں بدچلن اور کافر کے معنی ہیں قانون شکن اگر کسی شرابی۔ زانی۔ مفسد۔ چور۔ خائن اور منافق کو فاسق وکافر نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ گدھے کو گدھا کہنے سے اس کی توہین نہیں ہوتی۔ حضور علیہ السلام کے اقوال میں نہ طعنے ہیں نہ گالیاں۔ نہ بازاری قسم کی تضحیک ہے اور نہ مبتذل قسم کی پھبتیاں۔ از اوّل تا آخر ایک پُر عظمت متانت اور روح افزا سنجیدگی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایک اخلاقی معلم کا اپنا اخلاق قابلِ رشک نہ ہو۔ دنیا اس سے مستفیض نہیں ہو سکتی۔ درست فرمایا تھا۔ جناب مرزا صاحب۔

اخلاقی معلّم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کریمہ دکھلاوے۔

(چشمۂ مسیحی ص۹)

لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ مومن لعّان (لعنت بھیجنے والا) نہیں ہوتا۔

(ازالہ ص۶۶۰)

تحریر میں سخت گالیاں دینا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور بد زبانی کرنا اور اپنے مخالفانہ جوش کو انتہا تک پہنچانا۔ کیا اس عادت کو خدا پسند کرتا ہے یا اس کو شیوۂ شرفا کہہ سکتے ہیں ؟

(آسمانی فیصلہ ص۹)

"میری فطرت اس سے دور ہے کہ کوئی تلخ بات منہ پہ لاؤں ۔"

(آسمانی فیصلہ ص۱۰)

سو فیصدی درست ! بھلا ایک رسول کو تلخ نوائی و بدزبانی سے کیا تعلق ؟

لیکن !

جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک اشتہار میں جناب مرزا صاحب کے متعلق یہ لکھا کہ "یہ میرا شکار ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو میرے قبضے میں آگیا ہے" تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔

"اس زمانے کے مہذب ڈوم اور نقال بھی تھوڑا بہت حیا کو کام میں لاتے ہیں اور لچوں کے سفلے بھی ایسا کمینگی اور شیخی سے بھرا ہوا تکبر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زبان پر نہیں لاتے ۔"

(آسمانی فیصلہ ص۱۰)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے ہندوستانیوں کے متعلق فرماتے ہیں ۔

"ان لوگوں نے چوروں، قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ شروع کر دیا ۔"

(ازالہ ص۲۴)

اور بٹالوی کو ایک مجنون درندہ کی طرح تکفیر اور لعنت کی جھاگ منہ سے نکالنے کے لیے چھوڑ دیا۔ (آسمانی فیصلہ ص۱۴)

جھوٹ بولنا اور نجاست کھانا ایک برابر ہے تعجب ہے کہ ان لوگوں کو نجاست خوری کا کیوں شوق ہو گیا۔

(آسمانی فیصلہ ص۳۲)

مباحثہ مُدّ (ضلع امرتسر کا ایک گاؤں۔ جہاں ۱۹۰۲ء میں احمدیوں اور مولوی ثناء اللہ کے درمیان مباحثہ ہوا تھا) کے سلسلے میں مولوی ثناء اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"........ موضع مُدّ میں .... سخت بے حیائی سے جھوٹ بولا .... وہ انسان کتوں سے بدتر ہوتا ہے کہ جو بے وجہ بھونکتا ہے۔"

(اعجاز احمدی ص۲۳)

"یہ بزدل علماء جیفہ خوار ......" (نشان آسمانی ص۱۹)

"اگر کوئی .... خواب یا کوئی الہام یا کشف میرے خوش کرنے کے لیے مشہور کر دے گا۔ تو میں اسے کتوں سے بدتر اور سوروں سے ناپاک تر سمجھتا ہوں۔" (نشان آسمانی ص۶)

پھر فرمایا کہ "اس امت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ علما اس امت کے یہود کے مشابہ ہو جائیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں تک کہ اگر کسی یہود نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے ۔ تو وہ بھی کریں گے ۔"

(شہادت القرآن صـ۱۱)

یہ بھی ملاحظہ فرمایئے :

" خداوند قادر قدوس میری پناہ ہے اور میں تمام کام اسی کو سونپتا ہوں اور گالیوں کے بدلے گالیاں دینا نہیں چاہتا اور نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔"

(آسمانی فیصلہ صـ۲۵)

اور یہ بھی :۔

" کس درجہ کے خبیث طبع یہ لوگ ہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

(چشمۂ مسیحی صـ۱)

" منشی الٰہی بخش نے جھوٹے الزاموں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی نجاست سے اپنی کتاب عصائے موسیٰ کو ایسا بھر دیا ہے جیسا کہ ایک نالی اور بدرو گندی کیچڑ سے بھری جاتی ہے یا جیسا کہ سنڈاس پاخانہ سے ۔"

(حاشیہ اربعین ۲ صـ۴)

سنہ ۱۹۰۲ء میں جناب مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ کو دعوت دی کہ اگر وہ سچے ہیں تو قادیان میں آکر پیش گوئیوں کی پڑتال کریں ۔ اگر کوئی پیشگوئی جھوٹی نکلے تو ہر ایسی پیشگوئی پر سو روپیہ انعام حاصل کریں ۔ اس دعوت کے ساتھ ہی یہ

پیشگوئی بھی کردی۔

"وہ قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے۔" (اعجاز احمدی ص۳۷)

اور اس پیش گوئی کو ایک نشان قرار دیا (اعجاز رضوی ص۳۷) لیکن مولوی ثناء اللہ قادیان جا دھمکے۔ اور جناب مرزا صاحب کو بموجب مکتوب محررہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۲ء اطلاع دی۔ حاملین رقعہ بیان کرتے ہیں کہ۔

مرزا صاحب ایک ایک فقرہ (مکتوب کا) سنتے جاتے تھے۔ اور بڑے غصہ سے بدن پر رعشہ تھا اور دہانِ مبارک سے خوب گالیاں دیتے تھے .... چند الفاظ .... یہ ہیں۔ خبیث۔ سؤر۔ کتا۔ بد ذات۔ گوہ خور۔ ہم اس (ثناء اللہ) کو کبھی (جلسہ عام) میں نہ بولنے دیں گے۔ گدھے کی طرح لگام دے کر بٹھائیں گے۔ اور گندگی اس کے منہ میں ڈالیں گے۔

(الہاماتِ مرزا۔ از ثناء اللہ حاشیہ ص۱۲۲)

پھر پڑھیے :۔

میری فطرت اس سے دُور ہے۔ کہ کوئی تلخ بات منہ پہ لاؤں۔

(آسمانی فیصلہ ص۱۰)

سچا خواب ایک گنہ گار کو بھی آسکتا ہے۔ اس مضمون کو آپ یوں ادا فرماتے ہیں۔

"بعض اوقات بعض فاسق اور فاجر اور تارک صلوٰۃ بلکہ بدکار اور حرام کار بلکہ کافر۔ اللہ اور رسول سے سخت بغض رکھنے والے بلکہ توہین کرنے والے اور سچ مچ اخوان الشیاطین شاذو نادر طور پر سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ ص۳۲)

"کبھی ایک نیک بخت .... کوئی پیچیدہ خواب دیکھتا ہے .... مگر اسی رات ایک فاسق، بدمعاش نجاست خور کو صاف اور کھلی کھلی خواب دکھائی دیتی ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ ص۳۸)

مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق فرماتے ہیں۔

"مگر افسوس کہ بٹالوی نے اس اعتراض میں بھی شیطان ملعون کی طرح دانستہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہا۔"

(انجام آتھم ح ص۲۰)

علما کو یوں مخاطب فرماتے ہیں۔

"اے بدذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑ دو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا۔ وہی عوام کالانعام کو پلایا۔"

(انجام آتھم حاشیہ ص۲۱)

بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ دل کے مجذوم اور اسلام کے دشمن ۔۔۔۔۔۔
دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہت کے لائق خنزیر
ہے مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسانی جوش کے
لیے حق اور دیانت کی گواہی چھپاتے ہیں۔ اے مردار خوار مولویو! اور گندی
روحو! ۔۔۔۔۔۔۔ اے اندھیرے کے کیڑو۔

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۲۱)

"۔۔۔۔۔ پلید ذریت شیطان۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵)

یہ (مولوی) جھوٹے ہیں۔ اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہیں۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵)

ذرا یہ بھی ملاحظہ ہو۔

میں سچ سچ کہتا ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے میں نے (اپنی
تالیفات میں) ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام
دہی کہا جائے۔ (ازالہ جلد اول ص ۶)

اور یہ بھی ۔" جس دن یہ سب باتیں (محمدی بیگم کی پیشگوئی میں درج شدہ)
پوری ہو جائیں گی ۔۔۔۔۔۔ اس دن ۔۔۔۔۔۔ نہایت صفائی

سے (ان کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلّت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سوروں کی طرح کر دیں گے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳)

عبدالحق غزنوی بار بار لکھتا ہے کہ آتھم والی پیشگوئی میں پادریوں کی فتح ہوئی۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ اے بد ذات۔ یہودی صفت۔ پادریوں کا اس میں منہ کالا ہوا اور ساتھ ہی تیرا بھی .... اے خبیث کب تک تو جیئے گا ......

.... خاص کر رئیس الدجّالین عبدالحق غزنوی اور اس کا تمام گروہ علیہم نعال لعن اللہ الف الف مرۃ ہ

ان پر خدائی لعنت کے دس لاکھ جوتے برسیں) .... اے پلید دجّال! تعصب نے تجھ کو اندھا کر دیا۔

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۴۵ ـ ۴۶)

پھر پڑھیئے:۔

لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ مومن لعّان (لعنت بھیجنے والا) نہیں ہوتا۔ (ازالہ ص۶۶۰)

اور یہ بھی:۔ (مولوی عبدالحق غزنوی کو خطاب کیا جا رہا ہے)

"اے کسی جنگل کے وحشی ...."

(ضمیمہ انجام آتھم ص۴۹)

خطاب جاری رہا۔

"تم نے حق کو چھپانے کے لیے یہ جھوٹ کا گوہ کھایا........

........اے بدذات، خبیث، دشمن اللہ اور رسول کے تو نے

یہ یہودیانہ تحریف کی۔ مگر تیرا جھوٹ اسے ناکار پکڑا گیا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۰)

اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے۔

"میں محض نصیحتاً للہ مخالف علماء اور ان کے ہم خیال لوگوں کو کہتا ہوں

کہ گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے۔"

(ضمیمہ اربعین ۳-۴ ص۵)

لیکن........

"یقبلنی ویصدق دعوتی الا ذریة البغایا الذین ختم اللہ
علی قلوبہم۔"

(آئینہ کمالات ص۵۴۷)

(کنجریوں کے بچوں کے بغیر جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے
باقی سب میری نبوت پہ ایمان لا چکے ہیں۔)

"دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے
بڑھ گئیں۔"

(نجم الہدیٰ ص۱۰)

"اب جو شخص بار بار کہے گا کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی........

........اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں ہے۔"

(انوار الاسلام صفحہ ۳۰)

کیا حضور علیہ السّلام کی زبان مبارک سے بھی زندگی بھر کوئی ایسا لفظ نکلا تھا؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں، تو ارشادِ ذیل کا مطلب؟

"میں بروزی طور پر آنحضرت صلعم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدؐ مع نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہے۔"

(ایک غلطی کا ازالہ)

"میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔"

(نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۲)

حضورؐ کا کمالِ صبر و ضبط اور جنگ کے گھمسان میں دشمنوں کے لیے دعائیں مانگنا تھا، نہ کہ انہیں مردار خور سؤر ولد الحرام، گوہ خور اور کنجریوں کی اولاد کہنا مخالفین پر ایسے الفاظ کا کبھی اچھا اثر نہیں ہو سکتا۔

"یہ بات نہایت قابل شرم ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاقِ رذیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درشت بات کا ذرا بھی متحمل نہ ہو سکے اور جو امامِ زماں کہلا کر ایسی کچی طبیعت کا آدمی ہو کہ ادنیٰ بات میں منہ میں جھاگ آتا ہے آنکھیں نیلی پیلی ہوتی ہیں۔ وہ کسی طرح بھی امامِ زماں نہیں ہو سکتا۔"

(ضرورت الامام صفحہ ۸)

جناب مرزا صاحب اپنے مخالفین کے متعلق نہایت سخت کلامی سے کام لیتے تھے۔ یہ مرض آپ کے پیرؤں میں بھی موجود تھا۔ یہاں کئی سو مثالوں میں سے

دو پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۹۲۵ء میں قادیان کے ایک اخبار فاروق میں لاہوری احمدیوں کے متعلق ایک سلسلہ مضامین شائع ہوا۔ صرف ایک مضمون میں مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوئے،

یہودیانہ قلابازیاں، ظلمت کے فرزند، زہریلے سانپ، خباثت شرارت اور رذالت کے مظہر، عباد الدنیا و قود النار، کمینے، رذیل، احمق، دوغلے، نیمے دروں نیمے بروں، بدلگام، غدار، نمک حرام، دوزخے، کھیلی اٹھی، کبوتر نما جانور، ستر سے بہتر سے کھوسٹ، جھوٹے دھوکے باز فریب کار، اڑھائی ٹوٹرو بھیگی بلّی، دجال، علی بابا چالیس چور، لعنت کا سیاہ داغ ماتھے پر۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

(فاروق ۲۱۔ فروری ۱۹۲۵ء)

جناب خلیفۃ المسیح ثانی نے ایک تقریر میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق فرمایا۔

کہ اگر محمد حسین بٹالوی کے والد کو معلوم ہوتا کہ اس کے نطفہ سے ایسا بوجہل پیدا ہوگا۔ تو وہ اپنے آلۂ تناسل کو کاٹ دیتا اور اپنی بیوی کے پاس نہ جاتا۔

(ملخص) الفضل ۲۔ نومبر ۱۹۲۲ء

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے خود اخلاقی تعلیم پہ عمل نہیں کیا۔ انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر بد دُعا کی۔ اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا

.... بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو۔ مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولدالحرام تک کہہ دیا ....

.... اخلاقی معلم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کریمہ دکھلاوے پس کیا ایسی ناقص تعلیم جس پر انہوں نے اپنے آپ بھی عمل نہ کیا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے؟

(چشمہ مسیحی ص۹)

خاتمہ

ہم جناب مرزا صاحب کے اقوال۔ دلائل بشارات۔ الہامات اور نشانات کا جائزہ لیتے ہوئے خاتمۂ کتاب تک آپہنچے۔ ہمارا آغاز سے ارادہ تھا کہ ہم اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پہ منصفانہ و غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالیں کہیں تحریف نہ کریں۔ کسی عبارت کو مصنف کی منشا کے خلاف مسخ نہ کریں اور کوئی دلآزار لفظ ساری کتاب میں داخل نہ ہونے دیں۔ الحمدللہ۔ کہ ہم ان ارادوں میں کامیاب رہے۔

قارئینِ کرام! اب اس مسئلہ کی پوری تصویر آپ کے سامنے ہے ہم واضح کر چکے ہیں۔

- ۱۔ کہ قرآن۔ حدیث اور جناب مرزا صاحب کے اقوال کی روشنی میں **خاتم النبیّن** کی تفسیر کیا ہے۔
- ۲۔ کہ قرآن میں کسی مسیح موعود کے آنے کا ذکر موجود نہیں اور احادیث بقولِ مرزا صاحب ظنی و ساقط الاعتبار ہیں۔
- ۳۔ کہ آپ ۱۸۶۵ء سے ۱۹۰۲ء تک حضور علیہ السلام کو آخری نبی اور ہر مدعی نبوت کو خارج از اسلام قرار دیتے رہے۔
- ۴۔ کہ آپ نے ایک طرف انگریزوں کو دجّال قرار دیا۔ اور دوسری طرف ان کی اطاعت اپنی ذریت اور جماعت پہ فرض کر دی۔
- ۵۔ کہ آپ کی بعض دعائیں قبول نہ ہوئیں:

- ۶۔ کہ آپ کی بعض پیش گوئیاں پوری نہ ہوئیں۔
- ۷۔ کہ آپ کے تمام الہامات آپ کی تعریف اور بشارات تک محدود رہے اور ان میں کوئی اخلاقی۔ سیاسی یا عمرانی ضابطہ نازل نہ ہوا۔
- ۸۔ کہ آپ کا اردو کلام جوہر فصاحت سے معرا تھا اور عربی کلام میں بھی خامیاں موجود تھیں۔
- ۹۔ کہ آپ نے اپنے مخالفین کے متعلق ایسی زبان استعمال فرمائی جو مقامِ نبوت کے شایاں نہ تھی۔

احمدی بھائیو! ان تفاصیل سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں لیجئے۔ ہم اس مسئلہ کو ایک اور رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

جناب مرزا صاحب کی عمر انہتر برس تھی۔ ان پہ پہلا الہام ۱۸۶۵ء میں نازل ہوا تھا۔ آپ اکتوبر ۱۹۰۲ء تک یہی فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ اور آپ کے آخری ساڑھے پانچ برس اثبات نبوت میں بسر ہوئے تو گویا آپ کی زندگی کو دو حصوں میں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- اوّل۔ پہلے چونسٹھ برس۔ جن میں آپ حضور علیہ السّلام کو آخری نبی سمجھتے رہے۔
- دوم۔ اور آخری، پانچ برس جن میں آپ نے باب نبوت کھول دیا

میں آپ سے سیدھا سا سوال پوچھتا ہوں کہ آپ جناب مرزا صاحب کے کس حصۂ زندگی کو قابلِ تقلید و عمل سمجھتے ہیں؟ صرف آخری پانچ

برس کو؟ ایک رسول کی یہ توہین کہ آپ ان کی چونسٹھ برس کی طویل زندگی کو ناقابل تقلید قرار دیں۔ اور ان کی اڑتالیس ضخیم تصانیف پہ خطِ نسخ کھینچ ڈالیں۔ کیوں؟ کوئی سند؟ کوئی دلیل؟ اگر آپ کسی معقول انسان کے سامنے جناب مرزا صاحب کو بایں صورت پیش کریں۔ کہ ان کی حیاتِ مرسلانہ کے پہلے سینتیس برس ناقابل تقلید و عمل اور صرف آخری پانچ سال قابلِ اطاعت تھے تو آپ کی بات پہ کبھی بھی کان نہیں دھرے گا۔ اور اسے یہ پوچھنے کا حق ہوگا۔

- اوّل۔ کہ کیوں صاحب! پہلے سینتیس برس میں کیا خرابی تھی کہ اب وہ قابلِ تقلید نہیں رہے؟
- دوم۔ کیا اس حصۂ زندگی کے الہامات خدائی نہیں تھے اگر تھے تو پھر انہیں ناقابلِ تقلید کہنے کا مطلب؟
- سوم۔ بارش کی طرح برسنے والی وحی نے سینتیس برس تک آپ کو ختم نبوت کی تعلیم دی اور آخری پانچ سال اجرائے نبوت کی کون سی وحی صحیح تھی؟

ایک قابلِ قبول تصفیہ

احمدی و غیر احمدی میں متنازعہ فیہ امور دو ہیں۔

- اوّل۔ جناب مرزا صاحب کی ذاتِ گرامی۔
- دوم۔ مسئلہ ختم نبوت۔

امرِ اوّل کے متعلق پھر اختلاف ہے۔ احمدی اکابر آپ کی آخری پنجسالہ زندگی کو مانتے ہیں اور میرے ہاں اس تنازعہ کا معقول اور قابلِ قبول حل یہ ہے۔

کہ ان کی چونسٹھ سالہ زندگی کو مشعلِ راہ بنایا جائے۔ مسئلہ ختم نبوت خود بخود حل ہو جائے گا۔ احمدی دوستو! میرے مؤقف کو پھر سمجھ لیجئے۔ میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہا کہ جناب مرزا صاحب کی پیروی چھوڑ دیجئے۔ بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ پانچ سے چونسٹھ زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی چونسٹھ سالہ زندگی کی تقلید کیجئے احمدی و غیر احمدی کا امتیاز مٹ جائے گا۔ ملی انتشار ختم ہو جائے گا۔ آپ سوادِ اعظم میں شامل ہو کر عظیم بن جائیں گے اور وطن عزیز کو آئے دن کے مظاہروں اور جھگڑوں سے نجات مل جائے گی۔

خدا آپ کے ساتھ ہو۔

والسّلام

برقؔ

آغاز کتاب۔ ۵۔ جون ۱۹۵۲ء

تکمیل کتاب ۲۵۔ جولائی ۱۹۵۲ء

ماٰخذ

الہامی صحائف

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ تورات مقدس

۳۔ انجیل شریف

احادیث

۴۔ صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
۵۔ صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری
۶۔ سُنن	ابوداؤد السجستانی
۷۔ سُنن	احمد بن شعیب النسائی
۸۔ سُنن	ابوعبداللہ محمد بن تبرید القزوینی المعروف بابنِ ماجہ
۹۔ سُنن	محمد بن عیسےٰ الترمذی
۱۰۔ موطا	امام مالک

تاریخ

۱۱۔ تاریخ الحکما	القفطی
۱۲۔ طبقات سلاطین اسلام	لین پول ترجمہ عباس اقبال تہران
۱۳۔ تاریخ انقلابات عالم	ابوسعید بزمی

۱۴۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل — طفیل احمد بنگلوری
۱۵۔ کمپنی کی حکومت — باری۔ علیگ
۱۶۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان — ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر

لغت

۱۷۔ المنجد
۱۸۔ منتھی الارب
۱۹۔ لسان العرب
۲۰۔ القاموس
۲۱۔ صراح
۲۲۔ تاج العروس
۲۳۔ مجمع البحار
۲۴۔ تہذیب (ازہری)
۲۵۔ صحاح العربیہ
۲۶۔ کلیات ابی البقا

متفرق

۲۷۔ تبلیغ رسالت — میر قاسم علی۔ احمدی
۲۸۔ سیرۃ المہدی — صاحبزادہ بشیر احمد صاحب